جلد اوّل : ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ 2012ء

نام کتاب : سوانح حضرت مفتی زین العابدین صاحبؒ بیانات وملفوظات

مؤلف : صاحبزادہ مولانا محمد یوسف ثالث قریشی

ناشر : مدرسہ اُمِّ سلمہ للبنات سرفراز کالونی فیصل آباد

کمپوزنگ ڈیزائنگ : مفتی محمد وسیم عفی عنہ 0322-6251221

تعداد : 1000

ملنے کے پتے

☆ مدرسہ ام سلمہ للبنات سرفراز کالونی فیصل آباد 041-8723088

☆ اسلامک بک کمپنی امین پور بازار فیصل آباد 041-2647308

☆ مکتبہ اسلامیہ کوتوالی روڈ فیصل آباد 041-2623204

☆ مکتبہ العاصم تبلیغی مرکز رائے ونڈ 0313-4455313 / 0303-4455313

☆ بلال جنرل سٹورز نزد بلال تبلیغی مرکز فیصل آباد

فہرست ترتیبِ مضامین

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

نَحۡمَدُہٗ و نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

والدمحترم حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع صفات تھے۔ ذہین و فطین،فہم وفراست میں اعلیٰ ،کلام مدلل ومختصر،خطاب پُراثر، جامع حکیمانہ،مشفقانہ،وضع قطع بارعب ،محبتِ الٰہی ،محبت محبوبِ الٰہی اور انابت وخشیت قلب وروح میں ایسی پیوست کہ پاس بیٹھنے والے کو بھی محسوس ہو۔ رہبرِ شریعت پیرِ طریقت ،ولی کامل،خلیفۂ خاص حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ کے حامل اور تبلیغ ودعوت کے میدان میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قابلِ اعتماد سفر وحضر کے ایسے ہمراہی کہ اپنے چاروں بیٹوں کا نام بھی اسی نسبت سے یوسف رکھا۔

گویا پُرسوز داعی الی اللہ، پُرجوش مبلغ،تبلیغی قائد، دردمند مصلح،قادر الکلام،اور بصیرت افروز خطیب،نفیس الطبع ونفیس اللباس اور خوش اخلاق ،مفتیٔ اعظم ،علم وعمل کی یکجائی کے مظہر،ذاکر و شاغل،معمولات کے پختہ۔ یہ تھے حضرت والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہیں اہلِ فکر ونظر نے بہت سے القابات اور خطابات سے یاد کیا ہے۔

ایسی عظیم شخصیت کے بارے میں بندۂ ناچیز جو نااہل،علم وعقل میں ناقص،فہم دین میں نامکمل کیا لکھ سکتا ہے۔ یہ تو حضرت والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور شفقت اور خصوصی دعا اور

توجہ اس تألیف کی جرأت کا باعث بنی۔علاوہ ازیں حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین ،احباب اور عقیدت مند رفقاء جب بھی مل بیٹھتے تو حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر شروع ہو جاتا اور شدت سے یہ ضرورت محسوس ہوتی کہ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خیر و برکات تحریری طور پر محفوظ کی جائیں۔تا کہ رہتی دنیا تک حضرت کا صدقہ جاریہ جاری رہے۔پڑھنے اور سننے والے فیض یاب ہوں اور رہبری حاصل کرتے رہیں۔

یہ تو رہا سبب۔اور بات بنتی نہیں ،جب تک سبب کے ساتھ ربِّ کائنات کی تائید حاصل نہ ہو۔اور اس کا کرم شامل حال نہ ہو اور اس کے لئے صلوۃ الحاجت اور دعا کی توفیق ہوئی۔ چند رفقاء کی محبت اور انتھک کوشش سے الحمدللہ یہ مجموعہ مرتب ہوا۔جو کہ جلدِ اوّل کی شکل میں پیشِ خدمت ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ دوسری جلد بھی مکمل ہونے پر پیشِ خدمت کر دی جائے گی۔

قارئین حضرات سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کو قبول فرماویں۔اور پڑھنے سننے والوں کے علم و عمل میں ترقی نصیب فرماویں۔اور امورِ راشدہ کی رہبری میں تشنگان کے لئے شیخ کاملِ کا بدل ہو۔نیز تمام معاونین حضرات کو اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غائب سے دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیں۔(آمین)

بندہ (مولانا) محمد یوسف ثالث قریشی (مدینہ منورہ)

(نوٹ)

قارئین حضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ میری کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے اس مجموعہ میں جہاں جہاں کمی بیشی کی ضرورت محسوس فرمائیں تو ازراہِ کرم مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس پر اردو تحریر میں مطلع فرمائیں۔ نیز جن احباب کے پاس حضرت مفتی صاحبؒ کے ارشادات و بیانات موجود ہوں وہ بھی اسی ای میل ایڈریس پر ارسال فرمادیں، تو نوازش ہوگی۔

bmw00966@yahoo.com

یا

muhammadwaseem.azim@gmail.com

پیشِ لفظ

حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب دامت برکاتہم العالیہ
خلیفۂ مجاز حضرت مفتی **زین العابدین** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِاِسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی

دینی اکابر کی سوانح لکھنے کا اُمتِ مسلمہ کی شروع تاریخ سے ہی اہتمام رہا ہے۔ کیونکہ اللہ والوں کا ذکرِ خیر بھی دین کا ایک حصہ ہے۔ اور اس سے اُمتِ مسلمہ میں دینی جذبہ وشوق اور دین پر چلنے کی ایک ہمت اور حوصلہ کی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید اور حدیث شریف میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسرے دین پر ثابت قدم رہنے والے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ بندہ راقم الحروف کی یہ دلی تمنا تھی کہ نمونۂ سلف، عالم ربانی، داعی الی اللہ مرشدی ومولائی حضرت مفتی زین العابدین صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کی محبتِ الٰہی میں سرشار، اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ کے رنگ سے رنگین، مجاہدانہ زندگی کے احوال، اقوال اور اعمال کو جمع اور مرتب کر کے شائع کیا جائے تاکہ یہ مرتب مجموعہ حضرت کے متوسلین اور متعلقین کے لئے حضرت کے فیوض وبرکات کے حصول اور دینی رہبری کا ذریعہ بن جائے۔ اور دیگر قارئین بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے عزیز گرامی قدر صاحبزادہ مولانا محمد یوسف ثالث

صاحب سَلَّمَہٗ کو کہ انہوں نے اس کارِ خیر کا ارادہ فرمایا اور حضرت مفتی صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کی سوانح لکھنے کی کوشش فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے، اور ہمیں اس سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے اور معاونین حضرات کو بھی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اور حضرت مفتی صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

بقلم بندہ غلام مصطفیٰ غفرلہٗ

ادنیٰ خادم حضرت مفتی **زین العابدین** صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

منظوم کلام

وصفِ داعی الی اللہ شیخِ طریقت

حضرت اقدس مفتی **زین العابدین** صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

ایمان والی زندگی ،دعوت الی اللہ کام تھا
نماز بھی عجیب تھی ،کیا سجدہ کیا قیام تھا

علم دین کی ہو اشاعت، اس کا اہتمام تھا
ذکرِ الٰہی تھی غذا، اسی سے بس آرام تھا

چھوٹوں پر تو شفقت تھی ، بڑوں کا احترام تھا
ہر عمل میں اخلاص تھا، یہ طرز بالدّوام تھا

اسلام والی زندگی سب کے لئے پیام تھا
تھی استقامت دین پر ، یہ مرتبہ مقام تھا

نام زین العابدین ، داعی الی اللہ تھا لقب
ختم نبوت کی تو وہ شمشیر بے نیام تھا

اتباع شیخ کی یا رب ہمیں توفیق دے
جو ہمارا زندگی میں مقتدیٰ ، امام تھا

یا الٰہی شیخ کو تیرے فضل سے ہو آرام
جو کہ تیرے ہی لئے بے چین صبح و شام تھا

نتیجۂ فکر بندہ غلام مصطفےٰ غفرلہ

ادنیٰ خادم حضرت اقدس مفتی **زین العابدین** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آغازِ سوانح

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَمَّا بَعۡدُ کُلُّ نَفۡسٍ ذَائِقَۃُ الۡمَوۡتِ

نمونۂ سلف، عالم ربانی، ولیٔ کامل، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، سفیرِ اسلام، داعی الی اللہ، مبلغِ اعظم، والدِ محترم حضرت مفتی زین العابدین صاحب نَوَّرَاللّٰہُ مَرۡقَدَہٗ وَمَضۡجَعَہٗ کی ذات پوری دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ آپؒ نے دین کے تمام شعبوں میں بے پایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپؒ ایک وقت میں فقیہ بھی ہیں اور شیخ وقت بھی آپؒ کا روحانی و علمی فیض ملک اور بیرونِ مما لک میں اس طرح پھیلا کہ ان شاءاللہ آپؒ کی روحانی اولاد اس کو ہمیشہ جاری وساری رکھے گی۔ آپؒ کو جتنا عشق دینی تحریک دعوت وتبلیغ سے تھا اتنا ہی انس دینی مدارس سے بھی تھا آپؒ اپنی استطاعت کے مطابق ملک اور بیرون مما لک کے دینی مدارس بشمول دارالعلوم فیصل آباد کی مالی، جانی اور رُوحانی خدمت بھی کرتے تھے۔ آپؒ کی فقہی حیثیت بھی اپنے دور میں لا ثانی تھی فقہ آپؒ کا خصوصی فن تھا آپؒ کی علمی اور فقہی تحقیقات پر ہر دور کے علماء اور مشائخ نے اعتماد کیا فقہ کے وہ مسائل جن کو حل کرنے میں علماءِ عصر قاصر ہوتے آپؒ کے یہاں اشاروں سے حل ہو جاتے تھے آپؒ بڑے سے بڑا مسئلہ کو مختصر اور جامع الفاظ میں فرما دیا کرتے تھے۔ ایک مشہور مقولہ ہے (مَوۡتُ الۡعَالِمِ مَوۡتُ الۡعَالَمِ) عالِم کی موت عالَم کی موت ہے، اس بناء پر آپؒ کی رحلت سے

پیدا ہونے والا خلا بھی شاید عرصۂ دراز تک پُر نہ ہو سکے۔لہٰذا آپ کے فیوض و برکات سے استفادہ کی خاطر آپؒ کے حالات مجملاً پیش خدمت ہیں۔

نسب و خاندان

حضرت والد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کا نسبی تعلق ایک علمی خاندان سے ہے آپؒ کے دادا کے پڑدادا حضرت حافظ خدا بخش صاحب کا گھر مدینہ منورہ میں مسجد نبوی شریف کے باب المجید کے سامنے تھا اس جگہ پر ایک نل تھا جس میں نہر الزرقاء کا پانی آتا تھا۔گورنر حجاز کی ترکی حکومت کے خلاف بغاوت اور جنگ کے موقع پر وہ ہجرت کر کے ایران آ گئے تھے۔ایران میں کچھ عرصہ قیام کے بعد کابل آ گئے اور کابل سے ہجرت کر کے مندہ خیل تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں رہائش پذیر ہوئے۔آپؒ کے والد بھی ایک جید عالم دین اور صاحب حال بزرگ تھے۔آپؒ کے نانا محترم حضرت مولانا مراد علی صاحبؒ بھی عظیم مدرس تھے۔الحمد للہ آپؒ کے خاندان کے اکثر مرد مفتی، علماء، قراء اور حفاظ اور داعی الی اللہ ہیں اور مستورات بھی اکثر فاضلات اور حافظات اور داعیہ الی اللہ ہیں۔

شجرۂ نسب تفصیلی

حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حافظ خدا بخش

شیخ محمود

غلام محمد

نور عالم شاہ محمد

محمد عابد شیر محمد

زین العابدین زین الدین ضیاء الدین محمد صادق شرف الدین گل محمد

نور الحسن معین الدین نصیر الدین فیض الحسن

ضیاء الحق محمد یونس حبیب الرحمٰن عزیز الرحمٰن

محمد حسن نجم الحسن اعجاز الحسن عمر عثمان ابوبکر طارق

عبد الرسول علی نعمان

عارف آصف کاشف عابد ساجد ادریس احمد حامد محمود جواد حماد جیاد

حمید الدین سعید الدین سدید الدین رفیع الدین محمد احمد محمود حامد

محمود الحسن احمد حسن

محمد یوسف اول محمد یوسف ثانی محمد یوسف ثالث محمد یوسف رابع

سعد سعید اسعد اسہل انس حسان عدنان ہمدان عروہ عکرمہ

ولادت

آپؒ یکم جنوری 1917ء بمطابق 6 ربیع الاول 1335ھ کو منداخیل ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کی عمر تھی کہ آپؒ کے والد محترم حضرت مولانا محمد عابد صاحبؒ چک نمبر 34 ڈاکخانہ جہانگیر آباد تحصیل خانیوال ضلع ملتان تشریف لے گئے۔

طالبِ علمی

آپؒ نے لوئر مڈل پاس کیا اور اپنے نانا مولانا مراد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن مجید اور ابتدائی فارسی اور مولانا رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صَرف اور ہدایۃ النحو اور مولانا سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ولی اللہ ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کافیہ، شرح تہذیب اور مکھڈ شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا احمد دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ آپؒ کے نانا کے شاگرد تھے ان سے شرح جامی، کنز الدقائق، سراجی وغیرہ اور غوث پور کبیر والا میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قطبی، میبذی، شرح وقایہ، مختصر المعانی، مطول، ملاحسن اور مقامات پڑھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ ابتدائی کتب پڑھانے میں مشغول رہے۔ آپؒ کا زمانہ طالب علمی میں چار گھنٹے مطالعہ بدستور رہا اس کے بعد اچھرہ لاہور تشریف لے گئے حضرت مولانا مہر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امتحان لیا۔ آپؒ نے فقہ میں اتنے نمبر حاصل کیے کہ اساتذہ آپؒ کی خداداد قابلیت پر بہت خوش ہوئے۔ دورانِ تعلیم 10 سال کی عمر میں آپؒ کے والد محترم 1927ء جہانگیر آباد تحصیل خانیوال ضلع ملتان میں انتقال کر گئے (إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) اور وہیں مدفون ہوئے۔ اور 20 سال کی عمر ہوئی تھی کہ آپؒ اپنے نانا جیؒ کے سایہ شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔

دورۂ حدیث شریف

لاہوراچھرہ میں مشکوٰۃ شریف تک اپنے تمام اسباق مکمل کر کے نومبر 1939ء شوال 1358ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت انڈیا میں دورہ حدیث کے لئے تشریف لے گئے۔آپؒ نے بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور مسلم شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو داؤد شریف علامۃ العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور ترمذی شریف حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔

کفایت شعاری

دورانِ تعلیم گندم کی فصل کی کٹائی کی مزدوری میں جو رقم حاصل ہوتی اس میں سے دو جوڑا کپڑے اور ایک جوڑا جوتا خرید فرماتے اور بقیہ رقم بوقت ضرورت استعمال کرتے۔اور فرماتے ایک سال کا گزر بہت آسانی اور سہولت سے ہو جاتا تھا۔کبھی کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔یہاں تک کے گھر سے بھی کبھی خرچ نہ مانگا تھا۔

امرتسر کی جامع مسجد خیر الدین میں بحیثیت خطیب تقرری

تعلیم سے فراغت کے بعد پھر آپؒ امرتسر چلے گئے۔امرتسر کی جامع مسجد خیر الدین ہال بازار میں قابلِ تعریف خطیب رہے۔اور اس وقت انگریز دور کے پُر آشوب دور حالات میں بھی امرتسر اور دہلی وغیرہ میں بڑے بڑے جلسوں میں بیباکانہ خطاب فرماتے رہے۔امرتسر کی جامع مسجد خیر الدین آپؒ کے سسر حضرت حاجی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی تھی۔حاجی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خطابت اور وجاہت سے بے حد متاثر ہوئے اسی وجہ سے انہوں نے آپؒ کو اپنی مسجد کا خطیب مقرر فرمایا۔

دعوت و تبلیغ کی ابتداء (بستی نظام الدین نئی دہلی 1944ء)

اور اسی دوران حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت الی اللہ کی محنت کی طرف متوجہ ہوئے۔1944ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں دہلی

تشریف لے گئے ۔ کچھ عرصہ قیام کر کے اس فیصلے کے بعد تشریف لائے کہ کام کرنے کا تو یہی ہے۔ یہاں سے عالمی دعوت الی اللہ کی ابتداء ہوئی ۔اسی سال حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ رحلت فرما گئے ۔ 1946ء میں ایک سال کے لئے نظام الدین تشریف لے گئے اور یہاں سے آپ نے دعوت وتبلیغ کی محنت میں مستقل شمولیت اختیار فرمالی اور آخر عمر تک اسی کے ساتھ منسلک رہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت واجازت

آپؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے 1944ء بمطابق 1363ھ میں بیعت فرمائی اور حصولِ نسبت وتکمیلِ طریقت کے بعد جون1952ء بمطابق14 رمضان 1371ھ میں چاروں سلسلوں میں خلافت واجازت
سے نوازے گئے ۔اور آپ کا اجازتِ بیعت کا سلسلہ اس طرح سے ہے آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اور ان کو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمتہ اللہ علیہ سے اور ان کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے اور ان کو سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ سے اور آپؒ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اسی خاص محبت کی اور تعلق کی وجہ سے دار العلوم فیصل آباد میں 1980ء میں اعتکاف کیا اور پورے فیصل آباد میں عجب بہاریں رہیں۔ اور جب لوگ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا ارادہ کرتے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے بھائی میں تو چند دن کا مہمان ہوں مفتی جی سے بیعت ہو جاؤ۔اس کے باوجود جو لوگ حضرت شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہو جاتے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ بھائی سلوک کی منزل طے کرنے کے لئے جو کچھ پوچھنا ہو تو مفتی جی سے پوچھ لیو۔

آپؒ پیر کامل تھے آپؒ کے اپنے سینکڑوں مریدین تھے۔جنہوں نے آپؒ سے تربیت حاصل کی اور اپنے قلب کی اصلاح کروائی اور اللہ اللہ کی صدا کو فضاؤں میں بلند کرنے والے بنے۔بعض بزرگ جو حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تھے حضرت شیخ

الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ مفتی جی کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح اور سلوک کی منازل طے کرو۔ چنانچہ جب آپؒ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ دیتے کہ فلاں صاحب کے سلوک کے مراحل طے پا گئے ہیں۔تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان کو اجازتِ بیعت مرحمت فرما دیتے۔آپؒ نے صرف حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی کو خلافت و اجازت سے نوازا ہے۔ جو فیصل آباد میں مقیم ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ بیعت اور روحانی شجرہ منظوم فارسی۔ جس میں حضرت ؒ کے متوسلین کے لئے شعر نمبر 3 کا اضافہ کیا گیا ہے۔

شجرۂ چشتیہ صابریہ امدادیہ خلیلیہ

[1]

یا الٰہی کن مناجاتم بفضل خود قبول

از طفیل اولیاء خاندانِ صابری

شاد فرما روح شاں از رحمت و رضوان خود

در جوارت دار ایشاں را بقرب دائمی

رحم کن بر حالِ من اے خدائے ذوالمنن

بہر زین العابدین داعئ دینِ نبی

ذکرِ قلبی کُن عطا اے قادرِ مطلق مرا

بہر مولانا زکریا صاحب سرِّ نبی

بہر مولانا خلیل احمد ملاذی فی غدی

ہم رشید احمد رشید باصفا وسیدی

بہر امدادو بنورو حضرت عبدالرحیم

وعبد باری عبد ہادی عضد دیں مکی ولی

ہم محمدی و محبّ اللہ شاہ بوسعید

[1] (ترجمہ) یا اللہ میری التجا کو اپنے فضل وکرم سے صابری خاندان کے بزرگوں کے طفیل قبول فرما۔

ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس احمدی

ہم محمد ، عارف و ہم عبدحق شیخ جلال

شمس دین ترک و علاء الدین فرید جودھنی

قطب دین وہم معین الدین،عثمان وشریف

ہم بمودود و ابو یوسف محمد احمدی

بو سحاق و ہم بمشاد و ہُبیرہ نامور

ہم حذیفہ و ابن ادہم ہم فضیل مرشدی

عبد واحد ہم حسن بصری علی فخر دین

سید الکونین فخرالعالمین بشریٰ بنی

۲؎ پاک کن قلبِ مرا تو از خیالِ غیرخویش

بہر ذات خود شفایم دہ زا مراض دلی

۲؎(ترجمہ) یا اللہ تو میرے دل کو اپنے ماسوا کے خیال سے پاک کر دے اور اپنی ذاتِ عالی کے واسطہ سے مجھے دلی بیماریوں سے شفا عطا فرما۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادت برائے معمولات اذکار

(خصوصاً بیعت ہونے والوں کے لئے)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

غسل، وضو سے فارغ ہوکر پاکیزہ کپڑے پہن کر علیحدہ کمرہ میں دو رکعت نماز توبہ پڑھ لیں۔ اور پھر قبلہ رو بیٹھ کر توبہ کی نیت سے یہ الفاظ صدقِ دل سے پڑھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم لاالٰہ الا اللہ مُحمّد رسول اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ہم نے توبہ کی شرک سے، کفر سے، بدعت سے، زنا سے، جھوٹ سے، غیبت سے، بہتان سے، نماز چھوڑنے سے، دین نہ سیکھنے سے اور تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے۔ یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما۔ یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما۔ یا اللہ ہماری توبہ قبول فرما۔ ہم عہد کرتے ہیں شرک نہیں کریں گے، کفر نہیں کریں گے، بدعت نہیں کریں گے۔ یا اللہ ہمیں اس عہد پر پختہ رہنے کی توفیق عطا فرما۔

اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر جی لگا کر اپنی زبان میں دعا کریں کہ یا اللہ جو کچھ غلط کیا ہے اسے معاف کردے۔ اور تمام گناہوں سے نفرت نصیب فرما اور تمام اچھے کاموں کی رغبت اور شوق نصیب فرما۔ اور اس کے بعد جو وقت فارغ ہو یہ طے کرلو کہ اس وقت میں روزانہ ذکر کرنا ہے،

تلاوت کرنی ہے اور دو یا چار رکعت نماز پڑھنی ہے۔ جب ذکر کے لئے بیٹھو تو خیال کرو کہ میں سر سے پیر تک گندا ہوں اے اللہ مجھے پاک فرما دے۔ سر، غلط سوچنے سے گندا ہوتا ہے۔ آنکھیں ،غلط دیکھنے سے گندی ہوتی ہیں، زبان غلط بولنے سے گندی ہوتی ہے۔ اور اس گندگی سے پاک ہونے کی صورت اللہ جل جلالہ کی بخشش ہے اور اسی کا نام استغفار ہے۔ استغفر اللہ۔ یا اللہ میں بخشش چاہتا ہوں جیسے ناپاک جسم صابن، پانی مانگتا ہے، صرف استغفر اللہ، استغفر اللہ کی دو تسبیح۔ اس کے بعد کلمہ سوئم کا صرف سبحان اللہ، سبحان اللہ دو سو مرتبہ اس میں بھی وہی استغفار والا دھیان رہے۔ یا اللہ تو تمام کمزوریوں سے پاک ہے اور میں عیب والا اور کمزور ہوں مجھے پاک کر دے۔

اس کے بعد الحمد للہ کلمہ شکر ہے۔ اللہ جل جلالہ کی تین طرح کی نعمتیں ہیں (1) سب سے بڑی نعمتیں تمام احکام ہیں (2) تمام اعضاء (3) کل کائنات کی نعمتیں۔ دو سو مرتبہ الحمد للہ اور اس وقت جو بھی نعمت یاد آئے اس پر دل سے شکر گزار ہو۔ جب اللہ جل جلالہ کی نعمتوں کا دل سے شکر گزار ہو گا تو اللہ جل جلالہ سے محبت پیدا ہو گی۔ اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کی اطاعت آسان ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد لا الہ الا اللہ دو سو مرتبہ اس کے پڑھتے وقت یہ دھیان جمانا ہے کہ یہ کلمہ میرے دل میں لکھا جا رہا ہے، میرے سینے میں لکھا جا رہا ہے، میری زبان پر لکھا جا رہا ہے اور یا اللہ جیسے اس وقت کلمہ دل اور زبان پر ہے ایسے ہی موت کے وقت بھی ہو۔ اور اس کے بعد اللہ اکبر دو سو مرتبہ اس دھیان سے کہ اللہ کی عظمت اور بڑائی میرے دل میں بیٹھ جائے اور اپنے چھوٹے ہونے کا یقین دل میں بیٹھ جائے۔ اور درود شریف تین سو مرتبہ اور اس وقت یہ دھیان جمانا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے اس پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور درود شریف اللہ جل جلالہ کے دربار میں درخواست ہے کہ اپنے نبی پر اپنے شایانِ شان رحمت نازل فرما۔ اور جب درخواست کنندہ پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں تو جس کے لئے یہ

درخواست کی گئی ہے اس پر کتنی رحمتیں نازل ہوں گی۔اب میں درود شریف پڑھوں گا اور حضور ﷺ کی بات حق ہے حضور ﷺ پر رحمتیں نازل ہوں گی اور مجھ پر بھی رحمتیں نازل ہوں گی۔

اس کے بعد قرآنِ مجید اُٹھالے۔اوراس کو کھولتے وقت یہ دھیان کیا جائے کہ یااللہ یہ تیری کتاب ہے اس میں میرے لئے احکامات ہیں(1)یہ کام کرو(2)یہ کام مت کرو۔جو کرنے کے ہیں وہ کرنے کی توفیق دیدے۔اور جو نہ کرنے کے ہیں ان سے نفرت عطافرما۔اس دھیان سے جتنا شوق ورغبت سے پڑھا جا سکے پڑھ لے۔اوراس کے بعد دو رکعت صلوٰۃ التوبہ اور صلوٰۃ الحاجتہ خوب توجہ اور دھیان سے پڑھ لے۔

بس یہ ذکر کے معمولات ہیں۔اوران کے علاوہ تبلیغ کے معمولات کا بھی روزانہ اہتمام کریں۔رب کریم سب کے لئے ہدایتِ تامہ کے دروازے کشادہ فرمائے اور ہم سب کو دعوتِ عامہ کی توفیق عطافرمائے۔

والسلام

دستخط حضرت **مفتی صاحب** رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عادات اور اوصافِ جمیلہ

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے عادات اور اوصافِ جمیلہ میں اتباعِ سنت کے رنگ میں سلف صالحین کا ایک نمونہ تھے نبی کریم ﷺ کے بارے میں آتا ہے (مَنْ رَّآهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ) ترجمہ: جو شخص نبی کریم ﷺ کو اچانک دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا اور جو ساتھ رہتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگ جاتا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کا ایک نمونہ تھے۔ دور سے دیکھنے والے آپؒ کے چہرے سے جلال اور رعب محسوس کرتے تھے۔ لیکن جو ملاقات کر لیتا یا ساتھ رہ لیتا محبّ اور خادم بن جاتا۔ یا اگر کسی کو رفاقت میسر آ جاتی تو اس سے پوچھئے؟ کہ آپؒ کیا تھے اور کیسے۔ مہمان نوازی اس درجہ کی کہ معلوم ہوتا کہ ان کی روحانی غذا بن چکی تھی۔ مہمانوں سے نہایت تواضع اور عزت و احترام سے پیش آتے۔ آنے والے کی اعزاز و تکریم اتنی کرتے کہ بیٹا یہ لاؤ، وہ لاؤ۔ (سبحان اللہ) طبیعت میں نفاست بہت زیادہ تھی ہمیشہ سفید کپڑا پہنتے اور سر پر دیدہ زیب ٹوپی رکھتے تھے۔ طبیعت میں ایسی نزاکت کہ غلط اور ناجائز چیز

کا دیکھنا برداشت نہ ہوتا تھا جتنے نفیس تھے اس سے زیادہ حلیم بھی تھے خلافِ طبع اگر کوئی مشکل درپیش ہوتی تو اس کو انتہائی بردباری سے برداشت کرتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور درگزر کرنے میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ جب آپؒ پر 1970ء میں اعتکاف کے دوران 29 رمضان المبارک صبح وضو کرتے ہوئے ایک سفاک نے قاتلانہ حملہ کیا تھا تب سب شہر والے اور اصحابِ اقتدار انتقامی جذبہ میں تھے مگر آپؒ نے بڑی بردباری سے فرمایا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا ہے اور اسی طرح جب ہمارے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یوسف اول صاحب پر ایک سفاک نے قاتلانہ حملہ کیا۔ تو اس وقت پہلے سے کہیں زیادہ عوام تو عوام مشائخ اور علماء بہرصورت انتقامی جذبے میں تھے اور آپؒ کو ہر حال میں انصاف کرنے پر ابھار رہے تھے مگر آپؒ نے ایک جملہ فرما کر سب کو خاموش کو دیا کہ دورِ صدیقی ﷛ پہلے اور دورِ فاروقی ﷛ بعد میں ہے۔ عفو پہلے ہے انصاف بعد میں ہے۔ تقریباً دو ہزار کے بڑے مجمع میں آپؒ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں اپنی طرف سے اور اپنے بیٹے اور خاندان کی طرف سے اس کو معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ بہرصورت یہ فیصلہ ہر ایک کو تسلیم کرنا ہی پڑا۔ اور آپؒ ہر خوشی کے موقع پر چھوٹے، بڑے کا سب کا خیال کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب کا عید کے موقع پر یہ خاص معمول تھا کہ ہماری والدہ محترمہ، بیٹوں، بیٹیوں، دامادوں اور نواسوں، پوتے اور پوتیوں کو عیدی دیتے اور ساتھ یہ فرماتے ہر بڑا اپنے سے چھوٹے کو عیدی دے۔

شادی خانہ آبادی

جولائی 1951ء بمطابق 1370ھ میں حضرت حاجی عبداللہ صاحبؒ کی صاحبزادی آپؒ کی رفیقۂ حیات اور ہماری والدہ محترمہ بنیں۔ خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع

میانوالی میں ولی اور گواہوں کی موجودگی میں آپؒ نے اپنا نکاح خود ہی پڑھایا اور شادی پر کل 170 روپے خرچ ہوئے۔

قومی، ملّی اور دینی خدمات

آپؒ مرکزی جامع مسجد کلاں کچہری بازار فیصل آباد میں 1954ء کو بحیثیت خطیب و مفتی مقرر ہوئے۔ اور 19 جنوری 1962ء بمطابق 15 رمضان المبارک 1381ھ میں مدرسہ حفظ القرآن کی بنیاد رکھی۔ خلوص وتقوی کی یہ بنیاد ایک کمرہ 8 طلباء اور ایک مدرس حضرت قاری نذیر احمد صاحبؒ پر مشتمل تھی۔ یہ آپؒ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ تھا جو کہ اب اس وقت الحمد للہ سادگی سے مزین دار العلوم فیصل آباد کی شکل میں تقریباً سو کمرے اور تیس اساتذہ اور تقریباً ایک ہزار طلباء پر مشتمل ہے۔ جو اس وقت مکمل درس نظامی، تخصص فی الفقہ، تکمیل، شعبہ تجوید کی مکمل تعلیمات سے آراستہ ہے۔ اس کے مہتمم بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یوسف اول صاحب دامت برکاتہم العالیہ ہیں اللہ رب العزت ان کا سایہ شفقت تا دیر قائم رکھے (آمین)۔

جمیعت علماء ہند کی لاہور کانفرنس مسلم لیگ نے روک دی تھی۔ آپؒ نے اس کو علماء کے وقار کا مسئلہ بنایا اور آپؒ کی انتھک کوشش سے لاہور کانفرنس کامیاب ہوئی۔ اور آپؒ نے فیصل آباد میں انجمن اصلاحِ معاشرہ قائم کی تا کہ فیصل آباد میں بازارِ حسن نہ رہے 41 عورتیں جو کہ بازارِ حسن میں تھیں ان کی تربیت کی اور ان کے نکاح کروائے۔ بالآخر بازار حسن صاف ہو گیا اور بازار کا نام پاک بازار رکھا گیا۔ آپؒ نے صدر ایوب خان کے زمانے میں عائلی قوانین کے مسئلہ میں راولپنڈی میں ممبرانِ قومی اسمبلی اسپیکر و ڈپٹی اسپیکر کو اس مسئلہ پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ 1980ء میں افغان

مہاجرین کی دیکھ بھال کے لئے پشاور تشریف لے گئے ان کو دینی تعلیم کا ذوق و ترغیب دلانے اور مختلف دینی مدارس بشمول دارالعلوم فیصل آباد میں تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کی پوری جدوجہد کی۔اور آپؒ نے جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ میں مرزائیوں کے خلاف تحریک چلائی۔9 ستمبر 1982ء کو عدالت میں پیش ہوئے اور دلائل دیئے۔ 10 ستمبر کو جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ نے آپؒ کے حق میں مرزائیوں کے خلاف فیصلہ سنایا۔اور آپؒ نے 30 دسمبر 1980ء وفاق المدارس کے ابتدائی اجلاس میں شرکت فرمائی۔آپؒ کی شرکت سے علماء مدارس کے اس متفقہ بورڈ کو بہت فائدہ ہوا۔

سیاسی شخصیات سے تبلیغی ارادے سے ملاقاتیں

آپؒ کی بیشتر سیاسی شخصیات سے تبلیغی ارادے سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اس امید سے کہ شاید کوئی نفاذِ شریعت کا ذریعہ بن جائے۔جن میں خاص طور پر وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو، صدر جنرل ضیاء الحق، صدر اسحاق خان، صدر فاروق احمد خان لغاری، وزیرِ اعظم میاں نواز شریف، وزیرِ اعلیٰ میاں شہباز شریف، سربراہ سی این سی جنرل جاوید ناصر، چوہدری شجاعت حسین، چوہدری پرویز الٰہی، اعجاز الحق، وسیم سجاد، صدر جنرل ضیاء الرحمٰن بنگلہ دیش، نائب صدر عبدالستار بنگلہ دیش وغیرہ۔

اِستغناء اور للّٰہیت

مگر یہ ملاقاتیں محض اللہ ﷻ کی رضا کے لئے ہوتی تھیں۔میرا آنکھوں دیکھا حال ہے شروع میں ایک مرتبہ جنرل ضیاء الحق نے آپؒ سے ملاقات کے لئے ایئر ٹکٹ اور پی سی ہوٹل ریزرویشن بھجوائی۔مگر آپؒ نے اپنی ذاتی ٹکٹ پر سفر کیا اور ذاتی ریزرویشن ہوٹل میں قیام فرمایا۔اور اگلے دن ایوانِ صدر جانے کے لئے اپنی ہی

گاڑی استعمال فرمائی اور جنرل صاحب کو ٹکٹ واپس کرتے ہوئے فرمایا آئندہ اگر آپ نے ہمیں کچھ دینے کی کوشش کی تو پھر ہم نہیں ملیں گے۔ اگر ہم سے ملاقات رکھنی ہے تو پھر وعدہ کریں کہ آئندہ ہمیں کچھ دینے کی کوشش نہیں کریں گے۔ چناچہ اسی وعدہ پر بیسیوں ملاقاتیں ہوئیں۔ دوسرا واقعہ 1982ء میں حضرت والد صاحبؒ سے مجھے پہلا حج کرنے کی اجازت ملی۔ مگر اللہ ﷻ کی شان اسلام آباد سعودی سفارت خانہ نے یہ کہہ کر پاسپورٹ واپس کر دیا کہ وقت ختم ہو گیا ہے اب آئندہ سال ویزے ملیں گے۔ بظاہر اب کوئی حل نہیں تھا تو میں نے اپنی نالائقی سے آپؒ سے عرض کیا کہ آپؒ کی سفر پر جاتے ہوئے جنرل صاحب سے ملاقات ہونی ہے تو آپؒ ان کو فرما دیں کہ وہ میرا ویزہ لگوا دیں۔ تو طبیعت پہ بہت ناگواری سی آ گئی اور فرمایا نالائق ہم ان لوگوں سے کوئی ذاتی مفاد کے لئے تھوڑا ہی ملتے ہیں۔ اللہ ﷻ سے مانگو مقدر میں ہوا تو کر لینا اور دعا فرما دی کہ کوشش کرتے رہو اللہ ﷻ آسان فرما دیں گے سبحان اللہ 3 دن کے بعد ہی کراچی سعودی سفارت خانہ سے ویزہ مل گیا اور اللہ ﷻ نے حج مقدر کر دیا اسی طرح کے استغناء کے بیسیوں واقعات ہیں۔ اور ہمیشہ ہم لوگوں کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ سیاسی لوگوں سے ان کی طلب پر اپنا خرچ کر کے صرف قومی مفادات اور اجتماعی امور کے لئے ملا کرو۔ ذاتی مفادات کبھی بھی ان کے ذریعے سے مت حاصل کرو۔ اور رؤسا کی مجالس اور قرب سے دور رہا کرو تا کہ اللہ ﷻ کی عطا کردہ نعمتوں کی دلوں میں ناشکری نہ پیدا ہو جائے۔

یک زمانہ صحبتے باأولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسنون اعتکاف کا اہتمام

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اِتباعِ سنت کی بنا پر 1947ء سے رمضان المبارک میں آخری عشرہ کے مسنون اعتکاف کی ابتداء کی اور پھر 2002ء تک مسلسل اپنے اعتکاف کا اس طرح سے اہتمام فرمایا کہ اس دوران کبھی بھی کسی اعتکاف کا ناغہ نہ ہوا۔ مرکزی جامع مسجد کلاں کچہری بازار کے خطیب مقرر ہونے کے بعد اسی جامع مسجد کلاں میں بلا ناغہ اعتکاف کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ چنانچہ 1981ء میں اپنے مرشدِ کامل قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدّسَ سِرُّہٗ کی صحبت میں ساؤتھ افریقہ اسٹینگر کی جامع مسجد میں تاریخی اعتکاف میں رمضان کے پہلے عشرے میں شرکت فرما کر آخری عشرے کا اعتکاف جامع مسجد کلاں کچہری بازار فیصل آباد میں ہی آ کر کیا۔ البتہ صرف 1400ھ کے رمضان شریف میں اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کی وجہ سے اعتکاف نہیں کیا۔ کیونکہ 1400ھ 1980ء کے سارے رمضان کا حضرت شیخ نے دارالعلوم فیصل آباد کی مسجد میں اعتکاف فرمایا تھا اور حضرت شیخ کے ہمراہ مختلف بیرون ممالک کے کثیر تعداد میں علماء و مشائخ کرام شریکِ اعتکاف ہوئے اس سال دارالعلوم کی مسجد میں تقریباً آٹھ سو سے زائد حضرات نے اعتکاف کیا۔ حضرت شیخ نے والد صاحب کو مہمانوں کی خدمت اور انتظامی مشغولیت کی وجہ سے اس سال اعتکاف سے منع فرما دیا تھا۔ اس موقع پر حضرت والد صاحب نے حضرت شیخ سے عرض بھی کیا کہ حضرت آپ میری اصلاح کے لئے تشریف لائے ہیں اس لئے مجھے اعتکاف کی اجازت عنایت فرماویں۔ جس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ مفتی جی یہ سب کا اعتکاف آپ ہی کے کھاتہ میں ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال

اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس سے اگلے سال 1982ء (یکم شعبان 1402ھ) کو حضرت والد صاحب کے پیرومرشد علوم ظاہری اور باطنی میں اپنے وقت کے شیخ الکل، مرجع العلماء والصلحاء، سنتِ نبوی کے پیکر مجسم، برکت العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدینہ منورہ میں پیر کے روز پچھلے پہر اس دارِ فانی سے کوچ کر کے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّـا لِلّٰـهِ وِاِنَّـا اِلَيْـهِ رَاجِـعُوْنَ۔ گویا آفتاب غروب ہونے سے پہلے آپ کی زندگی کا سورج غروب ہو گیا۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

اجتماعیت کی انوکھی مثال

کہ خود قریشی ہونے کے باوجود چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں اور پوتے، پوتیوں یہاں تک کہ اپنی شادی بھی دوسرے خاندان سے کی (قریش، مغل، وِرک، جاٹ، شیخ، ملک، بھٹی، پٹھان، بنگالی شیخ، راجپوت، انڈین شیخ، اعوان) گویا کہ بہت مختلف خاندانوں میں نکاح ہوئے۔ کبھی بھی قوم اور برادری پر توجہ نہ فرمائی۔ ہمیشہ (فَـاظْـفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَـرِبَتْ يَدَاكَ) اور (مَـنْ تَـرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ) کو مدنظر رکھتے ہوئے دین داری کو مقدم رکھا۔ بقول ایک شخص کہ اگر تمام علماء مفتی زین العابدین صاحب بن جائیں تو اُمت میں اختلاف ختم ہو جائے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی اسلام آباد روانگی برائے آپریشن آنکھ

4 دسمبر 1995ء بروز پیر شام کو راولپنڈی تشریف لے گئے۔ منگل 5 دسمبر کو ہسپتال داخلہ ہوا۔ دو گھنٹے ہسپتال میں آنکھ کے ٹیسٹ ہوتے رہے۔ اگلے دن 10:45 بجے آنکھ کے آپریشن کے لیے آپ کو آپریشن تھیٹر لے گئے۔ آپریشن کے بعد پونے بارہ بجے ہسپتال کے کمرے میں لے آئے۔ سوا دو گھنٹے کمرہ میں لیٹے رہے مگر نیند نہ آئی اس لئے دو بجے دوپہر اسلام آباد ہوٹل تشریف لے گئے۔ پیر 11 دسمبر کو آخری معائنہ

ہوا۔اس کے بعد چھٹی مل گئی۔اور اسلام آباد سے فیصل آباد گھر تشریف لے آئے۔

دوسری مرتبہ آنکھ کا آپریشن

2002ء میں آنکھ میں دوبارہ موتیا ابھر آیا اور آنکھ کے آپریشن کے لئے کرنل داؤد کی رائے سے ملتان فوجی ہسپتال میں جانا ہوا اور آپریشن ہوا پھر وہاں تین دن قیام کیا آپریشن کے اطمینان ہو جانے پر واپس فیصل آباد تشریف لے آئے۔ ملتان سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب کی ہدایات میں یہ بات شامل تھی کہ حضرت آپ ایسا کوئی سفر نہ کریں جس میں کسی قسم کی گرد وغبار ہو اور خاص طور پر رائے ونڈ اجتماع میں تو ہرگز تشریف نہ لے جائیں چونکہ وہاں بہت زیادہ گرد وغبار ہوتی ہے۔تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہم اجتماع چھوڑیں لیکن انشاءاللہ ہم احتیاط پوری کریں گے۔آنے کے چند دن بعد رائے ونڈ اجتماع کا سفر ہوا ہم نے ہر طرف سے کمرے کو بند کیا تا کہ کسی قسم کی گرد وغبار اندر نہ آئے تا کہ احتیاط پوری ہو۔ڈاکٹر صاحب اجتماع کے تیسرے دن کمرے میں تشریف لائے اور آنکھ چیک کرنے کا آلہ بھی ساتھ لے کر آئے۔چیک اپ ہوا اور چیک اپ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب ماشاءاللہ بالکل صحیح احتیاط کی ہے اور ماشاءاللہ آنکھ بھی بہت اچھی بن گئی ہے۔تو آپؒ نے ٹھنڈی آہ بھر کے فرمایا یہ تو اچھی بن گئی ہے کاش اللہ اس کو اچھا بنا ہوا بھی دکھا دے کہ اس نے تو سب کچھ بگڑا ہوا ہی دیکھا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دینی و تبلیغی اسفار

حضرت مفتی صاحبؒ کی ساری زندگی گویا دعوت و تبلیغ کے لئے وقف تھی۔ دعوت و تبلیغ کی عظیم محنت قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَجْمَعِیْنَ کی مبارک زندگیوں سے ثابت ہے حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاں اس کی اہمیت اتنی واضح تھی کہ آپؒ نے ساری زندگی گھر پر قیام تھوڑا فرمایا اور دعوت کے کام میں زیادہ وقت لگایا اور حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین کے مشورہ سے دنیا بھر کے کثیر ممالک میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی توفیق سے سفر فرمائے۔ اور دعوت و تبلیغ کے تقاضوں کی نسبت سے حج و عمرہ کے بھی پچاس سے زائد سفر فرمائے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا پہلا سفر حجازِ مقدس 1947ء تا 1950ء

نظام الدین والوں کے مشورہ سے 1947ء میں آپؒ کا سفر حجاز طے ہوا اور پہلی مرتبہ حجِ بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور 1950ء میں پاکستان واپس تشریف لے آئے۔ واضح رہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ 1947ء سے 1999ء تک آپؒ کو 51 بار حجِ بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ (رب کریم قبول فرمائے، آمین) الحمد للہ آپؒ کی برکت

سے تمام بیٹے اور بیٹیاں بیشتر نواسے اور نواسیاں پوتے اور پوتیاں بار بار حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں اور تا حال کر رہے ہیں۔

حجازِ مقدس کے سفر سے واپسی اور پاکستان میں قیام

حجازِ مقدس میں تین سال گزارنے کے بعد پاکستان تشریف لائے اور کندیاں شریف خانقاہ سراجیہ میں پیرِ طریقت حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کے پاس قیام کیا اور پھر چند سال قیام کے بعد آپؒ لائل پور (فیصل آباد) تشریف لے آئے اور مدرسہ عربیہ دار العلوم فتح دین عبداللہ پور میں کچھ عرصہ تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

آپؒ کے اسفار کی جگہوں کے نام جو مجھے معلوم ہو سکے ان میں آل پاکستان کے علاوہ سعودیہ، ساؤتھ افریقہ، انڈیا، بنگلادیش، کویت، لندن، امارات، قطر، عراق، ایران، لبنان، بیروت، مصر، امریکہ، تنزانیہ، اٹلی، دمشق، بیت المقدس، فلسطین، شام، لیبیا، ملاوی، ماریش، نیروبی، بمباسہ، برازیل، دھانے، بنٹائر، یمن، اردن، ادیس بابا، حبشہ، زمبابوے، بنکاک، تھائی لینڈ، ملیشیا، سنگاپور، ڈیوز بری، روڈیشیا، فلپائن، ہالینڈ، ناروے، ڈنمارک، سویڈن، مڈغاسکر، کینیا اور کئی دوسرے ممالک کے آپؒ نے متعدد بار تبلیغی سفر فرمائے اور اجتماعات منعقد کروائے۔ رب کریم قبول فرمائے (آمین) بڑے اسفار کے علاوہ چھوٹے اسفار بھی بہت ہوئے۔

الحمد للہ آپؒ کی برکت سے بیٹے اور بیٹیاں، داماد، نواسے، نواسیاں، پوتے اور پوتیاں بھی دعوت کے اسفار، سال چار ماہ، چلہ، پندرہ دن، تین دن اور مقامی پانچ اعمال کر چکے ہیں اور تا حال کر رہے ہیں۔ رب کریم سب کو اپنی عالی دینی محنت کے لئے تا حیات استقامت کے ساتھ قبول فرمائے۔ (آمین)

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا سائیکل پر طویل سفر

سب سے پہلا سفر اپنے بھائی مولانا محمد صادق صاحبؒ کے ہمراہ سائیکل پر

ہوا۔1930ء میں خانیوال سے براستہ لاہور میانوالی تک کیا۔ یہ آپؒ کا ابتدائی طویل سفر تھا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا 25 ہزار میل کا طویل ترین سفر

25 مئی 1990ء بمطابق 29 شوال 1410ھ بروز جمعہ رائے ونڈ گئے۔ برائے سفر طویل (1) انگلینڈ (2) فرانس (3) زمبابوے (4) ڈربن (5) گھانا (6) ایوری کوسٹ (7) مالی (8) موریطانیہ (9) گیمبیا (10) سینیگال (11) نائیجیریا (12) حبشہ (13) سوڈان اور (14) حجاز کے ممالک شامل تھے۔

یہ پچیس ہزار میل کا سفر ہے جو گھر سے 23 مئی 1990ء کو شروع ہوا اور 20 اگست 1990ء کو گھر پر ختم ہوا۔ 18 مئی بروز اتوار گیارہ بجے صبح لاہور سے کراچی روانہ ہوئے۔ 3 جون صبح کراچی سے دبئی روانہ ہوئے۔ دبئی میں احباب کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ اور عصر لندن ہوائی اڈا پر پڑھی۔ اور مغرب مرکزی مسجد لندن میں جا کر پڑھی۔ پیر، منگل، بدھ ویزے لئے اور لیسٹر میں قیام کیا۔ رات کو وہاں اجتماع ہوا۔ اور جمعرات صبح کو بسٹن بری دارالعلوم سے ہو کر ظہر کو جوڑ کی جگہ پر پہنچے۔ 8، 9، 10 جون 1990ء کو اجتماعِ انگلینڈ ہوا۔ 10 جون بروز اتوار شام کو روانہ ہوئے لندن کے لیے اور عشاء کے بعد لندن پہنچ گئے۔ 11 جون بروز پیر کو فرانس کا ویزہ مل گیا۔ 12 جون منگل کو 5:15 بجے بعد ظہر لندن سے بذریعہ جہاز پیرس روانہ ہوئے۔ 15، 16، 17 جون کو اجتماع فرانس ہوا۔ یہاں پر شیخ محمد العربی کی شاندار استقبال والی جماعت تھی جنہوں نے استقبال کیا۔

19 جون 1990ء بروز منگل کو پیرس سے لندن کیلئے صبح 11:15 بجے روانہ ہوئے۔ لندن سے ہرارے صبح چھ بجے پہنچے۔ جمعرات 21 جون 1990ء ہرارے سے جوہانس برگ پہنچے۔ رات جوہانس برگ رہے۔ 22 جون تا 25 جون اجتماع ڈربن ہوا۔ 22 جون بروز جمعہ صبح جہاز میں ڈربن آ گئے۔ 23 جون ہفتہ 1990ء بمطابق 29 ذیقعدہ 1410ھ کو ڈربن (جوہانس برگ) میں چاند نظر آیا۔ پیر 25 جون دعا کے بعد اسپنگو بیچ مسجد میں چلے گئے۔ دوپہر بھائی عبد الرزاق صاحب کے ہاں رہے۔ اور رات مولانا محمد بن صالح جی صاحب کے ہاں رہے۔ منگل 26 جون صبح بیان کے بعد اسٹینگر گئے۔ وہاں سے گیارہ بجے بھائی یعقوب پانڈیو سے ملاقات کی

اورظہر ڈنڈی ہی میں پڑھی۔ بدھ 27 جون 1990ء صبح ڈنڈی سے مولانا قاسم صاحب کو دیکھتے ہوئے جوہانس برگ بھائی موسیٰ بدھانیہ کے ہاں آ گئے۔کھانے کے بعد بھائی کولا کے بیٹے کے مکان پر آرام کیا۔اورعصر کے بعد بھائی موسیٰ بدھانیہ کے گھر واپس آ گئے۔عشاء کے بعد روڈی پوٹ میں بیان ہوا۔جمعرات 28 جون 1990ء کو میں اور حافظ عبدالرشید صاحب صبح گیارہ بجے جوہانس برگ سے کیپ ٹاؤن جہاز میں چلے گئے۔باقی ساتھی کار میں بدھ شام کو ڈربن سے کیپ ٹاؤن پہنچے۔جمعہ اور ہفتہ کی رات کیپ ٹاؤن میں رہے۔اور ہفتہ 30 جون 1990ء کو صبح کیپ ٹاؤن سے جوہانس برگ میں بھائی احمد پٹیل صاحب کے ہاں کھانا کھایا اور قیلولہ کیا۔اور ہفتہ شام کو دارالعلوم (بوسٹن بری) کے محلے کی مسجد میں بیان ہوا۔اور رات کو موسیٰ بدھانیہ کے ہاں قیام کیا ۔اتوار یکم جولائی 1990ء صبح دس بجے اسی مسجد میں پرانوں سے دو گھنٹے بات کی اور شام کا بیان کیا۔اور رات کا قیام ابوبکر باشیا صاحب کے ہاں ہوا۔2 جولائی پیر صبح دو گھنٹے میں جوہانس برگ سے ہرارے آ گئے۔اور شام کو آٹھ بجے ہرارے سے گھانا (عکرہ) ایک بجے پہنچے۔ ہرارے میں ڈربن کے ساتھ منگل 3 جولائی کو عید تھی۔ہم پیر شام ایک بجے گھانا (عکرہ) پہنچے تو صرف یہاں سعودی اتباع میں پیر کو عید ہوئی۔

منگل 3 جولائی سے 8 جولائی اتوار تک (ایوری کوسٹ، لائبیریا، سیرالیون، برکنا فالو، ٹوگو) گھانا (عکرہ) میں رہے۔3 جولائی کی صبح حالات پوچھے اور شام کا یہ پروگرام بنا۔کہ گھانا (عکرہ) میں سعودیہ کی چلہ والی جماعت موجود ہے۔منگل، بدھ، جمعرات کام کیا جائے۔اور گردونواح کے کام کرنے والوں کو بلایا جائے۔جو بہت کم ہیں۔اور بڑی مسجد میں ہفتہ، اتوار جوڑ رکھ لیا جائے۔بڑی مسجد کا نام ابوسکائی سینٹرل مسجد ہے۔اس کے خطیب شیخ عثمان صاحب جو کہ نیشنل خطیب بھی ہیں۔اور ہمارا قیام کالج ماسک (نیوٹاؤن) کے قریب ایک تاجر کے مکان میں ہرارے کے احباب نے رکھا تھا۔جس میں دو کمرے، صحن برآمدہ وغیرہ تھے۔یہ ان کے مکان سے

بالکل الگ مہمان خانہ تھا۔ شیخ عثمان صاحب کے ہاں ان کے نائب اور شیخ علی صاحب سے تفصیلی بات ہوئی۔ اور اہل سنت کے چار علماء سے الگ بات ہوئی۔ اور سب کو جماعتوں کی رخصتی کے وقت بلایا۔ بروز اتوار عصر کے بعد بحمد اللہ اچھی صورت رہی۔ 5، 6، 7 جولائی 1990ء عکرہ میں رہے۔ اتوار 8 جولائی کو اہل سنت اور تیجانی علماء کو جماعتوں کی رخصتی پر ان حضرات کو بھی رخصت کیا۔ شیخ عثمان صاحب اور میں نے مصافحہ کر کے سب احباب کو رخصت کیا۔ چند ساتھی پاکستان وقت لگائے ہوئے موجود ہیں۔ اچھی فکر رکھتے ہیں۔ چند تاجروں پر اور علماء پر احباب نے محنت کی ہے۔ خدا کرے وہ آ جائیں تو کام چل نکلے گا انشاء اللہ۔ پیر 9 جولائی کو عکرہ سے ایوری کاسٹ آ گئے۔ ساتھیوں نے آج ہی بوا کی دوسرے بڑے شہر میں جانا طے کر رکھا تھا اور وہ 375 کلومیٹر پر واقع ہے بوا کی مسلمانوں کا ایک سرسبز شہر ہے۔ سنی اور تیجانی دونوں حلقوں نے استقبال کیا۔ ہم جہاز سے اور باقی جماعت سڑک سے 11 جولائی کو دوپہر ایک بجے عابد جان آ گئے۔ عابد جان پیرس کے انداز کا ایک شہر ہے۔ یہاں جنوبی افریقہ کی جماعت پہنچی ہوئی تھی۔ اور طے ہوا کہ مفتی ایوب پٹیل صاحب بہت کام کے آدمی بن سکتے ہیں اگر ان سے بات کی جائے اور تھوڑی سی ترغیب دی جائے۔ زیمبیا کی مرکزی جگہ چپاٹا کے رہنے والے ہیں۔ وہیں ان کے عزیز واقارب بھی ہیں اور یہ بڑے تاجروں میں سے ہیں۔

بدھ 11 جولائی شام کو یونیورسٹی کے قریب پروگرام رکھا تھا اور مغرب میں تیس، چالیس آدمی آئے تھے۔ مگر ہفتہ اور تین دن والوں کے نام آئے۔ 12 جولائی 1990ء جمعرات کو گیارہ بجے ایک مسلمان وزیر سے ملاقات ہوئی۔ مرکز کی مسجد میں وقت دینے والوں کو بلایا۔ تعلیم ظہر سے پہلے، ظہر کے بعد بیان، مغرب سے پہلے عمومی گشت اور مغرب کے بعد بیان ہمارے ساتھی کریں۔ تاکہ جمعہ، ہفتہ، اتوار کی جماعت میں اسی طرح کام کر سکیں۔ چنانچہ یونہی کیا اور جماعت جمعہ صبح 13 جولائی کو تین دن کے لئے رخصت کر دی۔ کئی آدمی چار ماہ کیلئے تیار ہوئے۔ یہاں بہت استقبال

ہے اور نکلنے کی بھی خوب استعداد ہے۔

جمعہ 13 جولائی کو دوپہر دو بجے عابد جان سے الحمد للہ مالی آ گئے۔ بما کو، مالی کا دارالخلافہ ہے۔ مالی میں فرانس اور قطر کی جماعتیں پہنچی ہوئیں تھیں اور سینیگال کی جماعت بھی موجود تھی۔ یہاں بھی چند ساتھی پاکستان میں چار ماہ لگائے ہوئے موجود ہیں۔ اچھی فکر رکھنے والے ہیں۔ یہاں اہلِ سنت غالب ہیں۔ یہاں بھی اجتماع کا قضیہ چل رہا تھا، خدا کا شکر ہے احباب اجتماع نہ کرنے پر مان گئے۔ سینیگال میں بھی یہی حال تھا۔ اتوار 15 جولائی 1990ء تک مالی میں رہے۔ 16 جولائی پیر کو جماعتیں روانہ کیں۔

منگل 17 جولائی 1990ء کو بما کو دارالخلافہ (مالی) سے 9:30 بجے شام موریطانیہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک گھنٹہ پچاس منٹ میں موریطانیہ آ گئے۔ مولانا فاروق صاحب (کراچی والے) کی سال والی جماعت نے خوب کام کیا۔ فرانس کی ایک جماعت چلہ والی اور ایک تیونس کی جماعت چلے والی یہاں آ گئیں۔ اور یہ جماعتیں ان میں محنت کریں گی کہ یہ عرب ہیں ان کی زندگی سادہ ہے مزید محنت سے بہت آگے جا سکتے ہیں۔

بدھ 18 جولائی 1990ء موریطانیہ کا (نواکشوط) دارالخلافہ ہے، یہاں آ گئے۔ 18، 19 جولائی موریطانیہ رہے۔ جمعہ 20 جولائی 1990ء 1:25 بجے موریطانیہ سے گیمبیا کے دارالخلافہ بنجول پچاس منٹ میں آ گئے۔ اڈہ سے سیدھے گئے۔ وہاں جہاں ابوظہبی، فرانس، گیمبیا کے علاقوں سے آئے ہوئے لوگ جمع تھے۔ یہ اہلِ سنت کا مرکز ''الدعوۃ'' ہے۔ نماز ظہر یہاں پڑھی کھانا کھایا، اسکے بعد ایک مسجد میں آئے جس میں گزشتہ سال اجتماع ہوا تھا۔ کھلی مسجد ہے اور بیت الخلاء وغیرہ بھی ٹھیک ہیں۔ امام صاحب نے ہمارے قیام تک مسجد کی نماز و اذان ہمارے حوالے کر دی۔ اتوار 22 جولائی 1990ء شام کے جہاز سے الحمد للہ سب سینیگال آ گئے۔ اور سینیگال سے سیدھے نائیجیریا گئے۔ اور پیر شام کو ڈاکٹر یونس صاحب اور موسیٰ بدھانیہ صاحب بھی آ گئے۔ مگر ڈاکٹر یونس صاحب کو اڈہ سے ہی نائیجیریا جانا پڑا۔ یہاں سے سینیگال ایک جماعت فرانس کی، ایک سعودی عرب کی، اور ایک مراکش کی آ گئی۔ جمعیۃ الفلاح للثقافۃ الاسلامیہ السّلفیہ کی مسجد

رحمان میں آ گئے ۔ جہاں شیخ ابراہیم صاحب ٹھہرتے تھے ۔(سینیگال) پیر 23 جولائی شام ہی کو اسی مسجد میں حضرت والد صاحب کا بیان ہوااور منگل 24 جولائی تیجانہ طریق کے سب سے بڑے 95 سالہ شیخ عبدالعزیز صاحب ہیں، جوڈاکار سے سوکلومیٹر دور تیووان قصبہ میں رہتے ہیں ان سے دو گھنٹے ملاقات ہوئی سینیگال میں ۔ یہاں اس سلسلے کے دوسرے بڑے شیخ منطقا طال صاحب ہیں جوڈاکار میں رہتے ہیں ۔اورایک دوسراطریق مریدیہ ہے جس کے بڑے شیخ انبا کی ہیں جودوسوکلو میٹر دورطوبہ قصبہ میں رہتے ہیں ۔ان سے ملنے کے لئے شیخ وسام اور ڈاکٹر یونس صاحب کوکہا گیا۔چاروں مسجدوں میں جمعہ کا بیان اور قیام کی اجازت مل گئی۔ جن میں سعودیہ ،مراکش،سینیگال،فرانس کی جماعتیں بھیج دی گئیں ۔ یونیورسٹی کی مسجد میں بھی دعوت مل گئی جن میں شیخ وسام صاحب اورڈاکٹر یونس صاحب الحمدللہ تشریف لے گئے ۔

26 جولائی 1990ء جمعرات کوسینیگال سے جماعتوں کورخصت کیااور جمعہ 27 جولائی صبح کوسینیگال سے لیگوس (نائیجیریا) روانہ ہوئے ۔لیگوس دو بجے پہنچے ۔لیگوس مرکز میں جمعرات شام سے انہوں نے ہمارے آنے کی خبر پر پرُانوں کا دس دن کا جوڑ رکھ لیا۔یعنی کہ جو بعد میں ہوتا تھاانہوں نے اس جوڑ کو ہمارے آنے کی وجہ سے مقدم کرلیا۔اس کے نتیجے میں ملک بھر کے پرانے یکجا اکٹھے تھے ۔اورلیگوس میں خصوصی گشت بھی ہوئے ۔اوران کا نتیجہ اچھا رہا۔30 جولائی پیر صبح کو لیگوس سے جماعتیں چاردن کے لئے رخصت کردیں۔

31 جولائی منگل دس بجے لیگوس سے چل کرابادان آ گئے ۔ یہ مغربی افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔اور دینی فراخ شہر ہے ۔منگل، بدھ ،جمعرات یہاں (ابادان) رہے۔اور جمعہ 3 اگست کولیگوس میں جماعتیں واپس آ گئیں اور ہم بھی پہنچ گئے ۔ہفتہ 4 اگست بھی لیگوس میں رہے۔ 5 اگست اتوار صبح جوڑ دعا کے بعد ختم ہوگیا۔

بیماری اورعوارض قلب اور سفر رائے ونڈ

30 نومبر 1970ء اعتکاف میں آپؒ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔کچھ زخمی ہوئے مگر اللہ رب

العزت کی غیبی تائیدات کی وجہ سے محفوظ رہے۔اور ملزم کو مکارمِ اخلاق سے معاف کر دیا۔ پہلا عارضۂ قلب 16 جنوری 1967ء فیصل آباد میں ہوا، دوسرا عارضۂ قلب 29 جون 1974ء فیصل آباد میں ہوا، تیسرا عارضۂ قلب 25 مارچ 1977ء کو کراچی میں ہوا، چوتھا عارضۂ قلب 25 مئی 1978ء ایبٹ آباد میں ہوا، پانچواں عارضۂ قلب 24 جولائی 1978ء لندن میں ہوا، چھٹا عارضۂ قلب 3 نومبر 1980ء میں ہوا، اور پھر 1986ء میں مکہ مکرمہ میں ہرنیوں کا آپریشن ہوا۔ان عوارض کی بناء پر آپؒ کی طبیعت میں ضعف آ گیا۔لیکن اس کے باوجود آپؒ کی تبلیغی خدمات ،اسفار،قومی، ملی اقدام اور عادات وشمائل میں فرق نہ آیا۔اکتوبر 2000ء میں آخر کار ایک دن تاجروں کے جوڑ کے موقع پر تبلیغی مرکز بلال مسجد فیصل آباد میں بیان کرتے ہوئے ان عوارض نے آپؒ کے دماغ پر حملہ کیا۔ بلیڈ کلوٹ کی وجہ سے آپؒ نے ایک جملہ بار بار دہرایا۔اس کے بعد مسلسل آپؒ کے ذہن پر ان عوارض کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔رفتہ رفتہ خطابت کے یہ بے تاج بادشاہ گوشہ نشینی اختیار کر گئے لیکن کبھی کبھی لہر اٹھتی اور پورے شعور میں دعوت وتبلیغ کے جذبے کو اُجاگر کرنے لگتی ۔10 نومبر 1999ء میں آپؒ کا پہلا ٹیسٹ انگلینڈ میں ہوا ۔جس سے پراسٹیٹ (غدود) کا بڑھ جانا ظاہر ہوا۔ چنانچہ 10 مارچ 2001ء کو آپؒ کے پراسٹیٹ میں ایسا نقص واقع ہوا کہ آپریشن کے سوا چارہ نہ تھا جس پر لاہور کے ڈاکٹر منیر مغل صاحب کے بارے میں سب نے رائے دی کہ یہ اس لائن کے پاکستان میں سب سے ماہر ڈاکٹر ہیں۔مگر آپؒ کا مسلسل اصرار تھا کہ مجھے مکہ مکرمہ میں ہی جا کر آپریشن کروانا ہے۔ جب میں نے اصرار کی کیفیت دیکھی تو استفسار کیا کہ مکہ مکرمہ میں آپریشن کروانے میں کیا خاص بات ہے جب کہ یہاں کا ڈاکٹر وہاں کے ڈاکٹر سے بہت زیادہ ماہر ہے؟ اس پر فرمایا کیونکہ میرا ہرنیوں کا آپریشن مکہ مکرمہ کے ڈاکٹر نے کیا تھا اس لئے ہر ڈاکٹر کے سامنے اپنا ستر کھولنا غیر مناسب ہے۔ بہر حال بدرجہ مجبوری کہ سفر کی سکت نہ تھی آپؒ کا پراسٹیٹ کا لاہور کارڈیکس ہسپتال میں آپریشن ہوا۔آپریشن کے پانچ

دن کے بعد آپؒ پرانوں کے جوڑ میں تشریف لے گئے ویل چیئر کے ذریعے ممبر تک پہنچایا گیا۔ انتہائی کمزوری اور ضعف کے باوجود تقریباً ایک لاکھ سے زائد مجمع کو سولہ منٹ تک بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ (میں صرف تم لوگوں کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں) اور بیان کے بعد واپس لاہور ہسپتال تشریف لے گئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آخری تبلیغی سفر

اس انتہائی کمزوری اور ضعف کے باوجود مشورہ سے طے شدہ زندگی کا آخری طویل ترین سفر کیا۔ آپؒ کا آخری تبلیغی سفر ابوظہبی، دوبئی، جرمنی، امریکہ، فلاڈیفیا، ڈیٹ رائٹ، شکاگو، لاس اینجلس، ہوسٹن، ٹرینی ڈاٹ، ٹورنٹو، انگلستان، گلاسکو، ڈیوزبری یہ سفر 20 جون سے لے کر یکم اگست تک مکمل ہوا۔ سفر سے واپسی کے بعد ہر دن طبیعت گرتی ہی چلی گئی ضعف بڑھتا چلا گیا۔ تمام معالجین اور محبّین تقریباً تین سال دو ماہ انتھک کوششوں میں لگے رہے۔ اور بہتر سے بہتر دوا کی کوشش میں رہے مگر ضعف زیادہ ہی ہوتا گیا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معالجین

ڈاکٹر خواجہ فضل امتیاز مدینہ منورہ، ڈاکٹر ہشام مدینہ منورہ، ڈاکٹر سعید رانا مکہ مکرمہ، ڈاکٹر شیر علیؒ مکہ مکرمہ، ڈاکٹر نعمان ابوظہبی، ڈاکٹر کامران پشاور، ڈاکٹر نصر اللہ لاہور، ڈاکٹر خالد بٹ لاہور، ڈاکٹر اکبر زاہد امریکہ، ڈاکٹر کرنل داؤد ملتان، ڈاکٹر بریگیڈیئر شبیر احمد لاہور، ڈاکٹر اشفاق لاہور، ڈاکٹر منیر مغل لاہور، ڈاکٹر صدف لاہور، ڈاکٹر فیاض رانجھا لاہور، ڈاکٹر صابر اسلام آباد، ڈاکٹر انور اسلام آباد، ڈاکٹر محمد اشرف فیصل آباد، ڈاکٹر اطہر مکشوف فیصل آباد، ڈاکٹر اظہر وحیدؒ فیصل آباد، ڈاکٹر مسعود فیصل آباد، ڈاکٹر صولت نواز فیصل آباد، ڈاکٹر نصیر الدین نظامی فیصل آباد، ڈاکٹر اجمل یٰسین فیصل آباد، ڈاکٹر عبدالحمید فیصل آباد، ڈاکٹر عبدالقیوم فیصل آباد، ڈاکٹر بدر الدجیٰ فیصل آباد، و دیگر۔

اللہ ربّ العزت ہر ایک کو اس کی سعی اور محبت کے بدلے بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی جدائی کا سفر

اُٹھتے جاتے ہیں اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

بالآخر 10 مئی 2004ء کو آپؒ کی طبیعت بہت بوجھل ہوئی بخار ہو گیا کھانا اور کلام بند کر دیا۔ 10 سے 13 مئی صرف دوا اور مشروبات چلتے رہے۔ پھر 13 مئی 2004ء بروز جمعرات نیم بے ہوشی کی کیفیت ہو گئی۔ مشورہ کیا مشورے میں مولانا یوسف اوّل صاحب، بندہ، بھائی یوسف رابع، ڈاکٹر اشرف صاحب اور بھائی داؤد تھے۔ ڈاکٹر صدف کے پاس لاہود کارڈ یکس ہسپتال لے جانے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت والد صاحبؒ کے ہمراہ مولانا یوسف اول صاحب، بندہ اور ڈاکٹر بدر الدجیٰ اور خدام میں بشیر، اسد اللہ اور اصغر۔ صبح 11:00 بجے فیصل آباد سے روانہ ہوئے ہسپتال پہنچے کہ کچھ دیر کے بعد اچانک زوردار ہارٹ اٹیک ہوا۔ اور موجودہ تین ڈاکٹروں کی آدھ گھنٹہ کی انتھک کوشش کے باوجود رب غالب کا حکم غالب آ کر ہی رہا۔ 1930ء کو 14 سال کی عمر میں سفر شروع کرنے والے اور آخری لمحات میں 2004ء۔ 87 سال کی عمر تک سفر ہی سفر کرتے کرتے ساری زمین کے سفر مکمل کر کے سفر آخرت کی طرف حصولِ اجر کے لئے روانہ ہو گئے۔

(إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْرُنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ اخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا۔ أَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ)

15 مئی بروز ہفتہ 2004ء بمطابق 24 ربیع الاول 1425ھ کو لاہور سے اس حادثہ کی جانکاہ، روح فرسا، وحشت اثر خبر کی اطلاع چل نکلی۔ وہ ذات جو دوسروں کی زندگیوں کو فرحت

بخشتی تھی آج چار بج کر پانچ منٹ پر اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر کے ایک عالم کو یتیم بنا گئی ۔وہ آفتاب رُشد و ہدایت جو یکم جنوری 1917ء بمطابق 6 ربیع الاول 1425ھ کو طلوع ہوا تھا آج لاہور میں غروب ہو گیا۔ یہ خبر جس کان میں بھی پڑھی تو اسے یقین نہ آیا کہ یہ کیسے ہو گیا۔لیکن بار بار کے فون اور اطلاعات نے تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح ہتھیار ڈالنے پڑے کہ حواس گم اور زبان گنگ اور شعور معطل ہو گئے کروڑوں مداح سوگوار ہو گئے ۔ ہر ایک کچھ دیر تک ضبط کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر جلد ہی صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔آنکھوں میں آنسو اور زبانوں سے آہیں جاری ہو گئیں۔ ہر طرف آہ و بکا گریہ و نالہ کی دلخراش آوازیں تھیں ایسا منظر تھا کہ اگر اللہ کریم کی طرف سے صبر نہ ملتا تو نا معلوم کتنے دھڑکتے دل بند ہو جاتے اور کتنے مسکراتے چہرے ماند پڑ جاتے اور کتنے بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتیں۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح دنیا بھر میں پھیل گئی ہزاروں لواحقین اور عقیدت مند ہمارے گھر جمع ہونا شروع ہو گئے بھائی یوسف رابع کا لاہور ہم سے مسلسل رابطہ قائم رہا اور لحہ لحہ کی اطلاعات دیتے رہے۔اور بڑے بھائی حافظ یوسف ثانی صاحب لواحقین اور عقیدت مندوں کے تعزیتی جملے وصول کرتے رہے ۔عشاء کے وقت ایمبولینس آپؒ کو لے کر پہنچی جب دیدار کا موقع دیا گیا۔تو سب کی آنکھوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی سکون کے عالم میں آرام فرما رہے ہیں۔ حسین وجمیل چہرہ اسی آب و تاب نور و سرور کے ساتھ دیکھنے والوں کے سامنے تھا رات 12:30 بجے غسل ہوا اور غسل کی سعادت حاصل کرنے والے آپؒ کے چاروں صاحبزادے اور داماد اور خدام تھے۔صبح 9:30 بجے جنازہ ہوا۔نماز جنازہ بڑے بھائی حضرت مولانا یوسف اول صاحب نے دارالعلوم فیصل آباد کے سامنے والی بڑی گراؤنڈ میں پڑھائی جس میں تقریباً ایک لاکھ سے زائد مجمع تھا اور پوری گراؤنڈ میں وسیع ترین ساؤنڈ سسٹم نصب کیا گیا تھا اور مکبّرین کی بڑی تعداد باآوازِ بلند تکبیرات کہتی رہی ۔مگر پھر بھی آخری صفوف جو

گراؤنڈ سے باہر مین شاہراہوں پر تھیں وہاں آواز نہ پہنچ سکی۔اور مین شاہراہوں کے بند ہو جانے کی وجہ سے ٹریفک پھنس جانے کے باعث بہت بڑی تعداد جنازے میں شرکت نہ کر سکی۔حاضرین نے سسکیوں اور آہوں سے جنازہ پڑھا اتنا بڑا جنازہ فیصل آباد کی تاریخ میں کبھی نہ دیکھا تھا۔نہ معلوم محبّین کہاں کہاں سے آ پہنچے، آپؒ کی وصیت کے مطابق بڑے قبرستان میں تدفین ہوئی،لرزتے ہاتھوں اور کانپتے دل کو تھامتے ہوئے آپؒ کو لحد میں اُتارا گیا اور مٹی ڈالی گئی۔اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے بندہ نے دُعا کرائی۔اور ہمیشہ ہمیشہ کی جدائی کا سفر شروع ہو گیا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِوَنَقِّہٖ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَایَاکَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَارًاخَیْرًا مِنْ دَارِہٖ وَاَھْلًا خَیْرًا مِنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا مِنْ زَوْجِہٖ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَ اَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ ، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّہٗ وَ اَنْتَ خَلَقْتَہٗ وَاَنْتَ ھَدَیْتَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَہٗ وَاَنْتَ اَعْلَمُ سِرَّہٗ جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَہٗ۔

تعزیتی خطوط وغیرہ

تعزیتی خط

از مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی

از بنگلہ والی مسجد　　　　　باسمہ تعالی　　　　　۵/ربیع الثانی

مکرمین ومحترمین بندہ جملہ اہلِ خانہ خورد وکلاں مرحوم حضرت مفتی زین العابدین صاحب نوراللّٰہ مرقدہٗ و برد مضجعہٗ و فقنا وایاکم لما یحب و یرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عافیت خواہ بعافیت آج مؤرخہ ۱۵ مئی ۲۰۰۴ء دوپہر بذریعہ فون حضرت مفتی صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع سے بے حد قلق ہوا۔ اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے مغفرت فرما کر اپنا قربِ خاص نیز درجاتِ عالیہ عطا فرمائے، آمین۔

بلاشبہ مرحوم حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا وجود اور ان کی عالمی سطح کی قربانیاں بے پناہ خیر کے نزول کا ذریعہ تھیں، اللہ پاک نے دعوت کی عالی محنت کے لیے روزِ اوّل سے ہی موصوف کو عالمی سطح کی قربانیوں کے لیے قبول فرمایا، موصوف نے حضرت

مولانا محمد الیاس صاحب کی تربیت، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی قوتِ ایمانی اور عزیمت و دعوت، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی رُوحانیت سے وہ فیض پایا تھا کہ جس کے طفیل اللہ پاک نے وہ حرارتِ ایمانی عطا فرمائی تھی جس نے پوری عمر موصوف کو بے چین و مضطرب رکھا۔ اللہ پاک محض اپنے فضل و کرم سے حضرت کی قربانیوں کو قبول فرما کر ماٴ جور فرمائے۔ اور جملہ پسماندگان کو اسی فکر میں اپنے کو لگانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ موتیں تو روز ہوتیں رہتی ہیں۔ لیکن بعض وہ موتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انسانیت، بالخصوص اُمتِ مسلمہ خیرِ کثیر سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایسے میں ہماری ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں، ہم سب مل کر قربانیوں کی وہ مقدار وجود میں لانے کی محنت کریں جس سے انسانیت پر خیرِ کثیر کا دروازہ کھل جائے۔ اور اللہ پاک امت کی دعوت کی عالی محنت کے لئے سو فیصد قبول فرمائے۔

اس کے لئے قرب و بعید میں بیرونی سالانہ نقل و حرکت اور مقامی کام کی محنت کو بڑھاتے ہوئے خوب اللہ پاک سے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، اللہ پاک قبول فرمائے، آسان فرمائے، آمین۔

والسّلام

بندہ محمد سعد عفی عنہ

تعزیتی خط

(از تبلیغی مرکز بستی نظام الدین نئی دہلی)

از بنگلہ والی مسجد بستی نظام الدین باسمہ تعالیٰ ۲۵مئی ۵ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
نئی دہلی نمبر۱۳

مکرمین و محترمین بندہ وفقنا اللہ وایاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرے عزیز و دوستو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے امر کائنات اور اس کی تمام مخلوقات کو مٹانے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہاں کی ہر چیز وقتی اور عارضی ہے۔ مناسب اور نامناسب احوال، عزت و ذلت، کامیابی و ناکامی، پستی و بلندی، بیماری اور صحت، تنگی و فراخی غرضیکہ ہر چیز عارضی ہے۔ اسی طرح امر عالم میں جو احوال خیر وشر کے وجود میں آتے ہیں وہ بھی عارضی ہیں، جن کا تعلق کائنات کے اندر بکھری ہوئی چیزوں اور اسباب ظاہریہ سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق انسان کے اندرون بنے ہوئے ایمان و یقین سے ہے، بس جو لوگ اپنے اندرون کے یقین کی بنیادوں کو ٹھیک کر لیتے ہیں۔ اللہ پاک انہیں بنیاد بنا کر ہزاروں، لاکھوں انسانوں کے دلوں

کے غلط یقین کو صحیح یقین سے فاسد اعمال کو نیک اعمال سے، ذلت کو عزت سے، غفلت کو ذکر سے، ناکامی کو کامیابی سے شر کو خیر سے، درندگی اور حیوانیت کو انسانیت سے، علم کو عدل سے، ضلالت کو ہدایت سے، اغراض کو اخلاص سے بدلنے کے فیصلے فرماتے ہیں، ایسے لوگوں کا ہمارے درمیان رہنا اللہ پاک کی بڑی نعمت ہے اور خلق خدا کے لئے رحمت کا ذریعہ ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال انسانیت اور جملہ مخلوقات الٰہیہ کے لئے ایک بہت بڑا حادثہ ہوتا ہے۔ جس کے تدارک سے غفلت کسی بڑے بگاڑ اور حادثہ کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اب اس کا علاج جانے والوں کے فراق اور غم میں آنسو بہانے، اس کے مناقب اور فضائل بیان کرنے اور اس کے تذکروں کے کرنے میں نہیں ہے۔ بلکہ جانے والے نے جس طرح قربانیوں اور مجاہدات اور اوامرِ الٰہیہ کے امتثال کے ذریعہ اور اس کے لئے اپنی جان و مال نیز اپنی تمام تر صلاحیت کو لگا کر معرفتِ الٰہیہ کے انوار سے اپنے کو معمور کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے اللہ پاک کی نصرتوں اور رحمتوں کے دروازے دنیا والوں پر کھلے ہوئے تھے۔ اسی یقین اور انہی اعمال نیز اس کی محنت میں پوری طرح اپنے کو کھپا کر اپنے اندر کے یقین، اعمال و اخلاق اور اخلاص کی بنیادوں کو درست کرتے ہوئے اس کی دعوت اور اس کے لئے تمام ظاہری و باطنی قوتوں کا استعمال کرنا پھر جانے والے کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت کر کے اللہ پاک سے خوب دعائیں مانگتے قربانیوں کی سطح کو بڑھانا ہے۔ اس سے جانے والے کے درجات بھی بلند ہوں گے، اور اس کے روحانی فیض کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ جانے والے کے کمالات رہنے والوں میں ان شاء اللہ آئیں گے۔

بالخصوص ایسے حال میں جب حضرت مفتی زین العابدین صاحب قدس سرہٗ

کے روحانی کمالات اور جسمانی وجود سے ہم محروم ہو گئے جن کے ذریعہ عالمی سطح روحانی فیضان کا سلسلہ قائم تھا ان اعمال میں حد درجہ انہماک کی ضرورت اور زیادہ ہو گئی۔ جب کہ امت سارے عالم میں مصائب اور حادثات کا شکار ہے۔ آپ حضرات دعوت کی عظیم محنت کے لئے اپنی قربانیوں کو بڑھانے کی سعی فرمائیں اور مرحومؒ صدقات و خیرات، ذکر و تلاوت کے ذریعہ بھی ایصالِ ثواب کی صورتیں اختیار فرمائیں۔ تاکہ حضرت مفتی صاحبؒ کے فیوض و برکات سے استفادہ کی شکلیں وجود میں آئیں۔ اللہ پاک قبول فرمائیں آسان فرمائیں۔ آمین

والسّلام

دستخط صاحبِ خط

رسالہ (المنبر) سے تعزیتی تحریر

(ڈاکٹر قاری محمد طاہر صاحب)

نفیس الطبع اور نفیس اللباس

بالآخر شُدنی ہوکر رہی۔ کئی مہینوں کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔ موت سے کسے مفر ہے

جو آیا ۔ اس کا آنا۔ جانا ہی ٹھہرا
تیرا آنا تھا مگر تمہید جانے کے بعد

مفتی زین العابدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کچھ عرصہ صاحب فراش رہنے کے بعد اپنے اس مالک سے جا ملے جس کی وحدانیت و طاقت کا پرچار عمر بھر کرتے رہے۔ دنیا کی ہر چیز کی نفی ،اصل حقیقت اللہ کی ذات اور فکرِ آخرت، یہی تین موضوع ان کی عمر بھر کی تقاریر کا محور تھے۔ 15 مئی وقتِ موعود تھا آن پہنچا۔ فرشتہ اجل نے آپ کے در پر دستک دی۔ مفتی صاحب نے لبیک کہی ۔اللہ کے حضور حاضر ہو گئے ۔ یہ پچاس کی دہائی کی بات ۔فیصل آباد، ابھی فیصل آباد نہیں بنا تھا بلکہ لائل پور تھا۔ شہر کی جامع مسجد میں عصر کی نماز حافظ عبدالخالق مرحوم نے پڑھائی تھی ۔نمازیوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں ۔''نئے خطیب صاحب آ گئے ہیں۔'' دعا کے بعد سب کی نگاہیں پہلی صف

کی طرف اٹھ گئیں۔ لمبا قد، کالی گھنی داڑھی، سفید اونچی ٹوپی، چار خانہ والی لنگی، سفید لمبا کرتہ، چہرہ پر عالمانہ وقار، سنجیدگی اور متانت۔ یہ تھے مفتی زین العابدین صاحبؒ۔ لوگ دیوانہ وار مصافحہ کر رہے تھے مفتی صاحب پُروقار اور دلکش مسکراہٹ کے ساتھ ہر ایک سے ہاتھ ملاتے اور وعلیکم السلام کہہ رہے تھے۔ آپ سے قبل اس مسجد میں مولانا مفتی محمد یونس صاحبؒ خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مرحوم مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ راقم کے استاد تھے۔ تقریر میں علمیت، اندازِ خطابت میں جاذبیت تھی۔ لہجہ میں چاشنی کہ سننے والا ماحول سے بے خبر ہو جاتا اور مزید سننے ہی رہنے کا احساس لے کر اٹھتا تھا۔ تقریر کو موقع بہ موقع برمحل اشعار سے مزین کرتے۔ کوثر و تسنیم سے دُھلی زبان میں الفاظ کا انتخاب اور تراکیب کا استعمال دل میں گھر کر جاتا تھا۔ مفتی محمد یونسؒ میانہ قد، خوش رو اور خوش گفتار، پروقار انسان تھے۔ سر پر عمامہ باندھتے۔ سراپے سے علمی وجاہت ٹپکتی تھی۔

مفتی محمد یونسؒ کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ (فیصل آباد والے) مسجد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کا تقرر عارضی تھا۔ میں نے بعض شناسانِ راز، دورانِ خانہ سے سنا کہ تین نام انتظامیہ کے زیرِ غور تھے۔ ایک مفتی زین العابدین صاحبؒ کا دوسرے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب (فیصل آباد والے) کا تیسرے مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا۔ قرعہ مفتی صاحبؒ کے نام نکلا اور اس طرح آپ لائل پور کی بڑی جامع مسجد کے خطیب بن کر تشریف لائے جو کہ اب فیصل آباد ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ مستقل مزاج آدمی تھے اور مستقل رہے۔ آپ نے اپنی حیاتِ مستعار کا بیشتر حصہ اسی مسجد کے ساتھ گزارا۔ اور اسی تعلق کو برقرار رکھتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے۔ وہ قال کے نہیں حال کے بندے تھے۔ مفتی محمد یونس مرحوم کی دل کش اندازِ تقریر کے بعد ان کے مقام پر ٹھہرنا آسان بات نہ تھی لیکن مفتی زین العابدین

مرحوم نے اپنی وجاہتِ علمی اور عملیت کی بناء پر مختصر عرصہ ہی میں اپنا مقام پیدا کرلیا۔ پورے شہر کے لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے۔دیکھتے ہی دیکھتے ہجومِ عاشقاں بڑھتا رہا اور بڑا قافلہ بن گیا۔

مفتی صاحب کے ہاں اسلام کا تصورعمل اورصرف عمل تھا۔آپ دارالعلوم ڈھابیل کے فارغ تھے۔اور قائداعظم کے دستِ راست مولانا شبیراحمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ تھے۔تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے لئے میدانِ عمل کی تلاش میں تھے۔یہ زمانہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا ابتدائی دورتھا۔یہ تحریک تبلیغی جماعت سے موسوم تھی۔

مفتی صاحبؒ کے نزدیک دین محض نظریہ کا نام نہیں۔بلکہ عملی زندگی کا نام ہے۔کیونکہ نظریہ بغیرعمل ایک قیاس ہے۔ایک سوچ ہے۔اور عمل کے بغیرسوچ ایک فلسفہ تو ہوسکتی ہے مگر زندگی کا دھارا نہیں بدل سکتی۔زندگی کا دھارابدلنے اور فکروعمل کی دنیا آباد کرنے کے لئے مفتی صاحبؒ ایک ایسی درسگاہ قائم کرنے کے متمنی تھے جس میں قدیم وجدید علوم کی تدریس ہوتی ہو۔اپنے اس عندیہ کا اظہار انہوں نے راقم سے بھی کئی مرتبہ کیا۔چنانچہ انہوں نے اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لئے ’’القاسم‘‘ نام سے ایک سکول قائم کیا۔یہ سکول پیپلز کالونی میں شروع کیا گیا تھا۔لیکن مفتی صاحبؒ کی خواہش کے مطابق اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی،تو آپ نے اپنی توجہ ایک بڑے دینی مدرسہ کے قیام کی طرف مبذول کی۔مختلف اہلِ خیر کے تعاون سے چک 224 میں ایک بڑا قطعہ اراضی حاصل کیا جو آج دارالعلوم فیصل آباد کے نام سے پاکستان کا معروف دینی ادارہ ہے۔اس دینی ادارہ کی وجہ سے پیپلز کالونی نمبر 2 کے نام سے بڑی آبادی وجود میں آچکی ہے۔جب یہ قطعہ اراضی حاصل کیا گیا تو یہ جگہ شہر

سے بہت دور تھی چاروں طرف ہرے بھرے کھیت موجود تھے۔ مفتی صاحبؒ کی نظر قاری نذیر احمد صاحبؒ پر پڑی۔ قاری صاحبؒ بھی چند برس پیشتر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے بقول مفتی صاحبؒ مجھے لے کر مذکورہ جگہ پر گئے اور فرمایا بس اس جگہ بیٹھ جاؤ اور کام شروع کرو۔ دل نے کہا اس اجاڑ اور بستی سے ہٹی ہوئی جگہ پر کون آئے گا۔ لیکن مفتی صاحبؒ کا حکم تھا میں نے بلا چوں چراں قبول کیا۔ ایک مٹی کی چھاگل اور دو چٹائیوں پر مشتمل مدرسہ شروع ہو گیا۔ اب الحمدللہ اسی جگہ سے قال اللہ و قال الرّسول کی آوازیں فضا میں گونج رہیں ہیں اور مستقل گونجتی رہیں گی۔ مفتی صاحبؒ کا یہ وہ صدقہ جاریہ ہے جو ان کی حسنات میں تا ابد اضافہ کا موجب بنتا رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

مفتی صاحبؒ نفیس الطبع ہونے کے ساتھ ساتھ نفیس اللباس بھی تھے۔ ہمیشہ سفید لباس ہی زیب تن کرتے۔ ان کا یہ عمل دراصل سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کے تحت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لئے سفید لباس اور رنگدار لباس عورتوں کے لئے پسند فرمایا تھا۔ آپ کی شخصیت میں اتنی جاذبیت تھی کہ بہت سے علماء نے بے شعوری اور غیر شعوری طور پر آپ کی وضع قطع اور آپ جیسا لباس اختیار کر لیا۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا آپ کی زندگی کا معمول رہا۔ اس معمول میں شاید ہی کبھی تعطل آیا ہو۔ جامع مسجد میں اس مقصد کے لیے آپ کی جگہ مخصوص تھی۔ ہال کمرے کے دائیں کونے میں آپ کا مقامِ اعتکاف تھا۔ اہلِ مشاہدہ گواہ ہیں کہ جامع مسجد میں اعتکاف کی رونقیں آپ کی ذات ہی کی مرہونِ منت تھیں آخری عشرہ میں مسجد بھر جاتی بلکہ دیگر مساجد میں بھی کثرتِ اعتکاف کی ریت چل نکلی۔ رمضان کے آخری عشرے میں مساجد میں آبادی کثرت سے ہو جاتی۔ شب بیداری کی سحر خیزی اور آہ و بکا سے مسجد میں سماں بندھ جاتا تھا اور قرن اول کی یادیں تازہ ہوتی

تھیں۔قرآن کی سماعت کا شوق آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔تمام تراویح کھڑے ہو کر ادا کرتے۔طبیعت میں ناسازی اور بیماری بھی اس معمول میں حارج نہ ہوتی تھی۔

آپ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کا حلقہ وسیع تھا۔اصحاب الحقد والخصم کی بھی کمی نہ تھی۔لیکن آپ ''اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ'' پر عمل پیرا ہوتے تھے۔بہی خواہوں سے بھی محبت کرتے اور منفی جذبہ رکھنے والوں کے لئے بھی ان کا سینہ کھلا تھا۔ ایک رمضان ہی کے آخری عشرہ کی بات ہے۔ایک نوجوان اصحاب الحقد کے منفی تذکروں سے متاثر ہوا۔وضو کے دوران مفتی صاحب پر چڑھ دوڑا۔چھری سے وار کیا۔ مفتی صاحب گردن پر ہاتھ سے مسح کر رہے تھے چھری ہاتھ کی انگلیوں کو چیر گئی۔گردن بچ گئی۔لوگوں نے نوجوان کو پکڑا۔مارنے لگے۔مفتی صاحب نے روک دیا۔نہ پرچہ، نہ رپٹ، نہ گلہ، نہ شکایت۔فرمانے لگے فاتر العقل ہے، مجھے سمجھا نہیں۔میں نے معاف کر دیا اللہ کا حکم ''فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا ''۔''معاف کرو، درگزر سے کام لو'' آئندہ کے لئے احتیاطی تدبیر صرف یہ اختیار کی کہ اعتکاف کے لئے مسجد کی بالائی منزل پر بیٹھنے لگے۔کبھی کبھار مجلس میں اس واقعے کا ذکر چھڑ جاتا تو خوش طبعی کے طور پر فرماتے۔لوگ گردن کے مسح کے بارے میں فقہی موشگافیاں کرتے ہیں۔دیکھئے گردن پر مسح کے کتنے فائدے ہیں۔اسی مسح پر عمل نے میری جان بچائی۔مسح کرنے والے ہاتھ پر بلا ٹلی۔

مفتی صاحبؒ خوش رہتے۔دوسروں کو خوش رکھتے۔مفتی صاحبؒ تکثیر کلام اور تکثیرِ طعام کے قائل نہ تھے۔ضرورت کے مطابق مختصر گفتگو کرتے۔اس معاملے میں ان کا عمل رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق تھا ''مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ ''انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے۔ کام کی بات کرے۔ان کا طعام برائے زندگی تھا نہ کہ زندگی برائے طعام......تقلیل

کلام کی کیفیت یہاں تک تھی کہ مخاطب کو کبر کا دھوکہ لگتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ عمل حفظ اللسان اور کف اللسان کا آئینہ دار تھا تا کہ انسان زبان کی آفتوں سے بچارہے۔

مفتی صاحبؒ سیاسی آدمی نہ تھے لیکن سیاست کو بھی جانتے تھے اور سیاستدانوں کو بھی۔ بعض سیاست کار مطلب برآری کے لئے آتے۔ آپ بات کارخ تبلیغ کی جانب کر دیتے۔ وقت کی وصولی کا مطالبہ اس انداز سے کرتے کہ سیاست کار چوکڑی بھول جاتے اور جان چھڑانے میں ہی عافیت خیال کرتے۔

بعض لوگ پاکستان کے حکمران جنرل ضیاء الحق سے سیاسی اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان کی اسلام دوستی پر سب کا اتفاق ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکمرانی میں مفتی صاحبؒ کی رسائی قصرِ صدارت تک ہوئی۔ مفتی صاحبؒ نے کبھی اس کو اپنے لئے اعزاز کا ذریعہ نہیں سمجھا۔ صدر سے ملاقات ہو یا وزراء سے، بس ایک ہی دھن تھی، اعلائے کلمۃ اللہ۔ صدر سے لے کر قصرِ صدارت کے چوکیدار تک سب کو متقی بنانے کی فکر کرتے۔ کم لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے مفتی صاحبؒ کا نام سرکاری اعزاز عطا کرنے کے لئے منتخب کیا۔ چناچہ سرکاری نمائندے مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مفتی صاحب آپ کا نام تمغۂ خدمت کے لیے تجویز ہوا ہے۔ آپ براہِ کرم اپنے کوائف دیجئے اور فلاں تاریخ کو اسلام آباد وصولی تمغہ کے لیے تشریف لائیے۔ مفتی صاحب بغیر کسی توقف کے گویا ہوئے میں اپنی مساعی کا اجر دنیا میں لینا ہی نہیں چاہتا۔ اللہ کے دین کی خدمت اللہ ہی کے لئے کرتا ہوں۔ "إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ" سرکاری کارندے جواب سن کر ساکت ہوگئے۔ فائلیں بند کیں اور چل دیئے۔

مفتی صاحبؒ کی خصوصیات بے شمار اور لازوال ہیں۔ کوئی کہاں تک لکھے۔ قلم شکستہ، دل گرفتہ، یہ وہ خصوصیات ہیں جو شعور اور ادراک کی گرفت میں آئیں۔ شعور

اور ادراک، احساس اور مشاہدے سے ماوراء بہت سی خصوصیات وہ ہیں جہاں آنکھ کا کام ہے نہ کہ کان کا۔ وہ اللہ اور بندے کا باہم معاملہ ہے۔

میان بندہ و آقا رمزے است
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

سحر خیزی، اللہ سے راز و نیاز، آہ و بکا، گریہ وزاری، دل کی کیفیت آنکھوں سے جھڑتے اشک۔ اللہ کے ہاں موتیوں کی مانند ہیں۔ جن کا علم صرف اور صرف اللہ کو ہے۔ اللہ اور بندے کے مابین نسبتوں کو مفتی صاحبؒ سینہ میں دفن کر کے اپنے مدفن میں پہنچ چکے ہیں۔ مفتی زین العابدین صاحبؒ۔ عابدین کی زینت تھے۔ اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والوں کی آبرو تھے۔ اللہ ہی کے لئے جیئے اور اللہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں قرآن گواہی دیتا ہے "قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ"

سال بھر پہلے کی بات ہے کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب گوجرانوالہ سے تشریف لائے، گھر پر علمی نشست ہوئی۔ اختتام پر مفتی صاحبؒ سے ملنے کا عندیہ ظاہر فرمایا۔ صاحبزادہ طارق محمود صاحبؒ بھی تشریف لے آئے ہم تینوں مفتی صاحبؒ کے گھر حاضر ہوئے۔ مفتی صاحبؒ علیل تھے۔ گھر پر ہی تھے۔ تمام مصروفیات متروک تھیں۔ اطلاع ملی تو فوراً ہی اپنے کمرہ میں بلا لیا۔ یہ میری ان کے ساتھ آخری ملاقات تھی۔ کمزوری کے آثار چہرہ سے ہویدا تھے۔ تپاک سے ملے، خوشی کا اظہار فرمایا۔ زیادہ گفتگو مولانا زاہد الراشدی صاحب نے ہی فرمائی۔ مفتی صاحبؒ بہت آہستہ گفتگو فرما رہے تھے۔ آواز نحیف تھی۔ لیکن غالب غم، مسلم اُمّۃ ہی کا تھا۔ فرمانے لگے اللہ تو ہر وقت

ہمیں نوازنے پر تیار ہے۔ ہماری طرف سے طلب کی کمی ہے۔ جیسے مانگنا چاہیے ہم مانگتے نہیں۔ اللہ کی عطا، جود وسخا اور توحیدِ الٰہی کا یہ قلبی استحضار اس محبت کا نتیجہ تھا جس میں مفتی صاحبؒ نے اپنی جوانی اور بڑھاپے کے ایام کو صرف کیا۔

مفتی صاحبؒ قلم اور قول کے نہیں بلکہ عمل کے آدمی تھے۔ اس لئے ان کا تحریری سرمایہ زیادہ نہیں۔ 1965ء میں تبلیغی جماعت کے امیر مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا انتقال ہوا۔ ان کے حوالے سے انہوں نے ایک مضمون لکھا جو بعض جرائد کی زینت بنا۔ لیکن مفتی صاحبؒ تحریری سرمائے کی بجائے عملی سرمائے کی دنیا آباد کر گئے شرق ہو یا غرب، شمال ہو یا جنوب ربع مسکون کا کوئی گوشہ شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے جہاں مفتی صاحبؒ سے علمی اور عملی فیض اٹھانے والے نہ ہوں۔ وہ لا الٰہ کے وارث تھے الا اللہ کی ضرب لگاتے تھے۔ جو دلوں پر اثر کرتی اور زندگیوں کے رُخ پلٹ جاتے۔ مفتی صاحبؒ ماحول کے اثرات سے بے پرواہ ہو کر دعوت دیتے، مخاطب کون ہے، کیسا ہے، آپ کو اس سے غرض نہ تھی۔ آپ کا یہ عمل اس شعر کا مصداق ہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

مفتی صاحبؒ نے اس لا الٰہ الا اللہ کی صدا مسجد و محراب میں بھی بلند کی، ایوان بالا اور قصرِ صدارت کو بھی اس کی گونج سے منور کیا اور دنیا کے تمام گوشوں کو روشن کر گئے۔

آپ کا انتقال 15 مئی کی سہ پہر ہوا۔ میت لاہور سے فیصل آباد لائی گئی۔ 16 مئی کو آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم فیصل آباد سے متصل پہاڑی والی گراؤنڈ میں ادا کی گئی۔ انسانوں کا سمندر جوق در جوق اشکبار آنکھوں کے ساتھ میدان کی طرف رواں دواں تھا۔ گرمی شدت کی تھی لیکن جنازہ اللہ والے کا تھا۔ میت میدان میں کیا آئی۔ آسمان کو ہلکے بادلوں نے گھیر لیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تمام حاضرین و مشارکین کی طبیعتوں کو سیراب کرنے لگے۔

وقت کی پابندی کے ساتھ نماز جنازہ کے لئے صفیں درست ہوئیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد یوسف اوّل صاحب نے نماز جنازہ کی امامت کروائی۔ رندھی آواز اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ تکبیراتِ جنازہ کہیں۔ نماز جنازہ مکمل ہوئی۔ رئیس المبلغین کا جسدِ خاکی مدفن تک لے جانے کی غرض سے گاڑی میں رکھا گیا۔ لوگ منتشر ہو گئے آسمان پر چھائے بادلوں نے بھی بساط لپیٹی، رخصت ہوئے۔ پھر وہی گرمی، وہی دھوپ، وہی تمازت شروع ہو گئی۔ سچ ہے مقربینِ بارگاہ الٰہی کے لئے اللہ غیب سے آرام وراحت کا اہتمام کرتا ہے مفتی صاحبؒ کو شہر کے بڑے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ دفن نہیں سپر دِ الٰہی کیا گیا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْهُ وَارْحَمْهُ وَ أَدْخِلْهُ فِیْ رَحْمَتِكَ یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

رسالہ (المنبر) سے تعزیتی تحریر

(مولانا محمد ازہر صاحب)

پُرسوز داعی، پُرجوش مبلغ، دردمند مصلح

گزشتہ ماہ دو المناک سانحات نے دینی و علمی حلقوں میں صفِ ماتم بچھا دی۔ پہلا سانحہ 24 ربیع الاول 1425ھ 15 مئی 2004ء کو جامع علم وعمل و داعیٔ کبیر حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کی وفات حسرتِ آیات کا ہے۔ اور دوسرا (10 ربیع الثانی 1425ھ 30 مئی 2004ء) کو پیش آنے والا حادثہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزیؒ کی اندوہناک شہادت کا ہے۔ پندرہ دنوں کے مختصر عرصہ میں ان جامع صفات و کمالات اور قد آور شخصیات سے محرومی، ملک و ملت کے لئے بہت بڑا خسارہ اور علمی و دینی حلقوں کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

حضرت مفتی زین العابدین صاحبؒ برصغیر کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء حضرت سید مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے تلمیذِ رشید تھے۔ ان عبقری شخصیات

کے تلمذ اور فیضِ صحبت نے مفتی صاحبؒ کی فطری ذہانت وذکاوت اور علمی استعداد کو دو چند کردیا تھا۔ تحصیلِ علم کے بعد جب آپؒ نے عملی میدان میں قدم رکھا تو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت بہت جلد معاصر علماء وفضلاء میں ممتاز مقام حاصل کرلیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی دینی خدمات میں اگرچہ دعوت وتبلیغ کے کام زیادہ نمایاں تھے، جس کی وجہ آپؒ کی فصاحت و بلاغت، دلآویز پُرتاثیر خطابت اور اخلاص وللّٰہیت ہے لیکن انہوں نے اپنی علمی سرگرمیوں کو صرف دعوت وتبلیغ کے شعبہ تک (اس کی وسعت کے باوجود) محدود نہیں کیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ جہاں خالص تبلیغی اجتماعات میں ایک پُرسوز مبلغ اور ایک دردمند مصلح کی حیثیت سے خطاب فرماتے تھے، وہاں دیگر دینی تحریکوں اور مدارس کے علمی اجتماعات میں انتہائی مدلّلانہ وفاضلانہ علمی انداز میں بیان فرماتے تھے۔ جامعہ خیرالمدارس کے سالانہ اجتماعات میں حضرت مفتی صاحبؒ کے متعدد بیانات سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن میں بالعموم آپ فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کو ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کی طرف ایک مخلص، مربی اور سرپرست کی حیثیت سے متوجہ فرماتے۔ اور عصرِ حاضر کے فتنوں اور ان کے سدّ باب پر ایسی مفصل اور مدلل گفتگو فرماتے جس سے سامعین ان کی بصیرت ودقتِ نظر کا گہرا تاثر لے کر اٹھتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے علم وفضل اور غیر معمولی صفات کی بدولت ان کی جدائی کا صدمہ ہر مسلمان محسوس کررہا ہے لیکن اہلِ علم اور اصحابِ نظر کے نزدیک ان کا سانحۂ اِرتحال اس اعتبار سے اور سنگین اور المناک ہے کہ اب دور دور تک ورع وتقویٰ، خشیت وانابت اور دین کا ٹھیٹھ مزاج رکھنے والی ان جیسی حق گو کوئی شخصیت نظر نہیں آتی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں نفاذِ اسلام کے لئے اعلانیہ اور پسِ پردہ رہ کر جو خدمات انجام دیں وہ نفاذِ اسلام کی منزل کو قریب لانے کے لیے

بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ بلاشبہ مفتی صاحبؒ کی رسائی اقتدار کے بلند ایوانوں تک تھی، مگر انہوں نے اس حیثیت کو ہمیشہ دینی مقاصد اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے استعمال کیا۔

1974ء کی تحریک ختمِ نبوت میں مفتی صاحبؒ نے نہ صرف مجاہدانہ اور قائدانہ شرکت کی بلکہ اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو انتہائی فیصلہ کن اور حتمی الفاظ میں فرمایا کہ ''ختمِ نبوت کا فیصلہ تو آسمانوں پر پہلے سے ہو چکا ہے۔ اور اب اسے زمین پر نافذ ہو کر رہنا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ یہ سعادت دلی آمادگی کے ساتھ حاصل کر لیں۔'' مفتی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا...... ''اگر آپ اپنی حکومت میں کسی بھی قسم کی بغاوت برداشت نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپ کس طرح یہ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ ختمِ نبوت جیسے بنیادی موضوع پر کسی کی بغاوت برداشت کر لیں۔

بہر حال مفتی صاحبؒ کی جدائی صرف تبلیغی و دعوتی حلقوں کا نقصان نہیں بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کا عظیم نقصان ہے دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرماتے ہوئے انہیں اعلیٰ عِلّیین میں بلند مراتب عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ڈائری کے چند اوراق

(بقیہ تبلیغی سفر)

دعوت و تبلیغ کی عظیم محنت میں حضرت مفتی صاحبؒ نے کثیر ممالک میں بیشتر سفر فرمائے۔ ان اسفار میں سے کچھ تفصیل حضرت کی ڈائری کے حوالے سے لکھنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ سامعینِ کرام کو حضرت کے ہی الفاظ وفقرات کے پڑھنے کا موقع ملے۔

بنکاک اور کوالالمپور کا سفر

اکتوبر 1989ء کو صبح کراچی سے براستہ بنکاک کوالالمپور شام کو پہنچے۔ رات کو کوالالمپور رہے۔ جمعہ صبح کو اجتماع کی جگہ پر پہنچے۔ ہفتہ، اتوار، پیر اجتماع ہوا۔ کام کرنے والے جمع تھے۔ خوب اجتماع ہوا۔ منگل کو کوالالمپور واپس آئے بھائی زیارت خان صاحب اور بھائی نعمان صاحب کے ہاں رہے۔ ہوائی جہاز سے سنگاپور سے براستہ بنکاک آئے۔ کراچی میں صبح کی نماز پڑھ کر اترے۔ جمعہ کی شام کراچی سے فیصل آباد آ گئے۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی آمد برائے اجتماع رائے ونڈ

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) کی آمد 7 نومبر 1989ء کو دہلی سے ہوئی۔ 10، 11، 12 نومبر کو سالانہ اجتماع رائے ونڈ ہوا۔

سفر بنکاک اور اجتماع ڈیوز بری (لندن)

14 دسمبر 1989ء کراچی سے بنکاک گیا۔ 15، 16، 17 بنکاک کا جوڑ ہوا۔ دعا کے بعد صرف 18، 19 پرانوں کا جوڑ تھا۔ بھائی عبدالرزاق صاحب بلوچی ملیشیاء ترجمان رہے۔ ان کے ساتھی عمر مدراسی صاحب بھی رہے۔ 12 دسمبر 1989ء بنکاک سے مصری ایئر ویز سے قاہرہ پہنچے۔ چند گھنٹے وہاں رہے۔ اور پھر مصری ایئر ویز سے لندن آ گئے۔ عصر لندن ایئر پورٹ پر پڑھی۔ اور مغرب لندن میں۔

جمعہ کو کاروں سے ڈیوز بری چلے گئے۔ 23، 24، 25 جوڑ ڈیوز بری رہا۔ 25 دسمبر شام کو دعا ہوئی۔ تقریباً بارہ ہزار کا مجمع رہا۔ 26 دسمبر کو مستورات کا اجتماع رہا۔ مغرب کے بعد برمنگھم گئے۔ عشاء وہاں پڑھی، بیان ہوا، کھانا ہوا اور لندن روانہ ہو گئے۔ رات مرکز میں رہے، بدھ بھی مرکز میں رہے، جمعرات بعد عصر لندن سے براستہ قاہرہ دبئی آ گئے۔ صبح کی نماز دبئی ائیر پورٹ پر پڑھی۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار دبئی میں پرانوں کا جوڑ ہوا۔ یکم جنوری 1990ء صبح کو دبئی سے کراچی آ گیا اور 2 جنوری کو کراچی سے فیصل آباد آ گیا۔

اجتماع ڈھاکہ

18 جنوری کو کراچی سے ڈھاکہ گیا 20، 21، 22 جنوری کو اجتماع ڈھاکہ ہوا اور 29 جنوری 1990ء شام کو ڈھاکہ سے کراچی آ گیا۔ 30، 31 جنوری کو کراچی کا جوڑ ہوا اور 31 جنوری بدھ شام کو فیصل آباد واپسی ہوئی۔ کراچی سے 14 مئی 1990ء پیر کو دبئی گیا اور دبئی سے 19 مئی کراچی روانہ ہو گئے۔ کراچی میں دو دن کا جوڑ رہا۔

اسلام کی پہلی ہجرت کا ملک (حبشہ)

9 اگست 1990ء بروز منگل رات ساڑھے بارہ بجے لیگوس سے عدیسابابا روانہ ہوئے۔ جہاز دو گھنٹے لیٹ چلا اور صبح عدیسابابا آ گئے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے اور اسلام کی پہلی ہجرت کا ملک ہے۔یعنی اس ملک نے سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے لے کر نجاشی بادشاہ تک سب کی نصرت کی۔مسجد ابوبکر یہاں کا مرکز ہے۔ یہاں کے امیر بھائی موسیٰ صاحب ہیں اور یوسف صاحب اچھے ساتھی ہیں۔مغرب کے بعد اسی دن میرا بیان ہوا۔ بدھ کا دن اور رات عدیسابابا میں رہے۔اور میرا بھی اچھا حال تھا اور یہاں کے لوگ بھی بے انتہاء خوش تھے۔کہتے تھے آج ہمیں حوصلہ ملا ہے۔ نہایت خوبصورت ملک ہے،شاندار جنوبی افریقہ والا موسم ہے۔

ایک اچھی اور بری خبر

یہاں (عدیسہ بابا) یہ بری خبر ملی کہ عراقی صدر (صدام) نے کویت پر حملہ کر کے لاکھوں بچوں اور عورتوں کی عزت و مال تباہ کر دیا اور کویت پر قابض ہو گیا۔رب کریم نے عراقی صدر کے فتنہ سے پوری امت کی حفاظت فرمائی اور اس فتنہ کو اپنی عظیم قوت سے فرو فرمایا۔ 6 اگست کو بہترین خبر ملی کہ صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے بے نظیر حکومت کو ڈس مس کر دیا ہے۔(فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)

چھیالیسواں سفرِ حجاز (عمرہ)

9 اگست 1990ء بروز جمعرات کو عدیسابابا سے خرطوم (سوڈان) 1:20 بجے دوپہر روانہ ہوئے۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار خرطوم میں جوڑ ہوا۔ پھر پیر 13 اگست 1990ء کو خرطوم (سوڈان) سے جدہ روانہ ہوئے۔منگل، بدھ، جمعرات حجاز میں رہے عمرہ کیا۔ مدینہ طیبہ حاضری ہوئی۔اور اس کے بعد 17 اگست 1990ء جمعہ شام کو جدہ سے لاہور واپس پہنچے۔ یوں الحمدللہ ہمارا تین ماہ کا سفر پوری

جماعت کا ہوا۔ جس میں 14 ممالک میں جانا ہوا۔ اور پچیس ہزار میل کا سفر ہم نے طے کیا۔ جو یہاں (رائے ونڈ) سے شروع ہوا اور یہیں پر ختم ہوا۔ اب تک کے اسفار میں سب سے طویل ترین سفر تھا۔ صدیوں بعد خالص دینی زندگی کا طویل سفر رب قدیر نے ہم سے کروایا۔ رب قدیر اسے ہدایت عامہ و تامہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

دہلی، بنکاک، کوالالمپور، سنگاپور کا سفر

4 اکتوبر جمعرات کو لاہور سے کراچی اور 5 اکتوبر جمعہ شام کراچی سے دہلی پرانوں کے جوڑ میں گیا۔ اور 13 اکتوبر 1990ء سے 17 اکتوبر تک فلپائن والوں کا جوڑ دہلی میں ہوا۔ اور 22 اکتوبر سے 13 اکتوبر تک امریکہ اور جنوبی افریقہ والوں کا جوڑ دہلی میں ہوا۔ 25 اکتوبر جمعرات شام کو 12:50 پر دہلی سے چھ بجے بنکاک روانہ ہوئے۔ بنکاک سے نو بجے چل کر ساڑھے گیارہ بجے کوالالمپور پہنچے۔ اس کے بعد 30، 31 اکتوبر، یکم نومبر پیناگ (سنگاپور) میں قیام رہا۔ یکم نومبر جمعرات شام کو 9:50 بجے کوالالمپور سے کراچی روانہ ہوئے۔ کراچی جمعہ صبح کو پہنچے۔ اور 2 نومبر جمعہ صبح کو 6:25 پر کراچی سے فیصل آباد آ گیا۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی آمد

6 نومبر کو حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور 17 نومبر کو دہلی واپسی ہوئی۔ دسمبر میں مقامی اجتماعات، مشورہ وغیرہ ہوا اور پھر جنوری 1991ء میں 11، 12، 13 مشورہ ہوا۔

اجتماع ڈھاکہ

17 جنوری صبح کو کراچی سے ڈھاکہ گیا۔ 19، 20، 21 کو ڈھاکہ اجتماع ہوا۔ اور بظاہر 29 جنوری پی آئی اے سے واپسی از ڈھاکہ، کراچی ہوئی۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی آمد کراچی

8 مئی 1991ء بروز بدھ کو حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) دہلی

سے کراچی تشریف لائے۔ میں فیصل آباد سے کراچی شام کے جہاز سے گیا۔ 9،10 مئی 1991ء کو حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) نے کراچی قیام فرمایا۔ اور 11 مئی 1991ء ہفتہ کو صبح سعودی ایئر لائن سے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) جدہ روانہ ہوئے۔

سینتالیسواں سفرِ حجاز (حج)

11 مئی 1991ء شام کو کراچی سے 6:30 بجے پی آئی اے کے ذریعے جدہ روانہ ہوئے۔ مکی مرزوقی کے ہاں مکہ معظّمہ میں 12 سے 17 مئی تک قیام رہا۔ ہفتہ 18 مئی کو صبح نماز کے بعد چائے پی کر مدینہ طیبہ روانگی ہوئی۔ ساڑھے پانچ بجے چل کر ساڑھے نو بجے قباء پہنچے۔ اور بھائی عبدالرشید صاحب کے مکان پر قیام رہا۔ میں وہاں سامان رکھ کر داماد عزیزم عبدالوحید سلمہ کے گھر سے ہوتا ہوا، داماد عزیزم عبدالمجید جامی سلمہ کے گھر گیا۔ وہاں کھانا کھایا اور آرام کیا پھر شام کو واپس آ گیا۔ اتوار اور پیر بھائی عبدالرشید صاحب کے ہاں قیام رہا۔ منگل شام کو بھائی رسول احمد صاحب نور مسجد کے مکان پر آ گئے۔ بدھ صبح کو اس مکان سے پیدل جا کر مسجد نبوی میں فجر پڑھی اور سلام عرض کرنے کے بعد واپسی پر بقیع شریف کھلا تھا حاضری مل گئی۔ 6 ذوالحجہ کو احرامِ حج سے صبح مکہ روانہ ہوئے۔ یہ حج جمعہ کا ہوا۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن (رحمتہ اللہ علیہ) کے بعد ایک ہفتہ اور ٹھہرا۔ اور جمعہ 19 جولائی کو بمع بڑے داماد عزیزم مفتی ضیاء الحق سلمہ اور نواسے عزیزان محمد ضیاء اور احمد ضیاء سلمہما جدہ سے روانہ ہوئے۔ جہاز چار گھنٹے لیٹ ہوا پی آئی اے کی برکت سے اور لاہور سے پہنچنے سے پہلے ہی وائرلیس پر خبر ملی کہ لاہور میں شدید بارش اور طوفان ہے۔ چنانچہ ہمیں کراچی جانا پڑا۔ کراچی پہنچنے پر جہاز کے انجن وغیرہ بند کر دیئے گئے اور مسافروں پر جہاز سے نکلنے پر پابندی لگا دی۔ چنانچہ گرمی، حبس اور تعفن کی شدت کی سے طبیعت ناساز ہوگئی۔ خدا خدا کر کے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد کراچی سے لاہور روانہ ہوئے۔ اور ہفتہ صبح 20 جولائی کو لاہور پہنچے اور میں لاہور سے فیصل آباد

آ گیا۔

سفر ہند

10 اکتوبر 1991ء جمعرات کو لاہور سے دہلی گیا۔ مغرب دہلی میں پڑھی۔ 6 سے 10 اکتوبر افریقی ملکوں کا جوڑ دہلی میں ہوا۔ 13، 14، 15، 16 اکتوبر 1991ء کو ہند کے پرانوں کا جوڑ ہوا۔ 19 سے 23 اکتوبر آسٹریلیا، نیوزی لینڈ والوں کا جوڑ ہوا۔ 22 اکتوبر 1991ء شام کو ہند کے بڑے حضرات سے ملاقات ہوئی۔ 23 اکتوبر بدھ صبح کو دہلی سے لکھنؤ گیا۔ اور شام کو واپس آ گیا۔ 24 اکتوبر کو پارلیمانی امور کے وزیر آزاد صاحب نظام الدین ملنے آئے۔ 25 اکتوبر کو دہلی سے لاہور واپس آ گیا۔

اجتماع رائے ونڈ اور مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی آمد

12 نومبر 1991ء بوقت مغرب حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلی سے رائے ونڈ تشریف لائے۔ 15، 16، 17 نومبر 1991ء اجتماع رائے ونڈ ہوا۔ 29 نومبر 1991ء کو میں فیصل آباد سے اسلام آباد روانہ ہوا۔

وزیر اعظم پاکستان اور دیگر وزراء صاحبان سے ملاقاتیں

یکم دسمبر کو وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات انکے گھر پر ہوئی۔ منگل 3 دسمبر کو سیکرٹری خارجہ شہر یار خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ 18 دسمبر وفاقی وزیر اعجاز الحق صاحب کے مکان پر سردار عبدالقیوم صاحب اور راجہ ظفر الحق صاحب وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔

سفر ہند

4 تا 11 جنوری 1992ء کو یورپ کے پرانوں کا جوڑ دہلی میں ہوا۔ 4 جنوری صبح دس بجے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ہسپتال لے جانا پڑا۔ اور داخل کر دیا۔ پھر 10 جنوری گیارہ بجے ہسپتال سے مسجد لائے گئے۔ جمعہ اپنے کمرے میں ادا کیا چار بجے پھر ہسپتال چلے گئے۔ پھر 15 جنوری 1992ء کو بعد دوپہر ہسپتال سے گھر لائے۔ میں 6 جنوری کو لاہور سے دہلی گیا اور 15 جنوری کو دہلی سے کراچی آ گیا۔

اجتماع ڈھاکہ

16 جنوری کو احباب کے ساتھ کراچی سے ڈھاکہ چلا گیا۔اس مرتبہ کھانسی 5 جنوری کو شروع ہوئی اور 22 جنوری تک چلتی رہی۔18 تا 20 جنوری تک اجتماع ڈھاکہ ہوا۔28 جنوری کو ڈھاکہ سے کراچی آ گئے۔منگل شام 3 مارچ سعودی فرمان شاہی سے بدھ کا روزہ ہو گیا۔حالانکہ نیا چاند 4 مارچ بدھ شام کو غروب آفتاب سے 17 منٹ بعد پیدا ہوا۔یعنی 6:22 پر ہمارے ہاں جمعہ کو یکم رمضان المبارک ہوا۔10، 11، 12 مارچ کو مشورہ رائے ونڈ ہوا۔پھر دس روزہ پرانوں کا جوڑ رائیونڈ میں ہوا۔مگر مجھے 14 اپریل لاہور سے کراچی جانا پڑا۔

اجتماع جنوبی افریقہ

16 اپریل 1992ء کو کراچی سے براستہ دبئی نیروبی گئے۔شام کے وقت نیروبی پہنچے۔18، 19، 20 اپریل اجتماع جنوبی افریقہ ہوا۔منگل، بدھ ڈربن میں رہے۔یہاں منگل، بدھ پرانے جمع تھے۔اچھے مذاکرے ہوئے۔25، 26، 27 اپریل اجتماع ہرارے ہوا۔28، 29، 30 اپریل بھی جنوبی افریقہ، موزمبیق، زیمبیا، ملاوی والے پرانے خوب آئے۔اور زومبہ (دارالخلافہ ہرارے) میں اچھے مذاکرے ہوئے۔1، 2، 3 مئی 1992ء کیالا اجتماع ہوا۔3 مئی کو واپس نیروبی آئے۔4 مئی کو نیروبی سے عدیسابابا (حبشہ) آ گئے۔

اڑتالیسواں سفر حجاز (عمرہ و حج)

5 مئی 1992ء کو منگل کو عدیسابابا سے جدہ آیا۔رات جدہ رہا اور صبح مکہ معظّمہ پھر مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ اور پھر مدینہ طیبہ سے ریاض تین دن کے لئے گیا۔بہت اچھی صورت رہی۔16 جون 1992ء جدہ سے لاہور آ گیا۔

ہم سب کی بخشش کا سامان

11 اگست 1992ء منگل شام ساڑھے تین بجے بعد ظہر نواسہ زین الصادقین بن عزیزم مولوی محمد انور شاہ سَلَّمَہٗ پیدا ہوا۔اور 28 اگست 1992ء جمعہ صبح ساڑھے

چار بجے زین الصادقین کا انتقال ہو گیا اور ہم سب کی بخشش کا سامان بن گیا۔

اجتماع رائے ونڈ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد

15،14،13 نومبر 1992ء کو اجتماع رائے ونڈ ہوا۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد 10 نومبر کو ہوئی اور 19، 20 نومبر کو اسلام آباد ایک کام سے جانا ہوا۔

سفر دبئی اور ابوظہبی

22 مارچ 1994ء بروز منگل شام سات بجے لاہور سے دبئی روانہ ہوا اور بدھ صبح کو دبئی سے ابوظہبی چلا گیا۔ 23، 24 مارچ (بدھ جمعرات) ابوظہبی میں رہے۔ 25، 26 جمعہ، ہفتہ دبئی میں رہا 27 مارچ 1994ء بروز اتوار رات گیارہ بجے دبئی سے لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ پیر 28 مارچ صبح چار بجے اتر کر سیدھا رائے ونڈ مشورہ میں شامل ہو گیا۔

اجتماعات لندن

20 جون 1994ء کو کراچی سے براستہ قاہرہ لندن روانہ ہوئے۔ 20 جون گیارہ بجے صبح چل کر ساڑھے چار بجے بعد دوپہر قاہرہ پہنچے۔ 21 جون صبح دس بجے قاہرہ سے روانہ ہوئے۔ اور عصر لندن میں جا کر پڑھی۔ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ 22 جون 1994ء بروز بدھ کو لندن پہنچے۔ 27 جون 1994ء بعد نماز عصر ڈیوز بری میں یورپ کے مشورے ہوئے۔ اور تیونس، الجزائر، بیلجیئم والوں کے بھی مشورے ہوئے۔ اس کے بعد فرانس کے شیخ وسام صاحب نے ہم سے کہا ہم رائے ونڈ پرانوں کے جوڑ میں گئے تھے وہاں ہمیں کام کرنے کی یہ صورت سکھائی گئی کہ جماعت مسجد میں بیٹھے اور لوگوں کو مسجد میں بلا کر ان سے مذاکرات کئے جائیں۔ ہمیں اس کا فائدہ بھی ہوا لیکن شروع اس لئے نہیں کیا۔ کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے پوچھیں گے۔ اس لئے درخواست ہے کہ ہمیں بتایا جائے یہ ہم کام کیسے کریں اور کیا کریں۔ حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ العالی نے کہا کہ آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے اور حضرت جی مولانا انعام

الحسن صاحبؒ نے تمام ملکوں والوں کی موجودگی میں فرمایا کہ جس طرح پہلے کرتے رہے ہیں ویسے ہی کریں۔اور بلجئیم والوں کے لیے یہ طے فرمایا کہ بحمد اللہ موجودہ تین آدمیوں کا آپس میں جوڑ ہےاور یوسفی صاحب (عبدالقادر صاحب کے انتقال کے بعد) فیصل آباد میں چل رہے ہیں وہی فیصل رہیں گے۔اور تیونس والوں کے لیے فرمایا! کہ تیونس کے چار آدمی ہیں، ہماری شوریٰ میں ہیں۔لیکن جدید حالات میں شوریٰ اور غیر شوریٰ والے صرف اپنے قریب کی مسجد میں مقامی کام کی حدتک جتنا قوانین اجازت دیں اتنا کام کریں تا کہ قانون کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔اور دعوت کا کام بھی جاری رہے۔اور یہی صورت الجزائر میں بھی رکھی جائے اور جو ساتھی شب گزاری پر مامور ہیں ان کو انفرادی طور پر ملا جائے اور ان کو سمجھایا جائے کہ خلاف قانون ہرگز نہ کریں۔اور لبنان کا جوڑ صرف تین چلے اور چلہ لگانے والوں کا ہو۔اجتماع عام نہ ہو۔2 جولائی 1994ء کو حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ ایئر انڈیا میں لندن سے سیدھے انڈیا تشریف لے گئے۔اور ہماری 3 جولائی 1994ء بروز اتوار لندن سے براستہ قاہرہ کراچی واپسی ہوئی۔پیر 4 جولائی صبح کو الحمد للہ ساڑھے نو بجے کراچی پہنچے۔اور اگلے دن منگل کو صبح کراچی سے فیصل آباد آ گیا۔

مشورہ رائے ونڈ و جوڑ علماء اور زمیندار

8، 9، 10، 11 جنوری کو رائے ونڈ کا مشورہ ہوا۔ان چار دنوں میں ایک سو بیس کے قریب سال کی جماعتیں روانہ کیں۔18، 19 (منگل، بدھ) جنوری 1995ء کو رائے ونڈ میں زمینداروں کا جوڑ ہوا۔بدھ کو میرا بیان ہوا۔اور اس کے بعد میں گھر واپس آ گیا۔پھر جمعہ کو لاہور گیا۔12، 13 جنوری 1995ء لاہور کا اجتماع تھا۔اجتماع میں شرکت کے بعد رائیونڈ چلا گیا۔کیونکہ 22، 23، 24 جنوری کو رائے ونڈ میں علماء کا جوڑ تھا۔جوڑ میں شرکت کے بعد میں فیصل آباد آ گیا۔

اُنچاسواں سفر حجاز (عمرہ)

24مارچ 1995ء بروز منگل کو بمعہ اُمِّ یوسف بعد از نماز ظہر لاہور سے کراچی روانہ ہوئے۔اور شام کو نو بجے کراچی سے قطر روانہ ہوئے۔چار دن قطر میں رہے۔پھر 29مارچ کو قطر سے جدہ سب حضرات پہنچے۔اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ 29مارچ کو دہلی سے جدہ پہنچے۔اور 18اپریل ہفتہ کو مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔27اپریل تک مدینہ طیبہ میں قیام رہا۔27اپریل کو شیخ وسام صاحب کے ہاں سب کی دعوت ہوئی۔ مجھے ویزہ کی توسیع کے لئے 3مئی بروز بدھ صبح جدہ آنا پڑا۔پھر جدہ سے مکہ آ گیا۔6مئی 1995ء کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے مکہ معظّمہ کے لئے۔حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ جمعہ 19 مئی کو جدہ سے دوپہر کے وقت روانہ ہوئے۔اور ہمارا پی آئی اے کا جہاز رات دس بجے کراچی کیلئے روانہ ہوا۔اتوار 21 مئی کو کراچی سے فیصل آباد آ گیا۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دارِ فنا سے دارِ بقاء کا سفر

9جون 1995ء بروز جمعہ کو نہاتے وقت حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے انگوٹھے سے خون نکلنا شروع ہو گیا۔رات عشاء کے بعد سانس رکنے لگا۔ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب کو بلایا۔انہوں نے چیک اپ کیا تو پھیپھڑے پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ آکسیجن ختم ہو چکی تھی۔اس لئے جلدی حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو ہسپتال لے کر چلے لیکن راستہ میں انتقال ہو گیا۔إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا۔اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔

ہفتہ کی رات مجھے بڑے داماد عزیزم مفتی ضیاء الحق سَلَّمَهٗ نے ایک بجے گھر آ کر اٹھایا۔خبر دی کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو شدید دل کا دورہ ہو گیا ہے۔اور پھر خبر آئی کہ انتقال ہو گیا ہے۔عزیز سلامت صاحب نے رات ہی کو ہمارے جلد انڈیا پہنچنے کی سعی شروع کر دی۔تقریباً آٹھ بجے مجھے بواسطہ رائے ونڈ عزیز سلامت

صاحب نے اطلاع دی۔ کہ حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ اور آپ کا ویزہ مل گیا ہے جو دہلی ائیر پورٹ پر لگ جائے گا۔ میں لاہور گیا اور پی آئی اے میں حاجی عبدالوہاب صاحب اور میں دہلی چار بجے شام پہنچ گئے۔ جنازہ مغرب کے بعد ہوا۔ اور تدفین بھی مغرب کے بعد ہی ہوگئی۔

حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے بعد تبلیغی کام چلانے والی شوریٰ

پیر 12 جون 1995ء ظہر سے پہلے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی بنائی ہوئی شوریٰ میں طے ہوا۔ کہ فی الحال یہ تینوں یعنی مولانا اظہار الحسن صاحب اور مولانا زبیر الحسن صاحب اور مولانا محمد سعد صاحب اس سارے کام کو لے کر چلیں گے۔ اس فیصلہ کا اعلان منگل 31 جون 1995ء کو تقریباً گیارہ بجے دوپہر موجود مجمع میں امیر مجلس میاں جی محراب مدظلہ نے فرمایا۔

چونکہ ہمیں 72 گھنٹے کا ویزہ ملا تھا 13 جون 1995ء کو ہمارے 72 گھنٹے والے ویزے میں 2 جون تک اضافہ ہو گیا۔ 18 جون بروز اتوار کو ہمیں واپس آنے کی حضرات سے بمشکل اجازت ملی۔ پیر 19 جون کو دہلی سے لاہور کے لئے جہاز نہ تھا۔ اور میانوالی اجتماع پر پہنچنے کا تقاضہ تھا۔ اس لئے دہلی سے کراچی مغرب کے قریب پہنچے۔ آگے دوسرا جہاز فیصل آباد کے لئے تیار تھا۔ اس جہاز کی سیٹوں کے لئے پہلے کہا ہوا تھا۔ اس میں بیٹھ کر عشاء کے وقت میں اور حاجی عبدالوہاب صاحب فیصل آباد آ گئے۔

مقامی اجتماعات

20 جون 1995ء کو اجتماع میانوالی کے لئے روانہ ہو گئے۔ اجتماع میانوالی 20، 21 جون 1995ء بروز منگل، بدھ کو ہوا۔ 30 جون، یکم جولائی بروز جمعہ، ہفتہ اجتماع ٹوبہ ٹیک سنگھ ہوا۔ 28، 29، 30 جولائی 1995ء مشورہ رائے ونڈ ہوا۔ 25، 26، 27، اگست 1995ء مشورہ رائے ونڈ ہوا۔ یکم، 2 دسمبر کو اجتماع چترال ہوا۔ 8، 9 کو اجتماع بورے والا ہوا۔ 4 سے 8 اکتوبر کو کراچی کا اجتماع ہوا۔ تمام اجتماعات میں شریک ہوئے۔ اتوار 8 اکتوبر کو کراچی سے لاہور واپسی

ہوئی۔ شام کو لاہور سے فیصل آباد آ گیا۔

اجتماعات قطر، دبئی، امارات

12 اکتوبر 1995ء بروز جمعرات لاہور سے دبئی روانہ ہوا۔ جمعرات، جمعہ دبئی میں رہا۔ ہفتہ، اتوار، پیر العین میں گزارا۔ منگل راس الخیمہ میں رہ کر بدھ صبح قطر چلا گیا۔ 23 اکتوبر صبح دس بجے قطر سے کراچی آ گیا۔ شام سات بجے کراچی سے فیصل آباد آ گیا۔

اجتماع رائے ونڈ

13، 14، 15، 16 نومبر 1995ء بروز پیر، منگل، بدھ، جمعرات مشورہ رائے ونڈ شروع ہوا۔ 15 نومبر بدھ کو دہلی سے مہمانوں کی آمد شروع ہوئی جو ریل گاڑی سے جمعرات کو پہنچے۔ 16 نومبر جمعرات کو ہوائی جہاز سے بھی مہمان آئے۔ 17، 18، 19 نومبر 1995ء کو اجتماع رائے ونڈ ہوا۔ 19 نومبر بروز اتوار اجتماع کی دعا میاں جی محراب صاحب مدظلہ العالی نے کی۔ دعا سے پہلے نہایت ہی مناسب بات بھی ہوئی۔ پیر 20 نومبر کو میدان سے رائے ونڈ والے گھر میں آ گئے۔ پیر، منگل مشورے ہوئے۔ بدھ کو ''للیانی'' میں میواتی اجتماع ہوا۔ جمعرات 23 نومبر 1995ء کو تین بجے دوپہر جہاز سے آئے ہوئے مہمان روانہ ہوئے۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار 1995ء مشورہ رائے ونڈ ہوا۔ 26 نومبر اتوار دوپہر کو فیصل آباد آ گیا۔ پیر 27 نومبر سے 4 دسمبر 1995ء تک گھر میں رہا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے طواف کے بارے میں ارشادات عارفانہ انداز میں

حضرت مفتی صاحبؒ کے عارفانہ انداز میں احرام، طواف اور سعی سیکھئے

☆احرام سب کاموں سے فارغ ہو کر یکسوئی سے باندھنا چاہیے۔

☆احرام کے غسل کو اپنے آخری غسل موت کی طرح سوچ کر خوب استغفار و توبہ کرے۔

☆احرام باندھتے وقت اپنے کفن پہننے اور دنیا سے آخرت کی طرف روانگی کو یاد کرے۔

☆احرام کی دو رکعتوں کو زندگی کی آخری نماز خیال کر کے پوری توجہ الی اللہ اور سکون سے پڑھے۔

☆احرام کی نیت اور تلبیہ اسی دھیان سے پڑھے کہ میں اللہ جل جلالہ کے سامنے پیش ہو رہا ہوں اور مجھے اپنی پوری عمر اور مال کا حساب پیش کرنا ہے۔ اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْك لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَك لَبَّیْکَ إِنَّ الْحَمْدَوَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ۔ ایسے یقین سے پڑھے کہ سچا کہلا سکے۔ اے اللہ میں حاضر ہوں یعنی جان سے بھی حاضر ہوں اور مال سے بھی حاضر ہوں۔ اور آدمی واقعی ہی جان و مال سے حاضر ہو۔ اور دل میں یہ طے کر لے کہ اس جان و مال کو جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے پیش کر رہا

ہوں اسے ساری زندگی صرف حکم الٰہی کے مطابق استعمال کروں گا۔ اور ساتھ ہی اب تک جتنا غیر حاضر رہا اس کی رَو، رو کر معافی مانگے اور پختہ عزم کرے کہ اب موت تک غیر حاضر نہیں ہوں گا۔ اسی کا نام کامل توبہ ہے۔

☆ اور لبیک سے شروع سے لے کر حجرِ اَسود پر پہنچنے تک مسلسل لبیک میں رہے اور سچی پکی توبہ کرکے (حجرِ اَسود، اللہ جل جلالہ کا ہاتھ ہے) اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں دونوں ہاتھ دے کر اور اس کا بوسہ دے کر اللہ جل جلالہ سے بیعت اور پختہ عہد کرے اور پھر اللہ جل جلالہ سے دنیا و آخرت کا سب کچھ لینے کے لئے مانگتے ہوئے سائلوں کی طرح روئے اور اس کے گھر (بَیتُ اللّٰہ) کے چاروں طرف سات چکر لگائے۔ (تنبیہ) لیکن موجودہ زمانے میں احرام کی حالت میں حجرِ اسود کو نہ چھوئے نہ بوسہ دے اس لئے کہ اکثر اوقات حجرِ اسود اور اس کا خول معطّر ہوتا ہے۔

پہلا چکر ☆ استغفار سے......اے اللہ! میں سر سے پیر تک گندا ہو گیا ہوں مجھے پاک کر دے۔

دوسرا چکر ☆ سبحان اللہ سے......اے اللہ! تو پاک ہے مجھے پاک فرما دے۔

تیسرا چکر ☆ الحمد للہ سے......نعمتوں پر دل سے تشکر۔

چوتھا چکر ☆ لا الٰہ الا اللہ سے......اے اللہ! زندگی بھی کلمے والی اور موت بھی کلمے والی عطا فرما۔

پانچواں چکر ☆ اللہ اکبر سے......اللہ جل جلالہ کی بڑائی اور اپنا بے حیثیت ہونا۔

چھٹا چکر ☆ آیتِ کریمۃ سے......اے اللہ! جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو معاف کر کے ان کی دعائیں قبول کیں۔ ہماری بھی قبول فرما۔

ساتواں چکر ☆ درود شریف......درود ابراہیمی کے ساتھ اور آہستہ آہستہ دعاؤں کے ساتھ۔

(نوٹ) سعی بھی انہی سات اذکار کے ساتھ کرے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اعتکاف

(از محترم ماسٹر ریاض احمد صاحب)

بندہ اللہ تعالی کی توفیق سے 1963ء میں حضرت مفتی صاحبؒ سے بیعت ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؒ بیعت ہونے والوں کو حسبِ حال چاروں سلسلوں کے اذکار میں سے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ حضرت کی شفقت تھی کہ اس ناکارہ کو بھی اعتکاف میں ساتھ ٹھہرنے کی اجازت آخری اعتکاف تک رہی۔ بندہ کے ناقص علم وفہم کی کوتاہ نظری نے حضرت کے لیل ونہار کو جو دیکھا وہ یوں عرض ہے۔

اعتکاف کے معمولات

حضرت نے اِتباعِ رسول اکرم ﷺ میں سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے پورے رمضان المبارک کا بھی اعتکاف فرمایا اور بیس روز کا بھی اعتکاف فرمایا اور آخری عشرے کے اعتکاف کا معمول ہمیشہ رہا۔

رات کے اعمال

حضرت مفتی صاحب کا نمازِ تراویح میں پورے قرآن مجید کو بڑے اہتمام سے عظمتِ الٰہی کے ساتھ سننے کا معمول تھا۔ نمازِ تراویح، اذکار اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر کے

لئے دوست احباب کے ساتھ ملاقات کی مجلس ہوتی اور حسبِ حال اور حسبِ موسم پھل سے اکرام بھی فرماتے۔ بعد ازاں رات کے دوسرے معمولات شروع ہو جاتے۔ تلاوتِ قرآن مجیداور مطالعہ اطمینان، سکون اور وقار کے ساتھ، نوافل جس میں سجدہ طویل، ذکر، دعا، مراقبہ میں مشغولیت کبھی دعا میں آہ وزاری اور بعض دفعہ رِقّت آمیز خاموشی کے ساتھ آنسوؤں کا بہنا ایسا کہ پاس والوں کو خبر تک نہ ہو۔ تاہم کبھی کبھی بعض خدام کو پتہ چل جاتا۔ یہ معمولات صرف رات ہی کے نہ تھے بلکہ پورا دن انہی اعمال میں اسی طرح گزرتا تھا۔ جس کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔ حسبِ ضرورت حسبِ موسم آرام بھی فرماتے تھے۔ اور تقریباً آخری وقت میں سحری تناول فرماتے اور نمازِ فجر کی تیاری فرماتے۔

دن کے معمولات

جامع مسجد کلاں کچہری بازار میں نماز فجر کے بعد تقریباً پندرہ بیس منٹ درسِ قرآن مجیداور درسِ حدیث کا معمول بھی رہا۔ بعد ازاں تسبیحات وانفرادی معمولات اور حسبِ ضرورت آرام اور تقریباً 9 ساڑھے 9 بجے ضروری تقاضوں سے فراغت کے بعد باوضو ہو کر چاشت کے نوافل پھر تلاوتِ قرآن مجیداور مطالعہ کا توجہ تام کے ساتھ ایسا انہاک کہ دنیا ومافیہا سے بے خبر و بے تعلق ہیں اور محویت کا عالم طاری ہے۔ اسی وقت میں حضرت کے فرمان کے مطابق اجتماعی ذکر کا حلقہ بھی اہتمام سے ہوتا تھا۔ جس میں حضرت کے مریدین اور شہر سے دیگر احباب بھی شرکت فرماتے تھے۔ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد حضرتؒ کی خدمتِ عالیہ میں بطور استفادہ احباب سکون و اطمینان سے حاضرِ خدمت رہتے اگر کسی نے کوئی معمول پوچھنا ہوتا یا کوئی بات عرض کرنی ہوتی یا بیعت ہونا ہوتا تو حضرت کے کچھ قریب ہو کر مؤدب بیٹھ جاتے اور باری باری حضرتؒ کے توجہ فرمانے پر اپنی بات عرض کرتے۔ بعد ازاں عمومی تعلیم کے حلقہ میں احباب شرکت فرماتے تھے۔

بعض اوقات حضرتؒ کی خدمت میں بھی خصوصی تعلیم کا حلقہ ہوتا۔ جس میں کبھی امداد السلوک اور اِکمال الشِّیَم سے اور کبھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں سے کچھ پڑھنے اور سننے کا معمول ہوتا اس وقت حضرت پر عظمتِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کا ایک خاص اثر محسوس ہوتا اور کامل توجہ کے ساتھ محویت کا یہ عالم ہوتا

کہ پرندہ بیٹھ کر اڑ جائے تو حالت میں کچھ فرق نہ آئے۔اور حضرت کی برکت سے بسا اوقات اس خاص حلقۂ تعلیم میں بیٹھنے والوں پر بھی توجہ الی اللہ،عظمتِ الٰہی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور علم و ذکر کے انوارات محسوس ہونے لگتے۔اس طرح حضرت کی مجلس میں سب شرکاء اپنے اپنے حسبِ حال روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے۔اس ذکرو تعلیم کی مجلس کے بعد حضرت آمدہ خطوط دیکھتے اور جواب لکھتے۔اس کے ساتھ فتویٰ نویسی کا بھی معمول تھا۔اور ملاقات کے لئے آنے والے احباب سے ملاقات بھی فرماتے۔

زیارت وملاقات اور مشورہ کے لئے آنے والے احباب

اعتکاف کے ایام میں شہر فیصل آباد اور ملک بھر سے مشائخ عظام،علماءِ کرام زیارت وملاقات علمی و دینی مسائل کی رہبری و رہنمائی کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔خواص وعوام اور ملکی حکام بھی درپیش مسائل میں مفید مشورے کے لئے وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے۔اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت مفتی صاحب کو علم وفہم، حکمت و دانائی اور مردم شناسی وموقع شناسی ایسی عطا فرمائی ہوئی تھی کہ ہر ملنے والا مطمئن اور خوش ہو کر جاتا تھا اور مفید رہبری پاتا تھا۔رائے ونڈ سے حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم اور دیگر حضرات بھی تشریف لاتے،نیز بین الاقوامی سطح پر تبلیغی جماعت میں آئی ہوئی اہم شخصیات کا بھی ملنے کا اہتمام ہوتا تھا آپ ملنے والوں کا حسبِ مراتب استقبال واکرام اور اعزاز بھی فرماتے۔حضرت مفتی صاحب کے دل ودماغ میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمت و بڑائی ایسی پیوست تھی کہ مالداروں کے مال سے اور حکام سے مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ آپ کے علم وفہم،زہد وتقویٰ،دعوتِ حق سے متاثر ہوتے اور زندگی بھر احکاماتِ الٰہیہ اور سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنے کا عزم کر کے جاتے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مناجات اور دعا کا منظر

نمازِ عصر کے بعد مغرب تک پورے انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی عاجزی اور محتاجی کے ساتھ دعا اور مناجات میں مصروف رہتے کہ دیکھنے والے بھی اپنی حسبِ استعداد متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکتے تھے۔ افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، دعا عبادت کا مغز ہے ان ارشادتِ عالیہ کے سیکھنے والوں کے لئے علمی اور عملی طور پر بہترین موقع اور نمونہ تھا۔ اور سیکھنے والوں کے لئے یہ خاموش سیکھنے کا منظر تھا۔ خاموشی ایسی کہ نہ آنے جانے والوں کی آہٹ، نہ افطاری کے برتن رکھنے کی کھڑکھڑاہٹ، اور نہ کسی اور طرح کی آواز سننے میں آتی تھی۔ بس مراقبہ، مناجات اور دعا کی محویت میں رِقّت آمیز خاموش آنسوؤں کا سلسلہ عموماً افطار تک جاری رہتا۔ نیز مناجات اور دعا کا یہی معمول رات کو سحری کے کھانے سے قبل بھی اہتمام سے ہوتا تھا۔

افطاری کا منظر

افطاری میں مدینہ طیبہ کی کھجور اور ماءِ زمزم نوش کرنے کا ہمیشہ معمول تھا اور دسترخوان پر شامل رفقاء کو بھی بڑے اہتمام سے حسبِ مراتب کھجور اور زمزم اپنے ہاتھ سے عنایت فرماتے۔ اور یہ حضرت کے ساتھ افطاری کا سماں بھی پُرکشش، دل بہار اور روح پرور ہوتا تھا۔ اور نمازِ مغرب کے بعد سنتِ نبوی کے مطابق نوافل اوّابین اطمینان کے ساتھ ادا فرماتے۔ اس سے فارغ ہوکر حسبِ ضرورت کھانا تناول فرماتے۔ سحری وافطاری کا کھانا حضرت کے گھر سے صاحبزادے ایسے اہتمام سے لاتے کہ ذرا تاخیر نہ ہو۔ اور حضرت سحری وافطاری میں گھر سے آئے ہوئے کھانے کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ اور اس کھانے میں برکت اتنی ہوتی تھی کہ اکثر خدام کا بھی اسی میں گزارہ ہو جاتا تھا۔ سخت سردی میں تو حضرت کی طرف سے تاکید ہوتی کہ افطاری ہی میں سحری کا کھانا منگوالیا جائے۔ تو سحری کے وقت اسی کھانے کو سلنڈر پر گرم کر کے پیش کر دیا جاتا تھا۔

عیدالفطر کا چانداور اس کی تحقیق

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دورانِ اعتکاف رمضان کے آخری دن اور شام کو ملک

بھر میں چاند دیکھنے کے لئے مقررہ احباب اور رؤیت ہلال کمیٹی سے بذریعہ ٹیلی فون رابطے کا اہتمام فرماتے۔ الحمدللہ شہر اور ملک بھر میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چاند کے بارے میں تحقیق اور فیصلے پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ مختلف مکتبۂ فکر کے علماء کرام کا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر اور ان کی تحقیق پر پورا بھروسہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مختلف شہروں میں چاند کی گواہیوں اور شہادتوں کے لئے موزوں احباب مقرر تھے جو حضرت سے باقاعدہ ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ رکھتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز

حدیث میں ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے۔ نمازی آدمی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ اور ارشادِ عالی ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔۔۔

حضرت کی نماز بلا مبالغہ ان ارشاداتِ عالیہ کے مطابق تھی۔ جس کی وجہ سے قیام، رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ اور قعدہ سب ارکان نہایت سکون و اطمینان، خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کے ایسے حسین انداز کے ساتھ ادا ہوتے کہ دیکھنے والے کا جی چاہتا کہ وہ حضرت کی نماز کو دیکھتا رہے۔

المختصر بندہ تو خود نماز سیکھ رہا ہے۔ تو یہ سیکھنے والا حضرتؒ کی نماز کے متعلق کیا لکھ سکتا ہے۔ ہاں نماز کو ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ خشوع خضوع سے سیکھ کر ادا کرنا ہم سب کی اہم ضرورت ہے۔ اس لئے اس کا سیکھنا بھی ضروری ہے تا کہ نماز کے ذریعے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا اعلیٰ تقرب حاصل ہو۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی مانگی جائے اور پوری اُمتِ مسلمہ کو اس کی دعوت بھی دی جائے تا کہ ایسے سو فیصد نمازی بنیں۔

دورانِ اعتکاف سبق آموز واقعات

(1) ایک روز افطاری کے کھانے کے بعد حضرت کی بچی ہوئی چائے خدام دوسرے کمرہ میں پی

رہے تھے تو ایک نئے ساتھی نے چائے کے کپ میں چینی حل کرنے کے لئے چمچ ہلائی تو کپ کے کناروں سے چمچ کے ٹکرانے کی ہلکی سے آواز پیدا ہوئی۔ بندہ کو حضرت نے بلایا اور فرمایا کہ کوئی نیا خادم آ گیا ہے۔ گویا اشارہ تھا کہ بلا ضرورت اتنی آواز کا آنا بھی غیر مناسب اور غیر موزوں ہے۔ کیونکہ حضرت کے ہاں چیزوں کو رکھنے، اُٹھانے اور استعمال کرتے ہوئے خواہ مخواہ آوازوں کا پیدا ہونا ذرا بھی پسند نہ تھا۔ آپس میں بات چیت بھی اتنی آواز سے کی جاتی جتنی ضرورت ہوتی۔ گویا سبق تھا کہ آواز بھی دل آزاری کا سبب بن جاتی ہے، اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔ عجیب سکون و اطمینان کی فضا شب و روز ہوتی تھی۔ خود حضرت کی نقل و حرکت بھی ایسی محتاط تھی کہ تقویٰ کا عملی سبق سیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کا دوسرا واقعہ ہے۔

(2) ایک دفعہ بندہ صبح 9 بجے کے قریب اس چٹائی پر کروٹ لئے ہوئے لیٹا تھا جس پر سے حضرت گزر کر ضروریات کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت آرام کر کے اٹھے اور میرے پاس سے گزر گئے مجھے معلوم تک نہ ہوا پاؤں کی آہٹ آئی نہ کوئی اور آواز۔ مسجد کا دروازہ کھول کر ضروری حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور دروازہ بند فرما دیا۔ فارغ ہو کر جب واپس تشریف لائے اور دروازہ کھولا روشنی اندر آئی تو میری آنکھیں تو کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ غور سے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب ہیں اور اندر تشریف لا رہے ہیں۔ اب اللہ ہی جانے کس وقت حضرت میرے پاس سے گزرے ہوں گے مجھے معلوم تک نہ ہوا۔ اور نہ ہی مجھے خدمت کے لئے آواز دی۔ حالانکہ میں خدمت کے ارادہ ہی سے یہاں انتظار میں تھا۔ اس میں ایک طرف تو بندہ کی نا اہلی ظاہر ہے۔ دوسری طرف حضرت کا عمل کہ اپنی ضرورت میں کسی کو اٹھانا تو کیا گزرنے اور چلنے میں اتنی آہستگی کہ کسی کے آرام میں خلل نہ ہو، گویا سیکھنے والوں کے لئے حسنِ معاشرت میں اعلیٰ درجہ کا عملی سبق تھا۔ حضرت کی یہ

کوئی تصنّع کی بات نہ تھی بلکہ عام معمول ایسا ہی تھا۔

(3) ایک دفعہ دورانِ اعتکاف جمعہ کا دن سردی کا موسم تھا۔ بندہ نے گرم پانی کی آدھی بالٹی مقررہ جگہ پر حضرت کے لئے سر وغیرہ دھونے کے لئے رکھی۔ حضرت کے فارغ ہونے کے بعد دیکھا تو دو لوٹے پانی بچا ہوا تھا۔ حالانکہ بندہ کے ذہن میں پانی رکھتے ہوئے یہ تھا کہ پانی کی مقدار تو کم ہے۔ کیونکہ جلدی میں پانی تھوڑی ہی مقدار میں گرم ہوسکا تھا۔ فکر تھی کہ اور ضرورت پیش آئے گی۔ مگر نہیں۔ حضرت کے فارغ ہونے کے بعد بالٹی میں جب یہ بچا ہوا پانی دیکھا تو رہبری پائی کہ پانی کے اسراف سے بھی بچو۔

(4) ایک روز بندہ نماز عصر کا وضو کروا رہا تھا۔ کہ پاؤں کو دھوتے ہوئے بندہ کو سمجھنے میں غلطی لگی۔ کہ پانی نہ ڈالنے کے اشارے کو پانی ڈالنے کا اشارہ سمجھا۔ تو تھوڑا پانی پاؤں پر ڈال دیا۔ اس پر بندہ کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور مخصوص انداز میں فرمایا (نظر نہیں آتا) یہ سبق تھا کہ عمل کرتے وقت ذہنی طور پر بھی پورا حاضر ہونا چاہیے۔ کام کو احتیاط اور محتاط انداز سے کرنا سیکھو۔ شیخ کی منشاء کو سمجھو اور اس سمجھنے میں غلطی نہ کرو۔

(5) آخر میں ایک عجیب سبق آموز واقعہ درج کرتا ہوں کہ آپ حلیم صفت بھی تھے، عفو اور درگزر کرنے میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

1970ء 29 رمضان المبارک کو صبح چاشت کے وقت آپ وضو فرما رہے تھے کہ ایک سفاک شخص نے آپ پر گردن کا مسح کرتے ہوئے تیز چھری سے قاتلانہ حملہ کیا۔ مگر حضرت کے گردن کے مسح کرنے کی برکت سے وار انگلیوں پر ہی رہ گیا اور گردن خراش تک سے محفوظ رہ گئی اور پھر اس نے دوسرا وار سامنے کی طرف سے کیا جس سے داڑھی کا کچھ حصہ بھی کٹا الحمد للہ چہرہ بچ گیا اور سینے پر معمولی خراش آئی۔ حملہ آور چھری پھینک کر بھاگ گیا۔ اس وقت ایک خادم پاس تھا جو کہ

اس کو پکڑنے کے لئے پیچھے بھاگا۔اور بندہ اس وقت مسجد کی دوسری جانب کچھ فاصلے پر حضرت کی آرام گاہ پر موجود تھا۔ بندہ بھی حضرت کے قریب پہنچا۔مسجد میں عجیب پریشانی کا حال تھا۔حضرت کا خون بہہ رہا تھا حضرت کو چارپائی پر لٹایا گیا معالجین نے فی الفور زخموں کی مرہم پٹی اور دوا، دارو کیا۔ بدستور شدید تکلیف اور زخمی حالت میں بھی نہ روزہ افطار کیا اور نہ اعتکاف چھوڑا۔شہر اور اطراف میں بڑی تیزی سے آپ پر قاتلانہ حملہ کی خبر پھیل گئی۔شہر کے عوام وخواص، علماءِ کرام ،صحافی اور اصحابِ اقتدار تک انتقامی جذبہ میں بھرے ہوئے تھے۔اور حملہ آور کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔مگر آپ نے اس وقت بڑی بُردباری سے فرمایا کہ میں نے اس کو اللہ کے لئے معاف کردیا۔یہ جان لیوا قاتلانہ حملہ اور اس قاتل کو معاف کرنا ایک بہت حیران کن اور عفو اور درگزر کا سبق آموز واقعہ ہے۔ دورانِ اعتکاف چند احباب خدمت عالیہ میں حضرت کی اجازت سے ٹھہرتے تھے۔ خصوصاً حضرت مولانا غلام مصطفےٰ صاحب، ماسٹر محمد صادق صاحب، بندہ اور دیگر مقامی وبیرونی احباب اور آخری سالوں میں بھائی طاہر سعید صاحب، حافظ اختر حسین صاحب بھی شامل رہے ،اس طرح خدام کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔خدمت کے تمام امور باہم مشورہ سے طے تھے۔

الحمدللہ ہر سال بلا ناغہ حضرت کا یہ روحانی فیوض و برکات والا اعتکاف کا معمول جاری رہا۔ہمیں سال بھر آخری عشرۂ اعتکاف کا انتظار بڑی شدت سے رہتا تھا۔حتیٰ کہ علالت کے آخری سال میں معالجین نے حضرت کو اعتکاف نہ کرنے کی گزارش کی۔تو حضرت نے ہمیں اعتکاف کا معمول قائم رکھنے کو فرمایا اور فرمایا کہ میں بھی تمہارے پاس آتا رہوں گا۔چنانچہ یہ اعتکاف اس طرح گزر گیا۔تشنگی باقی رہی۔حسرت باقی ہے اللہ اللہ اللہ............الحمدللہ ثم الحمدللہ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت کے اس ارشاد کے مطابق کہ (تم اعتکاف کرو) بندہ کا یہ معمول اب بھی جاری ہے۔

یا رب کریم تو نے کرم فرمایا
بندہ تو اس قابل نہ تھا
اپنے نیک بندوں میں بٹھایا
بندہ تو اس قابل نہ تھا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے درجات میں ترقیات نصیب فرماویں، اور اجرِ عظیم سے نوازیں۔ اور ہمیں ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ............

بندۂ ناکارہ

ریاض احمد عفی عنہ فیصل آباد

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے بعض اہم واقعات اور فرمودات

(از مولانا غلام مصطفیٰ صاحب)

خلیفۂ مجاز حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ آبدیدہ ہو گئے

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحبؒ دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم کے اساتذہ کو چائے کے لئے مدعو کیا۔ اس چائے نوشی کی مجلس میں حضرت نے اساتذہ سے آپس کے جوڑ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ حدیث شریف ہے ''تَهَادُوْا تَحَابُّوْا'' یعنی آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تمہارے اندر آپس میں محبت پیدا ہوگی۔ اور ساتھ فرمایا کہ ہدیہ دیتے وقت تھوڑے بہت کے خیال میں نہیں پڑے رہنا چاہیے۔ بلکہ جس کے پاس جو جتنی چیز ہو وہ دوسرے کو ہدیہ دے دیا کرے۔ پھر حضرتؒ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں جب کندیاں شریف ضلع میانوالی میں رہتا تھا اور اس وقت بڑے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ حیات تھے۔ اس

وقت بڑے حضرت کے ایک خاص خادم تھے جو حاجی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ وہ میرے پاس کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حاجی صاحب میرے پاس سے گزرنے لگے تو میں نے کہا کہ حاجی صاحب آئیں تشریف رکھیں۔ مگر حاجی صاحب نے کہا کہ نہیں مجھے جلدی ہے بڑے حضرت نے مجھے بلایا ہے میں نے کہا آپ ذرا سا ٹھہریں وہ ٹھہر گئے۔ اس وقت میرے پاس مدینہ طیبہ کی دو کھجوریں تھیں وہ اندر سے لا کر ان کو دیتے ہوئے عرض کیا کہ حاجی صاحب! یہ تھوڑا سا ہدیہ قبول کرلیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ ان حاجی صاحب نے فرمایا مفتی صاحب! آپ نے ان کو تھوڑا کیسے کہہ دیا۔ میرا تو ایمان ہے کہ جو مسلمان ان کو محبت کی نگاہ سے دیکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں گے۔ حضرت مفتی صاحبؒ حاجی صاحب کا مقولہ نقل کرتے ہوئے آبدیدہ ہوگئے اور کچھ دیر اسی حالت میں خاموش رہ کر پھر آگے گفتگو فرمائی۔

مدینہ طیبہ کی کھجوروں سے محبت اور آپ کی کرامت کا واقعہ

دورانِ اعتکاف ایک روز افطاری کے وقت جبکہ حضرت مفتی صاحبؒ قبلہ رُو ہو کر حزب الاعظم پڑھ رہے تھے اور دعا میں مشغول تھے۔ بندہ افطاری کے لئے دسترخوان بچھا کر افطاری کے سامان کی ترتیب کرنے لگا۔ تو دیکھا کہ چھوٹے حجرہ جس میں سارا سامان ہوتا تھا وہاں مدینہ طیبہ کی کھجوریں بالکل ختم تھیں۔ میں نے خوب تلاش کیا مگر مجھے کوئی کھجور نہ ملی۔ میں نے حضرتؒ کے پاس آ کر عرض کیا کہ حضرت! مدینہ طیبہ کی کھجوریں تو ختم ہوگئی ہیں، کوئی بھی کھجور نہیں ہے۔ حضرت نے بندہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میرا تو عرصہ سے مدینہ طیبہ کی کھجور سے افطاری کرنے کا معمول تھا۔ اور یہ کہہ کر پھر حزب الاعظم پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔

اللہ کی شان بندہ جب دوبارہ حجرہ میں داخل ہوا تو سامنے ایک کھجور پڑی مل گئی۔ بندہ نے پھر فوراً حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! ایک کھجور مل گئی ہے۔ حضرت نے بندہ کی طرف متوجہ ہو کر خوش ہو کر فرمایا کہ اللہ تمہارا بھلا کرے۔ کئی سالوں سے بندہ کے مشاہدہ میں بھی یہ بات تھی کہ حضرتؒ پہلے افطاری میں مدینہ طیبہ کی کھجور تناول فرماتے اور پھر آب زمزم نوش فرماتے پھر کوئی اور چیز کھاتے۔

ڈی سی صاحب لائل پور (فیصل آباد) کا واقعہ اور افطاری کا منظر

غالباً ڈی سی صاحب لائل پور (فیصل آباد) یا شاید اسی سطح کے کوئی اور حکومتی افسر عصر کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں ملاقات اور زیارت کے لئے آئے۔ اور کچھ دیر حضرت سے بات چیت کے بعد جانے لگے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ آج آپ ہمارے ساتھ افطاری کریں۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شکریہ اور ساتھ ہی جانے لگے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ ٹھیک ہے افطاری میں آپ کے پاس بہت کچھ ہوگا۔ مگر جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ آپ کے پاس نہیں ہے۔ وہ صاحب ٹھہر گئے اور حضرت کے ساتھ افطاری کی۔ افطاری میں جب انہوں نے یہ منظر دیکھا کہ حضرت اور دیگر خدام وغیرہ سب شرکاء نے پہلے مدنیہ طیبہ کی کھجور کھائی اور پھر شیشے کے چھوٹے چھوٹے کپ میں زمزم پیا۔ تو وہ صاحب حیران ہو کر کہنے لگے کہ مفتی صاحب! واقعی یہ چیزیں میرے پاس نہیں ہیں۔ راقم عرض کرتا ہے کہ یہ کوئی آج سے تقریباً 45 سال پہلے کا واقعہ ہے۔

رمضان المبارک کو نیک اعمال کے ساتھ قیمتی بنانا

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک کے شب و روز کو نماز، تلاوت قرآن مجید، دعا اور ذکر وفکر وغیرہ اعمالِ صالحہ کے ساتھ قیمتی بنانے کی گاہے بگاہے سب کو اور خاص کر مسجد میں اعتکاف والے شرکاء حضرات کو بھی تلقین فرماتے۔ اور بالخصوص رمضان المبارک کی آخری طاق راتوں میں اس کے اہتمام کی طرف توجہ فرماتے رہتے۔ اور خاص کر لیلۃ القدر کی تلاش کی کوشش کے لئے

فرماتے۔ چنانچہ ستائیسویں رات کو جب بعض حضرات اصرار کرتے کہ حضرت آپ کچھ بیان فرما دیں۔تو فرماتے کہ بھئی میں کہتا ہوں کہ یہ راتیں باتوں کی نہیں بلکہ کچھ کام کرنے کی ہیں۔مگر بعض ساتھی کہتے ہیں کہ مفتی صاحب آپ بیان فرمادیں۔

حضرتؒ کا سارا رمضان شب و روز یادِ الٰہی والے قیمتی اعمال میں مصروفیت کے ساتھ دیکھنے والا ہوتا تھا۔آپ کا ہر عمل جاذب نظر ہوتا کہ دیکھنے والے کو بھی اس سے شوق و ذوق کا سبق ملتا۔ چناچہ ایک دفعہ رات کو بندہ حضرتؒ کے عشاء کے بعد کے تمام معمولات سے فراغت کے بعد حضرت کا بستر بچھا کر اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ حضرتؒ اب استراحت کے لئے لیٹ جائیں اور میں حضرت کے ہاتھ، پاؤں، کمر کو دبا دوں۔مگر تھوڑی دیر خاموشی کے بعد حضرت نے بندہ سے فرمایا کہ بس بیٹا تم نے مجھے دبا لیا اور اب تم جاؤ کچھ اپنا کام کرو۔ بندہ وہاں سے اٹھ کر پسِ پردہ قریب ہی رہا۔ بندہ نے دیکھا کہ حضرتؒ نے کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔نماز سے فارغ ہو کر حضرتؒ دعا میں مشغول ہو گئے۔حضرتؒ کافی دیر تک آہستہ آہستہ آواز سے بلک بلک کر روتے ہوئے دعا کرتے رہے اور آنسو بہاتے رہے۔ بندہ نے اپنے بعض ساتھیوں سے اس منظر کا ذکر کیا۔جس پر ہم نے حضرت کی اس حالت پر قیاس کرتے ہوئے آپس میں کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات لیلۃ القدر کی رات ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے طفیل ہمیں بھی اپنی حقیقی یاد اور نیک اعمال کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔

رمضان المبارک میں اعتکاف والی سنت کا اہتمام احیاءِ سنت کا ذریعہ بن گیا

حضرت مفتی صاحبؒ کی جب بحیثیت خطیب لائل پور (فیصل آباد) میں تقرری ہوئی۔تو اس وقت جامع مسجد کلاں کچہری بازار کی رمضان المبارک میں یہ صورتِ حال تھی کہ رمضان کے آخری عشرہ میں جامع مسجد میں تمام ایریا کے مسلمانوں کے لئے بطور سنتِ کفایہ کے صرف ایک مسجد کے خادم پٹھان بابا جی کو اعتکاف میں بٹھایا جاتا تھا۔حضرت مفتی صاحب نے شروع سے لے کر تا حیات خود بلا ناغہ مسلسل ہر سال اعتکاف کا اہتمام فرمایا۔آپ کے اس اتباعِ سنت کے اہتمام کا اثر دوسرے لوگوں پر بھی اس طرح ہوا کہ آپ کے ہمراہ دوسرے لوگ بھی ذوق وشوق سے

اعتکاف کرنے لگے۔ چند سالوں میں ہی اعتکاف کرنے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی چلی گئی حتی کہ مسجد کے ہال میں اگلی صف پر ہو کر مسجد کے دائیں بائیں والے برآمدوں میں لوگ اعتکاف کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے ہمراہ اعتکاف کرنے والوں کی کم و بیش تعداد تقریباً ساٹھ ستر افراد تک ہوگئی۔ جن کو آج کل بعض مساجد کی طرح پیسے جمع کروا کر پکا پکایا کھانا نہیں ملتا تھا اور نہ ہی کوئی اور سہولت میسر تھی۔ بلکہ ہر ایک اعتکاف کرنے والے کا کھانا اس کے گھر سے اس کے گھر والے قرب و دور سے سحری و افطاری میں بڑے مجاہدے کے ساتھ مگر بڑے ذوق و شوق سے خود لاتے تھے۔ اس طرح حضرت مفتی صاحب کے اعتکاف والی سنت کے اہتمام سے اس سنت کا ایسا احیاء ہوا کہ گویا رمضان شریف میں جامع مسجد میں اعتکاف کا ایک پُر بہار منظر نظر آتا۔ اور آئندہ رمضان تک اس کی یاد تازہ رہتی۔ جس کی وجہ سے لوگوں کو آئندہ سال رمضان کے اعتکاف کا شدت سے انتظار رہتا۔ الحمدللہ حضرت کا یہ خیر والا جاری کیا ہوا طریقہ تا حال بدستور جاری ہے۔ پھر جامع مسجد کلاں کے اس اعتکاف والے عمل کا فیصل آباد کی دوسری مساجد میں بھی اثر پہنچا۔ اس طرح فیصل آباد کی تمام مساجد میں اعتکاف والی سنت زندہ ہوگئی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا قرآن مجید کے ساتھ خاص لگاؤ اور محبت

حضرت مفتی صاحبؒ عموماً اگر کوئی عذر نہ ہوتا تو قبلہ رو ہو کر تلاوت فرماتے۔ تلاوت پورے انہماک اور وقار کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر کرتے۔ تلاوت کے دوران چہرے اور آواز سے عظمتِ قرآن اور خشیتِ الٰہی کا نمایاں اثر محسوس ہوتا۔ چنانچہ تلاوت میں ایک طرح کا رونے کا انداز مسلسل رہتا۔ حضرت عموماً اپنے استادِ گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر والے قرآن پر ہی تلاوت فرماتے اور تلاوت کے ساتھ تفسیر دیکھنے کا بھی معمول تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ تفسیرِ عثمانی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ واقعی استاد جی حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ بڑی بڑی تفسیروں کے کئی اوراق سے حاصل ہونے والے مضمون کو حضرت عثمانی چند سطروں میں بیان فرما دیتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو

قرآن مجید کی اشاعت کا خاص شغف اور لگاؤ تھا۔ چنانچہ حضرت نے تقریباً سینکڑوں کی تعداد میں تفسیر عثمانی (مطبوعہ السعودیۃ العربیۃ) کے نسخے علماء، طلباء اور دیگر احباب و متعلقین کو ہدیۃً عنایت فرمائے۔ اور دارالعلوم فیصل آباد کے طلباء کو تو ہر سال بڑے اہتمام سے بطور انعام تفسیر عثمانی دینے کا معمول تھا۔

بندہ نے حضرتؒ کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا کہ حضرت! میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ نے مجھے تفسیر عثمانی عنایت فرمائی ہے۔ حضرتؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں نے تمہیں تفسیر عثمانی دینے کی رمضان کے ستر گنا والے ثواب کے اعتبار سے نیت تو ابھی کر لی ہے، مگر ملے گی عید کے بعد۔ چنانچہ بندہ حسبِ فرمان عید کے دوسرے روز حضرت کے درِ دولت پر حاضر ہو گیا۔ تو حضرتؒ نے بندہ کو تفسیر عثمانی کے تین نسخے عنایت فرمائے۔ اور ساتھ فرمایا کہ ان میں سے جس کو تم مناسب سمجھو کسی اور کو بھی دے دینا۔ گویا خود قرآن دے بھی رہے ہیں اور آگے دوسروں کو دینے کی تلقین بھی فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ کیسی محبت ہے قرآن مجید کے ساتھ۔ اللہ جل جلالہٗ ہمیں بھی قرآن مجید سے محبت عطا فرمائے۔

قرآن مجید سب سے بڑی ڈگری ہے

حضرت مفتی صاحبؒ نے دارالعلوم کی مسجد میں قرآن مجید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ ایک روز ہماری جماعت کی تشکیل ہوئی۔ جب جماعت مرکز سے روانہ ہوئی۔ اور ایک جگہ ساتھی ٹھہرے۔ اور آپس میں تعارف ہونے لگا۔ تو ایک ساتھی نے مثلاً تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ وہ ڈاکٹر ہے۔ دوسرے نے بتلایا کہ وہ پروفیسر ہے۔ اسی طرح سب ساتھیوں نے اپنا اپنا تعارف کرایا۔ آخر میں ایک سادہ سے ساتھی تھے، انہوں نے جب اپنا تعارف کرایا تو ساتھ یہ بھی کہا کہ میرے پاس سب سے بڑی ڈگری ہے۔ ہم نے پوچھا کہ آپ کے پاس کون سی ڈگری ہے؟ (کیوں کہ بظاہر تو وہ کوئی ڈگری والے معلوم نہیں ہو رہے تھے) تو انہوں نے کہا کہ میں حافظِ قرآن ہوں ہم نے کہا کہ واقعی تمہاری ڈگری سب سے بڑی ہے۔

ذکرِ الٰہی کا مشغلہ اور اس میں انہماک

دینِ اسلام دو چیزوں کا نام ہے (۱) سر سے لے کر پاؤں تک اپنے ظاہری سارے وجود پر شریعت کے تمام احکام نافذ کرنا۔ (۲) اپنے باطن کو تعلق مع اللہ سے مزین کرنا۔ اور اس دوسری چیز کے لئے دوام ذکرِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں ذکر کی ضرورت اور اس کی بڑی فضلیت آئی ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے ''وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ'' یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑھیا چیز ہے۔ ذکر کو حدیث شریف میں عبادت کا مغز فرمایا گیا ہے۔ ذکر سے دل کی صفائی ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور درجہ احسان حاصل ہو کر اخلاص نیت کی دولت میسر ہوتی ہے جو مدار ہے اعمال کے عند اللہ مقبول ہونے کا۔ اسی لئے دعوت وتبلیغ والے کام کے ساتھ حضرت کو ذکرِ الٰہی کے سیکھنے سکھانے کی بھی بیحد فکر رہتی تھی۔ اور اس سلسلہ میں شب و روز کے مختلف اوقات میں بیعت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر کی تلقین کرنا حضرت کا خصوصی مشغلہ تھا۔ ذکرِ الٰہی میں حضرت کا یہ حال تھا کہ عام گفتگو میں بھی ذکرِ الٰہی کا رنگ نظر آتا۔ اور حضرت کی مجلس تو یادِ الٰہی کے لئے گویا ایک سبق تھی۔ حضرت کے ذکرِ الٰہی میں رنگین ہونے کا بیداری کے علاوہ کبھی نیند میں بھی نقشہ نظر آجاتا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت سو رہے تھے اور بندہ پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اچانک حضرت کی گفتگو کی آواز سنی تو معلوم ہوا کہ گویا خواب میں حضرت کسی کو بیعت کر کے ذکر کی تلقین فرما رہے ہیں۔ چنانچہ کچھ دیر تک اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق آہستہ آہستہ اسمِ ذات کے ذکر کا طریقہ بتلاتے رہے۔ پھر تھوڑی دیر ذکر کی تلقین کے بعد خاموش ہو گئے۔

اخلاص اور للّٰہیت کا عجیب انداز ترغیب

ایک دفعہ جبکہ دار العلوم کے تمام اساتذہ حضرت کی خدمت میں موجود تھے۔ حضرت نے اساتذہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ بھئی! میں ایک غلطی کر بیٹھا ہوں۔ ہم سب اساتذہ حیران کہ حضرت کیا فرما رہے ہیں۔ پھر ساتھ ہی فرمایا کہ وہ غلطی یہ ہے کہ میں نے آپ لوگوں کی تنخواہ میں کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ کہ آج ہمارا مزاج یہ بن گیا ہے کہ کام تھوڑا کریں اور تنخواہ زیادہ ہو اور اس کو کمال سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ کمال یہ ہے کہ آدمی کام زیادہ کرے اور تنخواہ

تھوڑی لے۔ پھر فرمایا کہ اصلی کمال تو یہ ہے کہ آدمی دین کا کام کرے اور تنخواہ بالکل نہ لے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی شان تھی۔ اور فرمایا کہ اصل استاد اور معلم تو انبیاء علیہم السلام ہیں۔ قرآنِ مجید میں انبیاء علیہم السلام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اے ہماری قوم ہم تم سے اس دین سکھانے پر اجر نہیں مانگتے۔ ہم تو بس اپنی مزدوری صرف اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا تنخواہ تو اس لئے ہے کہ ہمارے ساتھ پیٹ لگا ہوا ہے آخر اس کی بھی ضرورت پوری کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اتباعِ سنت کا اہتمام

قرآن و حدیث کی رُو سے ہر عمل کی مقبولیت کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔

(1) ایمان کے ساتھ ہو (2) اخلاص کے ساتھ ہو (3) سنتِ نبوی کے مطابق ہو۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو اتباع سنت کا بڑا اہتمام تھا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔

(1) حضرت مفتی صاحب صحت کی حالت میں بھی کبھی کبھی اپنے دست مبارک میں عصا پکڑ کر چلتے حالانکہ اس وقت اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ صرف اتباعِ سنت کے طور پر عمل ہوتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ پور نہر کے کنارے پر سیر کرتے ہوئے کئی دفعہ یہ اتباع سنت کا منظر دیکھنے میں آیا۔ اور اس کے علاوہ اور موقع پر بھی۔

(2) اسی طرح سوتے وقت تسبیحاتِ فاطمہ کا ہمیشہ معمول ہوتا تھا۔

(3) اسی طرح بطور اتباعِ سنت آنکھوں میں سرمہ ڈالنے کا، سر میں تیل لگانے اور ڈاڑھی میں کنگا کرنے کا بھی معمول رہتا تھا۔

(4) اور ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔

(5) دورانِ وضو دنیوی باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

(6) جن لوگوں نے حضرت کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کی ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب جمعہ میں بالکل سنت کے مطابق ''اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ'' کے انداز پر خطبہ پڑھتے تھے اور نماز میں جہری قرأت کرتے ہوئے خشیتِ الٰہی کے ساتھ رونے کے انداز میں تلاوت فرماتے جس

سے مقتدی روحانی طور پر بہت محظوظ ہوتے۔

خلافِ سنت سے ناگواری

حضرت نے ایک دفعہ بندہ کو بلایا۔ بندہ حسبِ فرمان دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کے سامنے دستر خوان پر چائے رکھی ہوئی تھی۔ اور حضرت چائے نوش فرما رہے تھے۔ حضرت نے بندہ کو بھی چائے پینے کا فرمایا۔ بندہ نے کپ میں چائے ڈال کر چینی ملانے کے لئے غلطی سے بجائے داہنی طرف کے بائیں طرف کو چمچ گمانا شروع کر دیا۔ حضرت نے فوراً تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا داہنی طرف سے۔

سلام کو عام کرنا اور حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت نے ایک دفعہ دارالعلوم کے اساتذہ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''سلام کو عام کرو اور ہر ملنے والے کو سلام کرو چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو'' پھر حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے۔ اور میرے ساتھ جب عبداللہ پور نہر کے کنارے پر سیر کر رہے تھے۔ تو مجھے کہنے لگے مفتی صاحب آپ کی تو بڑی موج ہے یہاں سب مسلمان ہیں آپ تو سلام کا خوب ثواب کما سکتے ہیں۔ ہمیں تو ہندوستان میں سامنے سے آنے والے کو پہلے تو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ آیا وہ مسلمان ہے؟ کہیں ہندو وغیرہ غیر مسلم تو نہیں۔ واقعی متبع سنت والوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے نیک بندوں کی طرح اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی فراست وحاضر جوابی

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب نے مجھے فرمایا کہ بھئی مولوی صاحب! آئیں ذرا فلاں جگہ جانا ہے

اور راستہ میں مودودی صاحب سے بھی ملنا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے مودودی صاحب کے پاس نہ لے جائیں اس لئے کہ وہاں کوئی نہ کوئی بات ہو جائے گی، اور مجھ سے رہا نہیں جائے گا۔ حضرت افغانی صاحب نے فرمایا کہ نہیں بس تھوڑی دیر کے لئے اس سے ملنا ہے۔ میں حضرت افغانی صاحب کے ساتھ ہولیا۔ جب ہم مودودی صاحب کے پاس پہنچے۔ اور ان سے ملاقات ہوئی۔ تو دورانِ ملاقات حضرت مولانا افغانی صاحب نے مودودی صاحب سے پوچھ لیا کہ آپ کا اجتہاد کے بارے میں کیا خیال ہے؟ (یاد رہے کہ مودودی صاحب اہل سنت والجماعت کے بعض اہم مسائل مثلاً عصمتِ انبیاء، صحابہ کرام کا معیارِ حق ہونا اور اجتہاد اور تقلید وغیرہ کے بارے میں آزاد خیال ہو کر اپنی ذاتی رائے پر چلتے تھے۔ از ناقل) مودودی صاحب نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ہر عاقل، بالغ کو حق حاصل ہے کہ وہ چاروں میں سے جس کی بات راجح سمجھے اس کو اختیار کرلے۔ اس پر حضرت افغانی صاحب چپ رہے۔ تو میں نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ جناب اس کا کوئی معیار بھی ہے؟ مودودی صاحب نے کہا کہ کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ یہ کام ہر میٹرک فیل آدمی شروع کر دے گا۔ اس لئے کہ وہ عاقل بھی ہے اور بالغ بھی ہے۔ اس پر مودودی صاحب نے ذرا خاموش ہو کر کہا کہ ہاں ویسے یہ کام ہے مشکل۔ میں نے کہا مشکل نہیں ہے آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی فلان فلان کتاب کا مطالعہ کرلیں ان شاء اللہ آپ کو پتہ چل جائے گا۔

نماز کے لئے نیت شرط ہے نہ کہ استحضارِ نیت

بندہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو ساتھ یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ میں نے نماز جمعہ سے پہلے نیت نہیں کی۔ جس سے مجھے پریشانی ہوئی۔ بندہ جمعہ کے بعد فوراً گلبرگ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی صورت حال عرض کی کہ حضرت آج میں نے جمعہ کی نماز پڑھائی مگر خیال ہے کہ میں نے نماز کے وقت نیت نہیں کی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم وہاں کس

لئے گئے تھے میں نے عرض کیا کہ حضرت جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے۔اس پر فرمایا کہ پھر نیت کس کو کہتے ہیں؟ نیت تو تھی مگر تم نے استحضار نیت نہیں کی۔اور شرط نیت ہے نہ کہ استحضارِ نیت۔ حضرت کے جواب سے بندہ کی تمام پریشانی دور ہوگئی۔وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِکَ ۔

فروعی اختلافی مسائل میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا حکیمانہ جواب

حضرت ہمیشہ بڑے اعتدال اور پُرسکون سنتِ نبوی کے پیارے انداز سے خشوع وخضوع سے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ایک دفعہ حضرت حرم شریف میں تشریف فرما تھے، کہ ایک عربی شیخ جو کہ حضرت کے نماز پڑھنے کے انداز سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔حضرت سے آکر ملے اور حضرت سے کہا کہ شیخ! آپ بہت اچھی نماز پڑھتے ہیں اگر آپ اس میں دو چیزوں کا اضافہ کرلیں تو اور اچھی ہوجائے۔حضرت نے فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ ان عربی شیخ نے کہا کہ آپ رفع الیدین کرلیا کریں اور دوسری یہ کہ آپ آمین بالجہر کہا کریں۔حضرت نے ان شیخ سے فرمایا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ ہمارے نبی ﷺ آخری نبی ہیں۔اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین آخری دین ہے۔اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین ہر طرح سے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح رفع یدین کرنے والی حدیثیں ہیں اسی طرح رفع یدین نہ کرنے والی بھی حدیثیں موجود ہیں۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازوں میں یہ دونوں طرح کا عمل ملتا ہے۔اور اسی طرح آئمہ اربعہ سے بھی یہ دونوں طرح کا اختلاف ثابت ہے۔

بالکل اسی طرح آمین بالجہر اور بالخفی والی سنت بھی دونوں طرح ثابت ہے۔ اور جس طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک یہ دونوں طرح کا عمل رہا ہے۔اور اب بھی اُمتِ مسلمہ میں یہ دونوں طرح کا عمل موجود ہے اور آئندہ بھی یہ دونوں طرح سے سنت کا عمل قیامت تک رہے گا۔بس اتنی سی بات ہے کہ ایک سنت پر آپ عمل کررہے ہیں اور دوسری سنت پر میں عمل کررہا ہوں۔اور اگر آپ اس پر اصرار کرتے ہیں۔تو پھر تبادلہ کرلیں۔ میں رفع یدین کروں گا اور آمین بالجہر بھی کہوں گا اور آپ

رفع الیدین نہ کریں اور آمین بالخفی بھی کہیں۔ ان عربی شیخ نے کہا کیا آپ ایسا کریں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا کروں گا۔ پھر حضرت نے ان عربی شیخ سے فرمایا کہ آپ ابھی ظہر کی نماز میں میرے ساتھ کھڑے ہو جائیں آپ رفع الیدین نہ کریں میں رفع یدین کروں گا۔ پھر مغرب کی نماز میں آپ میرے ساتھ آ کر پڑھیں آپ آمین بالخفی کہیں اور میں آمیں بالجہر کہوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ عربی شیخ میرا یہ جواب سُن کر چلے گئے اور پھر واپس نہ آئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طلباء کی تربیت کا حکیمانہ انداز

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیرون ممالک دعوت وتبلیغ کی محنت سے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمائی۔ حضرت کی مخلصانہ، مجاہدانہ اسی محنت کے نتیجہ میں ساؤتھ افریقہ، سینیگال، اُردن، سعودیہ، ایران، فلسطین، ملائشیا، اور فلپائن وغیرہ مختلف ممالک سے کثیر تعداد میں طلباء تحصیلِ علمِ دین کی خاطر پاکستان دارالعلوم فیصل آباد میں داخل ہو کر علمِ دین سے نہ صرف خود سیراب ہوئے بلکہ واپس اپنے اپنے ممالک میں جا کر علمِ دین کی اشاعت کے لئے کمر بستہ ہوئے، اور دینی مدارس قائم کیے۔ دارالعلوم فیصل آباد میں سب سے پہلے ساؤتھ افریقہ سے حفظِ قرآن مجید کے لئے چار طالب علم آئے۔ یونس، یعقوب، الطاف اور آدم یہ سب تقریباً 15/14 سال کی عمر کے ہم عمر لڑکے تھے۔ یہ سب دارالعلوم میں تقریباً تین سال کی محنت سے حفظِ قرآن مجید کی عظیم دولت حاصل کر کے اپنے واپس اپنے وطن لوٹے۔ بندہ شعبۂ کتب میں مدرس تھا اور یہ بچے شعبۂ حفظ میں قاری عبدالعزیز صاحب (سابق مدرس دارالعلوم) کے پاس حفظ کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے ان بچوں کی اخلاقی نگرانی کی خدمت بندہ کے ذمہ لگائی تھی اور اس سلسلہ میں حضرت بندہ کو ان بچوں کے بارے میں گاہے بگاہے ہدایات بھی دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم کی چھٹیوں میں حضرت نے بندہ سے فرمایا کہ ان بچوں کو رائے ونڈ

لے جانا ہے۔مگر تم ایسا کرو کہ ان کو پہلے لاہور لے جاؤ اور وہاں ان کو شاہی مسجد کی زیارت اور شاہی قلعہ دکھاؤ اور چڑیا گھر اور عجائب گھر کی سیر کراؤ اور پھر ان کو رائے ونڈ لے کر جاؤ۔ چنانچہ بندہ نے حضرت کے فرمان کے مطابق ان بچوں کو اسی ترتیب سے پہلے لاہور لے جا کر مذکورہ مقامات کی سیر کرائی۔اور پھر لاہور سے رائیونڈ جا کر رائیونڈ کے بزرگوں کے حوالے کر کے واپس فیصل آباد آ گیا۔اس طرح حضرتؒ کے حکیمانہ اندازِ تربیت سے ان بچوں کا بظاہر سیر و تفریح کا سفر درحقیقت دینی سفر بن گیا۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرتؒ کی دینی بصیرت کی رہبری میں دینی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دُعا کی درخواست کرنے والی ایک عورت کو عجیب جواب دیا

حضرت نے فرمایا ایک نوجوان کو جماعت میں ایک چلے کا وقت لگانے کے لئے تیار کیا گیا۔تو جب اس کی والدہ کو پتہ چلا تو وہ میرے پاس آئی اور اس نے کہا کہ مفتی صاحب! یہ میرا چہیتا لاڈلا بیٹا ہے۔ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔اس کو جماعت میں نہ لے جائیں۔اللہ کی شان کچھ عرصہ بعد وہی عورت میرے پاس آئی اور اس نے کہا کہ مفتی صاحب میرا (وہی) بیٹا فلاں ملک میں کاروبار کے لئے جارہا ہے۔آپ اس کے لئے دعا کردیں۔میں نے اس عورت سے کہا کہ میں تو دعا نہیں کروں گا۔کیونکہ تو تو اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے جدا ہو جائے اور تم مر جاؤ۔فرمایا کہ ہمارا عجیب حال ہے کہ دنیا کی خاطر تو جدائی برداشت ہے۔مگر دین کی خاطر جدائی برداشت نہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی قدر و قیمت سمجھا دے۔

جب دنیا کے لئے اپنا مال خرچ کیا جاتا ہے تو پھر دین کے لئے کیوں نہیں

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ جبکہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہم سب ساتھی ریل گاڑی پر سوار ہوئے تو ایک سرکاری افسر نے مجھ سے پوچھا کہ یہ جماعت والے اپنے خرچہ پر سفر کر رہے ہیں؟ میں اس نے کہا اس گاڑی پر سارے لوگ اپنے خرچہ پر سفر کر رہے ہیں! اگر کوئی اپنے کاروبار کے لئے خرچ کر سکتا ہے اور اپنے بیوی بچوں

کے لئے خرچ کرسکتا ہے اسی طرح اپنے دنیوی کاموں کے لئے خرچ کرتا ہے۔ تو پھر دین کے لئے کیوں نہیں خرچ کیا جا سکتا؟ کیا دین ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے لئے اپنا مال نہیں خرچ کرنا چاہیے۔ حالانکہ دین سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی شان وہ صاحب بھی جماعت میں لگ گئے۔ پھر وہ مجھے ملے اور کہنے لگے کہ مفتی صاحب جب میں آپ سے ملتا ہوں تو مجھے وہ اپنی حماقت والی بات یاد آجاتی ہے۔ کہ ''یہ جماعت والے اپنے خرچہ پر سفر کر رہے ہیں؟'' اور میں بہت شرمندہ ہوتا ہوں کہ میں نے ایسی بات کیوں کہی۔

تکمیل تو موت تک ختم نہیں ہوتی

بندہ جب درسِ نظامی کا مکمل نصاب پڑھ کر دورۂ حدیث کے بعد فارغ ہوا تو حضرت نے بندہ سے پوچھا کہ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ جو فرمائیں گے ان شاء اللہ میں وہ کروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اپنا بھی تو کچھ ارادہ ہوتا ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! میرا ارادہ تو یہی ہے کہ جو کام بھی ہو وہ رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ ویسے اگر آپ مجھے تعلیم و تدریس کے لئے فرمائیں تو میں چاہتا ہوں کہ وہاں کام کروں جہاں میرے لئے بڑے ہوں۔ اور استاد جی مولانا شبیر احمد صاحب ناظم مدرسہ عربیہ دارالعلوم فتح دین عبداللہ پور (جہاں بندہ نے کنز الدقائق، شرح تہذیب وغیرہ تک کتب پڑھی تھیں) کا میرے بارے میں اصرار ہے کہ میں دارالعلوم فتح دین میں پڑھاؤں۔ اور اس کی مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں استاد جی کو کیا جواب دوں۔ حضرت مفتی صاحب نے بندہ کو فرمایا کہ دارالعلوم فیصل آباد میں تمہارے دو بڑے ہیں (حضرت کی اس فرمان سے مراد تھی ''بندہ کے استاد محترم حضرت مولانا محمد رفیق صاحب کشمیری سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ربانیہ اور استاد جی حضرت مولانا محمد ظریف صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم فیصل آباد'') اور حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ تمہارے استاد مولانا شبیر احمد صاحب اب تمہیں تدریس کے لئے کہیں، تو عرض کر دینا کہ استاد جی! ابھی میری تکمیل رہتی ہے۔ اور تکمیل تو موت تک ختم نہیں ہوتی۔

دین کے کسی کام کے لیے تقرری کی بنیاد تنخواہ نہیں ہونی چاہیے

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جب لائل پور (فیصل آباد) میں ان کی جگہ پر جامع مسجد کلاں کچہری بازار میں بحیثیت خطیب میری تقرری کی بات شروع ہوئی تو حضرت جی نے فرمایا کہ جس شخص کو ملکوں میں کام کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔اس کو ایک ضلع میں کیسے بٹھا دیں۔پھر خیر آخر میری تقرری کر دی گئی ۔جامع مسجد کی انتظامیہ کے لوگوں نے مجھ سے میری تنخواہ کے بارے میں پوچھا؟ تو میں نے ان سے کہا کہ بھئی جس کام کے لئے مجھے مقرر کیا گیا ہے، مجھے تو اس کام کو صحیح کرنے کی فکر کرنی ہے۔اور باقی میں انسان ہوں میری ضروریات کے بارے میں آپ نے فکر کرنی ہے۔اس لئے یہ میرا کام نہیں بلکہ یہ آپ لوگوں کا کام ہے۔

چنانچہ حضرت نے جمعہ کی خطابت کی اپنی ذمہ داری کو باحسن انداز سے اس طرح پورا کیا کہ جامع مسجد کلاں لوگوں کی سب زیادہ توجہ کا مرکز بن گئی۔اور فیصل آباد میں جامع مسجد کلاں میں لوگوں کا سب سے بڑا مجمع ہوتا تھا،لوگ دور دور از جگہوں سے حضرت کے پیچھے جمعہ پڑھنے کے لئے کھنچے چلے آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو دینی اکابر مشائخِ عظام اور علماء کرام کا محبّ ومحبوب بنایا تھا وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عوام کے ہر طبقہ میں بھی ایسی محبوبیت اور مرجعیت نصیب فرمائی تھی کہ اگر کہیں بھی کسی کو آپ نظر آ جاتے تو وہ آپ کو انتہائی محبت واحترام سے دیکھتا اور آپ کی زیارت اور ملاقات کے اپنے لئے باعثِ شرف سمجھتا۔اسی محبوبیت اور مرجعیت کا یہ اثر تھا کہ اگر کوئی کہتا کہ میں نے مفتی صاحب کی زیارت کی۔ میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا۔مفتی صاحب فلاں جگہ تشریف لائے۔وغیرہ وغیرہ تو ہر سننے والا اس لفظِ مفتی سے حضرت مفتی زین العابدین ہی سمجھتا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا کہ آخر آپ کے پیرومرشد برکت العصر اور قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو مفتی اعظم لائل پور کا لقب عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ

حضرت شیخ آپ کو ہمیشہ مفتی جی کے لفظ سے ساتھ مخاطب فرماتے تھے۔

حضرت مولانا جمشید صاحب مدظلہ کا سوال کہ صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟

تقریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ حضرت مولانا جمشید صاحب نے گلبرگ حضرت کی بیٹھک میں حضرت مفتی صاحبؒ سے بعض باتیں دریافت کیں۔ان میں سے ایک یہ سوال تھا کہ حضرت صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت مفتی نے فرمایا کہ صدقہ تو دوسرے مسلمان کی ضرورت کے پیش نظر دیا جاتا ہے۔اور ہدیہ محض مسلمان بھائی کے اکرام کے طور پر دیا جاتا ہے۔اور ہدیہ کا ثواب صدقہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ پھر حضرت مفتی صاحب نے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت جی ہسپتال میں تھے کہ ایک صاحب کی طرف سے حضرت جی کے نام منی آرڈر آیا۔ہم نے عرض کیا کہ حضرت! فلاں صاحب نے آپ کے نام منی آرڈر بھیجا ہے۔حضرت جی نے فرمایا کہ منی آرڈر واپس کردو۔اس کو کیا حق ہے کہ وہ ہمیں محتاج سمجھے ہم نے وہ منی آرڈر واپس کر دیا۔ چند دنوں کے بعد پھران صاحب کی طرف سے حضرت جی کے نام منی آرڈر آیا اور ساتھ ہی خط بھی آیا۔ہم نے پھرعرض کیا کہ حضرت ان صاحب نے دوبارہ منی آرڈر بھیجا ہے،اور ساتھ خط بھی بھیجا ہے۔حضرت جی نے فرمایا کہ وہ خط مجھے پڑھ کر سناؤ۔ جب خط پڑھ کر سنایا تو خط میں لکھا تھا کہ حضرت کی طرف سے بندہ کو جب منی آرڈر واپس ملا تو بندہ نے سوچا کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ بندہ نے حضرت کو ضرورت مند سمجھ کر یہ منی آرڈر بھیجا تھا۔اس لئے اس غلطی کی تلافی کے لئے بندہ اپنے اوپر جرمانہ کر کے پہلی رقم کے ساتھ مزید رقم کا اضافہ کر کے بطور ہدیہ کے یہ منی آرڈر بھیج رہا ہے۔حضرت جی نے خط سن کر وہ منی آرڈر وصول کرلیا۔ یہ حضرت کی کرامت یا فراستِ ایمانی ہی ہوسکتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی بیعت کا تذکرہ حضرتؒ کی اپنی زبانی

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں بیعت کی غرض سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت شیخ سے بیعت کرنے کی درخواست کی حضرت شیخ نے فرمایا کہ حضرت مدنی، حضرت تھانوی اور حضرت رائے پوری یہ اکابر ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ۔ میں نے پھر حضرت شیخ سے بیعت ہونے کی عرض کی۔ حضرت شیخ نے پھر وہی جواب دیا کہ یہ بڑے ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ۔ میں نے پھر حضرت شیخ سے ہی بیعت کا اصرار کیا۔ اُدھر حضرت شیخ انکار کر رہے ہیں لیکن اِدھر میرا مسلسل اصرار ہے۔ پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ استخارہ کرلو۔ میں نے استخارہ کیا اور استخارہ کی صورتِ حال عرض کر دی۔ اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ تمہارے استخارہ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابرین میں سے کسی سے بیعت ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اپنے استخارہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی سے بیعت کروں۔ جب کئی دفعہ شیخ نے فرمایا کہ فلاں فلاں بڑے ہیں ان سے بیعت کر لو۔ تو میں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ حضرت! میں حضرت مدنی، حضرت تھانوی اور حضرت رائے پوری سب کو آپ سے بڑا سمجھتا ہوں۔ اور یہ حضرات آپ کے ہیں بھی بڑے مگر میری یہ عرض ہے کہ بیعت ہونے کے لئے بڑے ہونے کی شرط ہے یا مستند ماہر اور متبع سنت ہونے کی شرط ہے؟ اگر بڑے ہونے کی شرط نہیں ہے تو بس آپ میرے لئے کافی ہیں اس پر حضرت شیخ نے مجھے بیعت کر لیا۔ (بندہ راقم کا خیال ہے کہ حضرت شیخ نے یہ سارا بار بار انکار حضرت مفتی کی قلبی پختگی اور توحید مطلب کو پرکھنے کے لئے کیا ہوگا واللہ اعلم) حضرت شیخ نے بیعت کر کے فرمایا کہ اب ذکر رائے پور جا کر کرنا ہے۔ چنانچہ میں حضرت شیخ کے فرمان کے مطابق رائے پور چلا گیا۔ اور حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے اپنا تعارف عرض کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب سے بیعت ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ پھر یہاں خاک لینے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں

آیا نہیں بلکہ حضرت شیخ نے آپ کے پاس مجھے بھیجا ہے۔اس پر حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ پھر ٹھیک ہے۔حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت رائے پوریؒ توحید مطلب پر بہت زور دیا کرتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو ہر جائی نہیں بننا چاہیے۔بلکہ اپنے شیخ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔اور فرماتے کہ جس مرغی کے انڈے ہوں وہ اسی مرغی کے نیچے رہنا چاہئے۔حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ پھر جب حضرت شیخ نے مجھے اجازت بیعت سے نوازا تو کچھ عرصہ بعد مجھے فرمایا کہ مفتی جی کتنے مرید کئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپنے نے جو مجھے فرمایا تھا وہ تو میرے اور آپ کے درمیان ایک راز کی بات تھی مرید کرنے کا کیا مطلب؟ پھر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس کے بعد بعض لوگوں کو حضرت شیخ نے مجھ سے بیعت ہونے کے لئے میرے پاس بھیجا اور میں نے ان کو حضرت شیخ کے فرمان پر بیعت کیا۔حضرت مفتی صاحب کا اس واقعۂ بیعت میں اپنے شیخ سے قلبی لگاؤ میں پختگی اور راہِ سلوک کے اہم اصول توحید پر کار بند ہونا واضح نظر آرہا ہے۔اور اس کے بعد تو حضرت کی ساری زندگی کا نقشہ اس اصول پر کار بند ہونے پر شاہدعدل ہے۔

بزرگوں سے فیض حاصل کرنے کی شرط

ایک دفعہ دورانِ سفر جب کہ ڈرائیور کے ساتھ والی اگلی سیٹ پر حضرت مفتی صاحب تشریف فرما تھے۔اور بندہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔اور بندہ کے ساتھ دو اور صاحب بھی بیٹھے تھے۔ان میں سے ایک صاحب نے جو کہ حضرت سے کچھ بے تکلف تھے،عرض کیا کہ مفتی صاحب! بزرگوں کے مزارات سے بھی فیض حاصل ہوتا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں کے پاس ان کی زندگی میں زیارت کے لئے جانے سے بھی فیض حاصل ہوتا ہے اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے مزارات پر حاضری سے بھی فیض حاصل ہوتا ہے۔مگر شرط یہ ہے کہ آدمی دودھ والی دوکان سے گھاس لینے نہ جائے۔یعنی بزرگوں کے پاس تو ذکرِ الٰہی اور تعلق مع اللہ کا خالص دودھ ہے۔اور

ذکر کی لائن کا آدمی جب اسی خالص ذکرِ الٰہی اور تعلق مع اللہ والے ارادہ سے حاضر ہوگا تو یہ فیض زندگی میں بھی حاصل ہوتا ہے اور وفات کے بعد بھی ان کے مزارات پر حاضری سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر فرمایا میں خود ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے بزرگوں کے مزارات پر اسی غرض سے جاتا ہوں۔ اور فرمایا کہ حضرت خواجہ بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا تو رنگ ہی عجیب ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت شیخ احمد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور اس وقت ابھی میرا غفلت کا زمانہ تھا مگر حضرت ملا جیون کے مزار سے ایسا فیضان ہوا کہ میرے سارے وجود کا رواں رواں ذکر میں مصروف تھا۔ اور اس وقت ذکر میں میری اتنی لمبی نشست ہوئی کہ اتنی لمبی نشست کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اور اگر آدمی اس ذکرِ الٰہی اور تعلق مع اللہ کے علاوہ کوئی اور دنیوی اغراض، گھاس لینے کے لئے جائے گا۔ تو کچھ نہیں ملے گا۔ بلکہ اگر اس نے وہاں کوئی خلاف شرع کام کیا تو اپنا دین بھی برباد کرلے گا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سیبوں کا تحفہ بھیجنا

یوں تو حضرت مفتی صاحب کے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ کے ساتھ محبت اور وارفتگی کے بے شمار واقعات ہیں۔ مگر بندہ کو اس وقت ایک واقعہ یاد آ گیا۔ وہ زیبِ قرطاس کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ جبکہ حضرت مفتی صاحب جامع مسجد کلاں کچہری بازار فیصل آباد میں معتکف تھے۔ اور بندہ راقم حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت کو معلوم ہوا کہ فلاں صاحب ہندوستان حضرت شیخ الحدیث صاحب کے پاس جا رہے ہیں تو حضرت نے بندہ سے فرمایا کہ کچہری بازار میں فلاں دوکاندار کے پاس جاؤ۔ اس کے پاس بہت اچھے سیب ہوتے ہیں۔ اس سے جا کر میری طرف سے کہو کہ وہ پانچ کلو عمدہ قسم کے سیب دیدے۔ بندہ اس دکان دار کے پاس گیا اور حضرت کا پیغام دیا تو اس نے بڑی مسرت کے ساتھ چھانٹ چھانٹ کر پانچ کلو سیب تول کر بندہ کو دے دیئے۔ پھر یہ سیبوں والا

دوکاندار بعد نماز عصر حضرت سے بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ ملا۔ حضرت اس شخص کو پہلوان جی کہتے تھے۔ حضرت نے وہ سیب حضرت شیخ کی خدمت میں بطور ہدیہ ہندوستان میں بھیج دیئے۔

بڑوں کا اکرام اور ظرافتِ طبع

جامعہ دارالعلوم ربانیہ کے بانی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رفیق صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ جو اپنے بلند علمی مقام ہونے کے باوجود انتہائی سادہ منکسر المز اج، متواضع صفت والے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کشمیری رحمتہ اللہ علیہ جامعہ ربانیہ سے حضرت مفتی صاحب کے پاس دارالعلوم فیصل آباد میں (جبکہ دارالعلوم فیصل آباد بالکل ابتدائی مراحل میں تھا) تشریف لائے تھے۔ حضرت کشمیری کو حضرت مفتی صاحب سے بہت والہانہ محبت تھی۔ چنانچہ اپنے جنازہ کے بارہ میں یہ وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضرت مفتی صاحب ہی پڑھائیں۔ ایک دفعہ حضرت مفتی صاحبؒ گلبرگ والے گھر سے دارالعلوم میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کے پاس تشریف لائے، اس وقت وہاں بندہ راقم اور استاذی حضرت مولانا محمد ظریف صاحب موجود تھے۔ حضرت مفتی صاحب اختتام مجلس پر بطور اکرام کچھ رقم حضرت کشمیری کو دینے لگے تو حضرت کشمیری نے اپنی حسبِ عادت انکار کیا کہ نہیں رہنے دیں۔ حضرت مفتی صاحب نے اصرار کیا تو حضرت کشمیری نے فرمایا کہ نہیں نہیں میرے پاس پیسے ہیں۔ اس پر ظریفانہ انداز سے حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ کے پاس پیسے کہاں ہیں؟ میں جب بھی آپ کے پاس آیا ہوں آپ نے کبھی مجھے حقہ بھی نہیں پوچھا۔ یہ کہہ کر پیسوں کی کچھ رقم ہدیہ کر دی۔ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت مفتی صاحب کے اس جملہ پر ہنس پڑے اور ہدیہ قبول کر لیا۔

دعوت و تبلیغ اور تحصیل علم دین میں توازن

بندہ نے جب جامعہ دارالعلوم ربانیہ بستی ریاض المسلمین میں مشکوٰۃ شریف والے سال کے ختم ہونے پر حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ حضرت اب چھٹیوں میں تبلیغی

جماعت میں وقت لگایا جائے یا خانپور حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحب کے پاس دورہ تفسیر کے لئے جانا مناسب ہے۔ حضرتؒ نے اپنے والا نامہ میں بندہ کو لکھا کہ "تبلیغی جماعت میں وقت لگانا ہی ہے، مگر اب خانپور دورہ تفسیر کے لئے جانا مناسب ہے" بندہ حضرتؒ کے حسبِ فرمان جامعہ ربانیہ سے گھر کی بجائے خانپور دورہ تفسیر کے لئے روانہ ہوگیا۔ اور پچیس رمضان المبارک کو دورہ تفسیر سے فراغت پر حضرت درخواستی سے سند دورہ تفسیر حاصل کر کے گھر پہنچا۔

سخن شناسی اور موقع کے مطابق وعظ و ارشاد

حضرت نے ایک دفعہ بندہ سے فرمایا کہ زرعی یونیورسٹی کے کتب خانہ کو اگر دیکھ لیا جائے۔ بندہ نے عرض کیا حضرت ٹھیک ہے ۔ یہ پروگرام دراصل دارالعلوم کے کتب خانہ کی اصلاح کے پیشِ نظر تھا چنانچہ حسبِ پروگرام بندہ حضرت کے ساتھ گاڑی میں زرعی یونیورسٹی پہنچا۔ حضرت کے وہاں پہنچنے پر زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب اور دیگر پروفیسر وغیرہ معزز حضرات نے حضرت کا استقبال کیا اس استقبالیہ مجلس میں باہمی گفتگو کے دوران ایک پروفیسر صاحب نے پوچھا کہ مفتی صاحب! نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ کوئی فرق نہیں۔ بندہ اس جواب پر حیران ہوا کیوں کہ نبی اور رسول میں فرق تو ہے کہ تعلیم الاسلام میں بھی نبی اور رسول میں فرق کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر حضرت نے آگے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اور رسول میں تھوڑا سا علمی فرق ہے۔ مگر نبی اور رسول دونوں کی حیثیت یہ ہے کہ ان کا فرمایا ہوا اللہ کا فرمایا ہوا ہے۔ ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے ۔ پھر اس نبی اور رسول کی حیثیت پر کہ ان پر ایمان لانا اور بے چوں چراں کی تابعداری کرنا ہی ہدایت کا طریقہ ہے۔ اور ان کی نافرمانی کرنا گمراہی والا طریقہ ہے۔ خوب بسط سے مثالیں دے کر وضاحت فرمائی ۔ بندہ کو پھر بات سمجھ آئی کہ گویا حضرت مفتی صاحب یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ نبی اور رسول میں اگر کسی کو یہ علمی فرق نہ بھی معلوم ہوا تو کوئی نقصان نہیں مگر نبی اور رسول پر ایمان لانا اور ان کی تابعداری کرنا اصل فکر کی بات ہے۔ اس لئے کہ انسان کی کامیابی اور

ناکامی کا دارومدار اسی پر ہے۔ سبحان اللہ حضرت کو اللہ نے کیسی دینی فراست اور سخن شناسی اور موقع کے مطابق وعظ وارشاد سے نوازا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی حق گوئی اوراس کی برکات

بندہ راقم الحروف جب عثمانیہ مسجد نزد کاٹن ملز گیٹ نمبر 3 میں خطیب تھا، ایک مسئلہ کے بارے میں اس وقت کی موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر استفادہ کی غرض سے گلبرک والے مکان میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اورعرض کیا کہ حضرت جمعہ کے موقع پر فلاں مسئلہ کو میں نے یوں بیان کیا ہے اس کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے جیسے بیان کیا ٹھیک ہے۔ ویسے جو بات کرنے کی ہوتی ہے اس کو صاف صاف بیان کر دیا جائے۔ پھر اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں نے ایوب دور میں جمعہ کے موقع پر عائلی قوانین کے موضوع پر تقریر کی۔ سی آئی ڈی والوں نے اس کی اوپر رپورٹ کردی۔ قاسم رضوی ڈپٹی کمشنر لائل پور (فیصل آباد) نے مجھے بلایا میں اس کے پاس چلا گیا۔ اس وقت اس کے دفتر میں اس کے ہمراہ اس کا وکیل، ایس پی وغیرہ دوسرے حکام بھی تھے۔ قاسم رضوی نے مجھ سے پوچھا کہ مفتی صاحب آپ نے ؛جمعہ میں کس موضوع پر تقریر کی ہے؟ میں نے کہا عائلی قوانین کے موضوع پر! اس نے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ عائلی قوانین کے موضوع پر تقریر کرنا جرم ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ اس موضوع پر تقریر کرنا جرم ہے! اس نے ذرا تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ کو کیسے نہیں معلوم؟ میں نے اس سے کہا کہ مجھے آنکھ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ کے وکیل صاحب بیٹھے ہیں آپ مجھ پر مقدمہ دائر کریں۔ پھر میں عدالت میں بتلاؤں گا کہ اس موضوع پر تقریر کرنا جرم ہے یا ضروری ہے۔ یہ کہہ کر میں اٹھا اور واپس آ گیا۔ چند دنوں کے بعد قاسم رضوی کا فون آیا اور مجھ سے معذرت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ مفتی صاحب میں نے آپ کو پہچانا نہیں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اور اب میری درخواست ہے کہ آپ مجھ سے کام لیں۔ ان شاء اللہ میں آپ کے کہنے پر کام

کروں گا۔ پھر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ واقعی قاسم رضوی نے کئی اچھے کام کئے ان میں سے خصوصیت سے احترامِ رمضان آرڈیننس جاری کیا۔ مساجد میں آئے دن فتنے ،فساد اور لڑائی جھگڑوں کے واقعات رونما ہوتے رہتے تھے۔ ان کے سدِّ باب کے لئے علماء کی امن کمیٹی بنائی گئی ۔جس سے فساد کی رَو ختم ہو کر امن وسکون کی فضا پیدا ہوگئی۔ اور فیصل آباد کے بدکاری والے بازار سے اللہ تعالیٰ نے دھندا کے کاروبار کو ختم فرما دیا اب اس بازار کا نام پاک گول بازار ہے۔ جس کا سب لوگوں کو علم ہے۔ ولِلّٰہِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اکرامِ حجاج اور علوم کا منبع اور مرکز

صدرِ پاکستان ضیاء الحق صاحب (مرحوم) کے دور کی بات ہے کہ ایک دن راقم الحروف کے ایک مخلص دوست ماسٹر غلام یاسین صاحب (مرحوم) نے آکر مجھے بتلایا کہ آج فلاں وقت ٹیلی ویژن پر حضرت مفتی صاحبؒ حج کانفرنس میں خطاب فرمانے والے ہیں۔ میں ماسٹر صاحب کے گھر چلا گیا۔ ٹیلی ویژن پر مقررہ وقت پر حج کانفرنس کا منظر دیکھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ اسٹیج پر تشریف فرما ہیں۔ اور دائیں طرف صدر ضیاء الحق، وزیر اعظم محمد خان جونیجو وغیرہ دیگر وزراء اعلیٰ بیٹھے ہیں۔ اور اس کے علاوہ دیگر مختلف ممالک کے سفراء اور مقتدر شخصیات کا کثیر مجمع تھا۔ جو ہمہ تن گوش ہو کر پوری توجہ کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کا خطاب سُن رہے تھے۔ دورانِ تقریر حضرت نے حجاج کرام کے اکرام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی بھی شریف آدمی اپنی تو کوئی بات برداشت کرسکتا ہے۔ مگر اپنے مہمان کی توہین اور اس کی اذیت رسانی برداشت نہیں کرتا۔ اور تمام حجاج اللہ جل جلالہٗ کے مہمان ہیں اللہ تعالیٰ بھی اپنے مہمان کی توہین اور اذیت رسائی پسند نہیں کرتے اس لئے سب حجاج کرام کا اکرام کرنا چاہیے۔ ورنہ کم از کم ان کی توہین اور ایذاء رسانی سے بہت پرہیز کیا جائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک بات یہ فرمائی کہ جس طرح ہر عمل کو سیکھ کر کرنا چاہیے اسی طرح حج کو بھی سیکھ کر کرنا چاہیے۔ اگر صحیح علم کے بغیر حج کیا۔ تو حج مقبول

نہیں ہوگا اور ساری محنت برباد ہوجائے گی۔ پھر علم کی مزید فضیلت اور اہمیت کے بیان کے ساتھ علم کے مرکز ومنبع کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا کہ روئے زمین پر ایک جھونپڑی سے لے کر قصرِ صدارت تک جہاں کہیں بھی علم کی کوئی کرن نظر آتی ہے یہ سب مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے فیضان پہنچا ہے۔

صلوٰۃ وسلام کا تحفہ اور بندہ نوازی

ایک دفعہ جب حضرت حج یا عمرہ سے واپس سے تشریف لائے تو بندہ ملاقات اور زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ حضرت نے ملاقات کے وقت بندہ سے فرمایا کہ میں نے تمہاری طرف سے روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا ہے۔ اللہ اکبر، سبحان اللہ یہ واقعہ روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور صلوۃ وسلام کے تحفہ کی قدر و قیمت اور مجھ جیسے نالائقوں کے ساتھ بندہ نوازی کا عجیب نمونہ ہے۔ ربِ کریم حضرت کو بہت بہت اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اور آپ کے اس صلوۃ وسلام والے تحفہ کو شرفِ قبولیت سے نواز کر بندۂ نالائق کی بخشش کا بہانہ بنا لے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ۔

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے چند ملفوظات

ملفوظ: قاری عبدالرحمٰن عثمانی صاحب کا بیان کہ میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ فجر کی نماز کے بعد پیپلز کالونی نمبر دو میں سیر کرتے ہوئے ساتھ تھا۔ تو حضرت نے ایک جمعدار کو صفائی کرتے ہوئے دیکھا اور مجھے فرمایا عبدالرحمٰن یہ جمعدار اتنی سردی کے موسم میں گرم بستر چھوڑ کر، گھر کی راحت کو چھوڑ کر صبح سویرے جھاڑو کیوں دے رہا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا! اس کا مقصد صفائی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک ماہ پورا گزرنے کے بعد اس کو پیسہ ملے گا جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرے گا۔ پھر فرمایا قاری عبدالرحمٰن اگر ہم دین کا کام کرنے والوں کا مقصد بھی پیسہ ہو تو ہم میں اور اس جمعدار میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ملفوظ: اللہ جل جلالہ سے مانگنا اصل میں صرف اپنی محتاجی ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ اور اِس لئے ہمیں دعا کرنے کا حکم ہے اور مانگنے سے اللہ جل جلالہ راضی ہوتے ہیں۔ ورنہ تو اللہ جل جلالہ کو ہماری ضروریات کا علم پہلے سے ہے۔

ملفوظ: یہ اللہ جل جلالہ کا احسان ہے کہ بڑھاپا بھی رجوع الی اللہ کا سبب بن جاتا ہے۔

ملفوظ: نفس کی اصلاح کے بارے میں فرمایا کہ یہ خناس مرتے دم تک بھی ٹھیک ہو جائے تو بڑی غنیمت ہے۔ یہ بہت رنگوں میں شرارتیں کرتا ہے۔

ملفوظ: فرمایا کہ قبرستان میں کبھی مُردوں میں جھگڑا نہیں ہوتا یہ صرف زِندوں میں ہی ہوتا ہے۔اور ہونی کو انہونی نہیں کرنا چاہئے یعنی آپس میں پھر صلح وصفائی کرلینی چاہئے۔

ملفوظ: جو کام آدمی کے بس میں نہیں اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ کرسکتا ہے وہ کرے۔

ملفوظ: اللہ تعالیٰ کی محبت کے بقدر خلوص ہوتا ہے۔

ملفوظ: دعوت تبلیغ کے کام کے بارے میں فرمایا کہ پہلے اصلاح کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کیے جاتے تھے۔اب اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری کے لحاظ سے یہ مختصر اور آسان طریقہ جاری فرمادیا۔

ملفوظ: مسنون عمل کی اہمیت اور اس میں عوام مسلمانوں کی غفلت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا یہ حال ہوگیا ہے ۔ کہ اگر کوئی کہے کہ مفتی صاحب! میں بہت پریشان ہوں مجھے کوئی وظیفہ بتلائیں؟ اور اس کو کہا جائے کہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کریں۔تو وہ کہے گا کہ مفتی صاحب نے ٹرخا دیا۔اور اس کو کہا جائے کہ آدھی رات کو ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر فلاں وظیفہ پڑھنا ہے۔تو وہ کہے گا کہ مفتی صاحب نے مجھے بڑا وظیفہ بتلایا ہے۔

ملفوظ: ہدایت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔اس نعمت کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے، کہ آدمی زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔اور ساتھ اس نعمت کے لئے اپنی جان ، مال اور وقت کو خرچ کرے۔اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے'' لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ''یعنی اگر تم شکر ادا کروگے تو میں ضرور اپنی نعمتوں میں اضافہ کروں گا۔

ملفوظ: آپ فرماتے تھے جو لوگ تنگی اور مشقت کے زمانے میں دعوت میں آئے ہیں ان کے اخلاص میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو لوگ سہولت اور فروانی کے زمانے میں آئے ہیں ان کے اخلاص پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

ملفوظ: آپ فرماتے تھے مشرک کو اللہ تعالیٰ اسی لئے ہدایت نہیں دیتے ہیں کہ وہ غلط کاموں کو صحیح سمجھ کر کرتا ہے۔

ملفوظ: اپنی مملوکہ زرعی زمین زراعت کے لئے میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا اس زمین میں جتنی پیداوار کی صلاحیت موجود ہے اگر تم نے اس سے کم پیداوار لی تو اس پر قیامت میں پکڑ ہوگی۔

ملفوظ: ایک صاحب نے آپؒ سے اپنے بھائی جس کو وہ اپنے گھر میں ساتھ نہیں رکھنا چاہتے تھے اس کی بعض نازیبا حرکات کی شکایات کیں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا آدمی کے بدن میں سب سے بُری چیز آدمی کی پیشاب کی جگہ ہے، کہ جس میں سے سوائے گندگی کے کچھ نہیں نکلتا۔ لیکن اس سب کے باوجود آدمی اس حصے کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے اور مسجد میں بھی ساتھ لے جاتا ہے، اور حرم شریف تک میں بھی ساتھ رکھتا ہے، یہ تو تمہارا ماں جنا بھائی ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اس کو اپنے ساتھ ہی رکھو۔

ملفوظ: ایک دفعہ ایک آدمی نے آپؒ کو اطلاع دی کہ فلاں آدمی نے آپؒ کے بارے میں کچھ غلط باتیں شائع کی ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کا جواب لکھوں؟ مگر آپؒ نے فرمایا کہ نہیں رہنے دو کس کس کا جواب دوگے، ہمارے جنازے ان کو بتائیں گے کہ ہم کون ہیں۔

ملفوظ: آپؒ نے فرمایا کہ ہمارے دعوت کے منبر کام کے لئے ہیں اکرام کے لئے

نہیں ہیں۔

ملفوظ: آپؒ نے فرمایا کہ جن گھروں میں ہم رہتے ہیں یہ مدینے کے اصلی مکانات کے مشابہہ بھی نہیں ہیں ہاں البتہ ان کو فراعنہ کے محلات کہا جا سکتا ہے۔

ملفوظ: ایک دفعہ اعتکاف کے دوران تین بیٹوں اور دو دامادوں یعنی پانچ گھروں سے افطار کا سامان اکھٹا ہو گیا جس کی وجہ سے دستر خوان بھر گیا۔اس پر بیٹوں اور دامادوں کو فرمایا کہ اگر آج عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو تمہارے ان دستر خوانوں کی وجہ سے مار مار کر تمہاری شکلیں بگاڑ دیتے۔

ملفوظ: اعتکاف کے دوران مفتی ضیاء الحق صاحبؒ نے جمعہ کا بیان کیا اور میں نے خطبہ اور نماز پڑھائی اس موقع پر آپؒ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور آپؒ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! جہاں تک میرے بس میں تھا میں ان کو لے آیا ہوں اب تو ہی ان کو حقیقت نصیب فرمادے۔

ملفوظ: ایک دفعہ ایک ہسپتال کے افتتاحی موقع پر ڈاکٹروں کے مجمع میں فرمایا! بہت زمانہ ہم تمہاری دوائیں کھاتے رہے پتہ نہیں تم لوگ کیا کیا الا بلا کھلاتے رہے۔ مگر مجھے بہت سالوں کے بعد اب میرے حکیم صاحب نے مجھے بتلایا کہ مفتی صاحب! جو پانی آپ پیتے ہیں وہ غلط ہے اس کو ابال کر پیا کریں اور روٹی چھنے ہوئے آٹے کی بجائے موٹے آٹے والی (بغیر چھنے کی) روٹی کھایا کریں اور آپؒ نے فرمایا ہمارا اصلی کھانا پینا ہی غلط ہے تو غیروں نے ہی ہمارے مال سے نفع اٹھانا تھا۔

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بیانات سے اقتباسات

بقلم جناب ماسٹر ریاض احمد صاحب

اقتباسات سے پہلے

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بیانات ایسے ایمان افروز اور دلنشین ہوتے تھے۔ کہ بندہ کا جی چاہتا تھا کہ حضرت کا ہر بیان مکمل قلمبند کر کے محفوظ کرلیا جائے مگر بندہ کے لئے بظاہر ایسا کرنا ممکن نہ تھا اس لئے اس ضابطہ کی بناء پر کہ "مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ "، یعنی اگر کوئی خیر کی چیز ساری حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر ساری کی ساری چھوڑ دینا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے بندہ نے حضرت کے بعض بیانات میں سے چند اقتباسات قلمبند کر کے محفوظ کر لئے۔ بندہ یہ چند اقتباسات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

بموقع پرانوں کا جوڑ

مؤرخہ 15 اپریل 1983ء کے بیان سے۔

سال میں ایک مرتبہ آپ حضرات جمع ہوتے ہیں موضوع ہوتا ہے کہ ان پرانوں کو یاد دہانی کراویں، کس طرح رہنا ہے، جینا ہے، مرنا ہے، سوچنا ہے، بولنا ہے، اُٹھنا ہے، عبادات، معاشرت، کیسے نکلنا ہو، مالوں کا خرچ، حصول، وقت کہاں کہاں لگانا چاہیے یاد دہانی ہو جائے جہاں قول کے ساتھ یاد دہانی وہاں عمل سے بھی ہو۔ آداب سے نکلیں امیر مامورین کیسے رہیں گے۔ وہاں کیا کرنا ہے لوگوں سے کیسے معاملہ کرنا ہے۔ طبقات کی طرف متوجہ ہونا ہے عملاً بھی ہو یاد دہانی بھی ہو۔ یکسوئی سے وقت گزاریں کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ پورے سال تک اچھی طرح وقت گزارنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ درمیان میں آدمی پر جو غفلت طاری ہوتی ہے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اس سے حفاظت فرماویں۔

پرانوں کی پہلی بات یہ ہے کہ ان کو جس چیز نے پرانا بنایا ہے جس عمل ظاہر سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے ان کو اچھے اعمال کی توفیق عطا فرمائی ہے یہ اس میں آگے بڑھتے رہیں۔ مختصر یہ کہ پرانوں کو ہر طرح کا نکلنا آئے اور نکلتے رہیں۔ جتنے پرانے ہیں ان کو

یاد ہوگا چند گھنٹوں کے نکلنے سے لے کر سالوں تک نکلنے میں برکت ہے۔اگر نکلنے کے عمل کو چھوڑ دیا تو ان کو بہت نقصان پہنچتا ہے بعض اوقات کچھ نہیں رہتا۔اس بناء پر نکلنے کو بالکل نہیں چھوڑنا چاہیے۔ایک اہل اللہ کو ساتھی نے دیکھا تسبیح پھیر رہے ہیں اور پوچھا کہ ابھی بھی تسبیح ؟ فرمایا جس تسبیح نے یہاں پہنچایا ہے اسے کیسے چھوڑ دوں۔اوراس راستے کے جتنے لوگ ہیں جہاں پہنچے ہیں اس نکلنے ہی نے پہنچایا ہے کچھ نہ سمجھیں اپنے آپ کو۔اس نکلنے میں اپنے پچھلے سالوں کو دیکھنا ہے کہ ان کے مطابق آگے بڑھ رہا ہوں یا کم ہورہا ہوں۔اگر کام کم ہورہا ہوتو یقیناً پیچھے گر رہا ہے۔ڈھائی گھنٹے روزانہ، ہفتہ میں دوگشت، روزانہ گھر، مسجد کی تعلیم، اپنی تسبیحات کا وقت، مہینے کے تین دن، جماعتوں کی نصرت، شب جمعہ کا قیام، سال کا چلہ، ملکوں کے لئے بروقت نکلنا آجائے۔

پرانا وہ ہے جسے ہرصورت اور ہرحال میں نکلنا آتا ہو۔جیسے غزوہ خندق میں شریک لوگ انتہائی تھکے ہوئے غزوہ خندق سے مدینہ منورہ واپسی پر جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے پوچھا آپ ﷺ سے کہ آپ نے زِرہ اتار دی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہم نے تو نہیں اُتاریں۔ابوسفیان کا تعاقب کیا جائے اور وہ بھی پرانے کریں گے جو غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔آپ ﷺ باہر تشریف لائے سب کو تعاقب کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ایک صحابی زخموں سے لیٹا ہوا تھا یہ ارشاد سن کر قریب والے سے کہنے لگا میری حالت کو دیکھ رہے ہو مجھے کندھے پر اٹھا کر لے چلو گے؟ کہا ہاں ضرور لے چلوں گا۔دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو معذور نہ سمجھا جانتے تھے یہ حکم ہے اب نکلنا ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر کھجوریں پکی ہوئی ہیں، مقروض ہیں، شدید گرمی ہے،

منافق کہہ رہے تھے کہ اس گرمی میں کیسے نکلیں۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا حکم آیا کہ نکلو ہلکے ہو یا بھاری ہو تیاری شروع ہوئی۔ تیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور ﷺ کے ساتھ نکلے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو آخری مرتبہ دو آدمی اونٹ پر بٹھا رہے تھے اس وقت کہا اللہ کا شکر ہے "حضور ﷺ کی اونٹنی ان کے ہاں ٹھہری تھی۔" ساتھیوں نے رائے دی کہ آپ تو ہر قسم کا نکلنا نکل چکے اب تو بیٹھ جائیں۔ فرمایا مگر "اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا اَوۡ ثِقَالًا" مجھے بیٹھنے نہیں دیتی۔ اسی حال میں نکل کر کہتے ہیں میدان جنگ میں بیماری کی حالت میں فرمایا میری چارپائی کو آگے رکھنا، جو جتنا گھر سے دور ہوگا اتنا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے قریب ہوگا۔ یوں فرمایا کہ اگر انتقال ہو جائے تو آگے لے جانا چنانچہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے ایسے ہی کیا۔ یہ وہ پرانے تھے جن کا بیمار جسم اور میت بھی چلتی رہی۔ جسے ہر صورت اور ہر وقت نکلنا آتا ہو اس کے لئے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہر وقت کے احکامات پورا کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرماتے ہیں اور آسان بھی فرما دیتے ہیں۔

انہیں بھی یاد رکھو جنہوں نے نکلنا چھوڑا نہیں تھا بلکہ چھوٹ گیا تھا اور انہوں نے اس کا نہ تو انکار کیا تھا اور نہ ہی ہلکا سمجھا بس یہی تھا کہ ابھی نکلتے ہیں۔ جب واپسی ہوئی تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا حکم ہوا کہ رہنے والوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔

نکلنے کے ساتھ ساتھ پرانوں کی ذمہ داری ہے کہ صرف اپنے نکلنے کو جاری نہ رکھیں بلکہ سب کی فکر کریں۔ اوروں کے نکلنے کا ذریعہ بنتے رہیں۔ انہی کی ذمہ داری ہے جیسے حضور ﷺ چاہتے تھے اور بقول حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ حضور ﷺ پوری امت کو پوری امت کا ذمہ دار بنا کر گئے ہیں۔ سب کو آگے بڑھاتے رہنے کی کوشش کریں۔ اس طرح نکلنے کے علاوہ اپنے اعمال یعنی صفاتِ قبولیت کا فکر رکھنا اور اپنے ایمان کی فکر بھی ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت

حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ کیا حضور ﷺ نے تمہیں منافقوں کے نام بتائے تھے؟ کہا کہ کسی کو نہیں بتانا، پوچھا کہ میری زندگی، موت کا مسئلہ ہے مجھے بتا دیں کہ میرا نام تو اس میں شامل نہیں ہے؟ ساری بشارتوں کے باوجود اپنے ایمان کی فکر ہے۔ حج سے واپس آ رہے ہیں لیٹے ہوئے کہہ رہے ہیں اے اللہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں ذمہ داریاں بڑھ گئیں امت بڑھ گئی سب کا بوجھ ہے یا اللہ مجھ سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ملک میں کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمر کی پکڑ ہوگی۔ ایک موقع پر جب بوری پیٹھ پر رکھ کر لے جانا چاہتے ہیں تو غلام سے فرماتے ہیں کہ میرا آخرت کا بوجھ کوئی نہیں اٹھائے گا۔

یہ پرانوں کا خروج ہے جب پرانے صحیح چلتے ہیں تو امت صحیح چلتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میرے اور اللہ جل جلالہ کے درمیان سے پردے ہٹ جائیں تو ایمان میں فرق نہ آئے۔ ایک موقع پر پہرے داروں سے فرمایا کہ تم اوپر والے سے پہرہ دے رہے ہو یا نیچے والوں سے۔

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے اے ایمان والو ایمان لاؤ یعنی مطلوب ایمان کو حاصل کرو اور اس کی فکر کرو۔ آدمی کا کبر کرنا اللہ جل جلالہ کو ناپسند ہے جس چیز نے شیطان کو شیطان بنایا جب آدمی کے اندر وہ چیز آتی ہے تو اللہ جل جلالہ کی نگاہ میں گر جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ حسنِ خاتمہ کی دعا کرتے رہا کرو کہ ایمان پر موت آئے۔ اعمال اور عمل کی کی فکر کرو کہ ہر عمل اپنی جگہ پر بڑا قیمتی ہے۔ کسی عمل کو کم حیثیت سمجھنا بہت خطرناک ہے۔ ہر عمل صفِ اول میں رکھنا ہے نماز، اخلاص، علم، سخاوت، قربانیاں غرض ہر چیز صفِ اوّل میں ہو۔

12اپریل1987ء کے بیان سے

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِیۡعاً......

اللہ تعالی نے انسان کو مرکزی حیثیت عطا فرمائی ہے ۔انسان کی وہی حیثیت کائنات میں ہے جو دل کی سارے جسم میں ہے۔انسان کے بگاڑ سے سارے نظامِ کائنات میں فساد، بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ أَیۡدِی النَّاسِ ......

انسان کا بننا باہر سے نہیں بننا، بلکہ انسان کا اندر سے ایمان و اعمال صالح کے لحاظ سے بننا ہے۔انسانوں کے بننے میں بھی کچھ سوچ غلط ہوگئی کہ فلاں صحیح ہو جائے اس پر تو تقریر ہے کہ انسان بن جائے ۔میں بن جاؤں اس کی محنت اور سوچ کم ہے ۔اگر تجھے اپنا اندر نظر نہیں آتا تو دوسروں کا غلط تجھے کہاں سے نظر آئے گا۔ یہ بھی عذاب کی ایک شکل ہے کہ اپنی غلطی نظر نہ آئے دوسروں کی نظر آئیں۔ یہ بینائی کی غلطی ہے۔ گویا دوسروں کی عیب بینی میں لگ گئے ۔دوسرے طبقوں والے، دوسرے رنگ والے، دوسرے ملک والے غلط ہیں۔ گویا دوسرے لوگوں کی شکایت و گلہ شروع ہو

گیا۔ باہر سے انسان کا بننا، ملک و مال کپڑوں اور چیزوں کے اعتبار بننا اس کا بننا نہیں ہے یہ تو چیزوں کا بننا ہوا انسان کا نہیں۔

انسان کو بنانے والے اللہ جل جلالہ ہیں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا۔ گویا اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ہر وقت یاد رکھنے کی بات ہے کہا اللہ جل جلالہ نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ انسان کو اور ان انسانوں کی جنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اگر انسان خود اپنی طرف سے انسانوں کے بننے کے طریقے اختیار کرے گا تو غلطی ہے۔ قیامت تک کے انسانوں کے بننے اور بگڑنے کے طریقے اور اسباب سیّد الکونین ﷺ کو علم دیا گیا۔ گویا انسانوں کے بننے کا علم تو محمد رسول اللہ ﷺ سے پوچھنا پڑھے گا جیسے نابینا آنکھوں والے کے اشارے پر چلتا ہے پس اگر اندھا بن کے حضور ﷺ کے پاس آؤ گے تو راستہ پاؤ گے۔ اگر اندھا ہے اور اپنے کو بینا سمجھتا ہے تو چند قدم پر ہی کسی کھڈے میں گرے گا۔

پہلی محنت خالقِ کائنات کو حاصل کرنے کی ہے نہ کہ کائنات کو حاصل کرنے کی۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے اس کی دعوت دی جائے اس دعوت کو سننے اور دیکھنے کی مشق کی جائے اور دماغ سے اسی کو سوچا جائے۔ آنکھ، کان، اور زبان کا براہِ راست دل سے رابطہ ہے۔ سانپ کو دیکھتے ہی دل متاثر ہوتا ہے باقی جسم بعد میں۔ کان سے گالی سنتے ہی دل میں غصہ پہلے آئے گا۔ اسی طرح زبان سے اچھا بول بولنے سے دل پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ بس ان اعضاء کی مسلسل دس سال تقریباً میرے نزدیک ان کی مشق کی جائے چار ماہ کی بات نہیں۔ بقول مولانا یوسف صاحبؒ جب تک مخلوق کو مرا ہوا سانپ نہ سمجھ لو اس وقت تک یقین صحیح نہیں ہوگا۔ ان ساری طاقتوں، ایٹمی طاقتیں، صدارتوں، وزارتوں کی طاقتوں کو مرا ہوا سانپ ہی نہ سمجھیں گے تو یقین کا درجہ صحیح نہ ہوگا۔

گویا دل میں یہ سارے ناجائز قابض ہیں۔اصل قبضہ تھا اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کا۔جب تک یہ ناجائز قابض نہیں نکلتے اس وقت تک اصل قابض اندر نہیں آئیں گے۔کیونکہ اصل قابض شرفاء ہیں ناجائز قابضین کو نکالنے کے لئے بہت محنت درکار ہے۔

مکہ مکرمہ میں ان ناجائز قابضین کو نکالنے کے لئے تیرہ سال لگے تھے اب اپنا حال خود سوچ لیں۔جہاد اللہ ﷻ کے احکام میں سے ایسا ہے جیسا اونٹ کے کوہان ہوتا ہے جس کا ایمان ،یقین اللہ کی ذات وصفات پر پورا آجائے تو اعمال واحکام آسان ہیں۔

بدر میں ایک ٹہنی کھجور کی ایک صحابی جس نے آکر کہا کہ میری تلوار ٹوٹ گئی نبی ﷺ کے ہاتھ سے اس ملی ہوئی ٹہنی کو صحابی صرف ٹہنی ہی نہیں سمجھ رہا تھا۔بلکہ سب کچھ بس وہ ٹہنی تلوار کا کام کرتی تھی۔

مقصدِ حیات اور طرزِ حیات بھی حضور ﷺ والا بنایا جائے۔طرزِ حیات صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ مقصدِ حیات حضور ﷺ والا مقصدِ حیات نہ بنایا جائے۔طرزِ حیات یعنی سیرت کو تو خوب کہا سنا جائے لیکن مقصدِ حیات کو سرسری سمجھا جائے۔

ایک ساتھی کو انارکلی دکھلانے کے لئے چند ساتھیوں نے اصرار کیا انہوں نے کہا کہ میں نے میانوالی کا شہر دیکھ لیا ہے۔بس میں نے طے کرلیا تھا کہ اب کوئی شہر نہیں دیکھوں گا۔گویا اگر لاہور میانوالی سے دس گناہ بڑا ہے تو میں اس کو دس سے ضرب دے لوں گا۔سارے شہروں اور دنیا کے مال ومتاع کا یہی حال ہے۔

غیبت سے بچنا،یہ نہیں کہ مجلس میں دوسروں کے گوشت کو نوچیں اور پھر کوشش کریں کہ دل میں جوڑ ہو مشکل ہے اگر جوڑ چاہیے تو ساتھیوں کی غیبت چھوڑ و۔

یہ وقت فارغ کرنے کا نصاب (چار ماہ، چلہ) چلنا سیکھنے کے لئے ہے۔ چلنے کے بعد پھر کوئی نصاب نہیں۔ ابھی ہم نے کام شروع نہیں کیا۔ جب شروع کریں گے تو مشکل اور ہوگی کیونکہ جب آدمی کسی کام کو کام سمجھتے ہوئے کرتا ہے اور کام مکمل نہیں ہوتا تو آدمی کسی اور کام میں نہیں لگتا ہے۔

ایک بادشاہی مسجد میں کئی سال عیسائی خطیب رہا ہے لیکن عیسائی کا عیسائی رہا۔ کیونکہ اس کی نیت اپنے کو بدلنے کی تھی نہیں۔

اپنے بارے میں خوش گمانی نہیں بلکہ بدگمانی میں رہنا بھی ایمان کی بات اور ایمان کی حالت بننے کا ذریعہ ہے۔ جس طرح حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ حنظلہ منافق ہوگیا۔

بموقع پرانوں کا جوڑ (رائیونڈ)

مؤرخہ 13 اپریل 1987ء کے بیان سے۔

حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا۔ ہمیں اس طرح رہنا اور چلنا ہے کہ کوئی ہم سے ناراض نہ ہونے پائے۔ اور ساتھیوں کو بھی اپنے سے ناراض نہ ہونے دیں۔ اس طرح اس میں سب سے زیادہ کمائی کرنے والا، وہ جو ساتھیوں کا خیال رکھے اور ساتھیوں پر خرچ کرے۔ حضرت جیؒ فرماتے تھے کہ شروع سے ہی اصولوں کی پابندی کریں اور ذکر سے اور فکرِ آخرت سے چلیں۔

اس جوڑ کا مقصد ایک یہ بھی ہے کہ ہم سب کے سب ایک ہی طرز، ایک ہی فکر سے چلیں۔ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب اہتمام سے حضرت جیؒ اسکی دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ اس راستے کے اصول اور حقیقتیں ہم پر کھول دے۔

جو اپنی طبیعت کی رعایت رکھ کر یا ساتھیوں سے اپنی طبیعت کی رعایت کروا کر چلے گا وہ ترقی نہ کر سکے گا بلکہ ساتھیوں کی رعایت رکھے۔ جس ساتھی سے اصول کی کمی ہو، یا کمی دیکھیں گے اس سے محبت خوب کریں گے۔ اس کام میں نہ ہی کسی کی بغاوت کرنی ہے اور نہ ہی کسی کی خوشامد کرنی ہے۔ اصولوں کی معلومات کو دوسروں پر پرکھتے ہیں حالانکہ ان معلومات سے اپنی بے اصولیوں کو دیکھنا ہے۔ جو بڑے حضرت

کے شروع میں تھے تو وہ چھوٹے حضرت کے دور میں کٹ گئے۔ایک ساتھی حجاز کے قیام میں خوب کام کرتا تھا مگر واپس پاکستان آ کر کٹ گیا۔پس جو خوب چلنے والا ہو اور دوسروں کی کمیوں کو دیکھے اور کوسے، وہ چند روز کا اس کام میں مہمان ہے۔بس ہم کمزور ہیں۔اگر ساتھیوں کی کمیوں پر غصہ آ جائے تو اپنی کمی سمجھے۔ساری بے اصولیوں کو برداشت کرلو اور برداشت کرتے ہوئے محبت سے چلو۔آپس کی محبت کم نہ ہو خواہ گشت کم ہو یا تعلیم کم ہو۔جب پاکستان تقسیم ہوا تو حضرت جیؒ مسجد کے چبوترے پر بیٹھے تھے۔فرمایا مسلمان تقسیم ہو گیا تو ملک تقسیم ہو گیا۔جو دین میں کم تھے دین والوں نے ان پر محنت نہ کی۔ہر ایمان والے کی قدر ضروری ہے۔یعنی جس برتن میں ایمان ہے اس برتن کی قدر کرلیں۔گویا اس ایمان والے انسان کی قدر کرلی۔اگر اس ایمان والے کی قدر نہ کی اور دعا مانگیں "اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ" تو ممکن ہے۔خدا رد کردے۔

1945ء کا ایک قصہ ہے، کہ دارالعلوم دیوبند سے طلباء آئے تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بقول حاجی عبدالوہاب صاحب کے، کہ اگر علماء کی قدر کرے تو تجھے مکمل علم آئے گا۔میں نے کہا ان میں عمل نہیں ہے علم ہے۔اگر ان کی خدمت کی تو ان میں غرور پیدا ہو گا۔حضرتؒ نے فرمایا تو ان کو چھوڑ، اپنی فکر کر۔مثال دے کر فرمایا ایک ڈبیہ جو پاخانہ میں پڑی ملے جس میں ہیرا ہے۔اگر ان طلباء کی قرآن و حدیث کی وجہ سے قدر کرے گا۔گویا کہ تجھ کو قرآن و حدیث کا علم ان کے ذریعہ یا کسی اور کے ذریعہ تجھے ملے گا۔اور یہ ملے گا اس برتن کی خدمت کرنے سے۔

حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ جماعت میں ایک ساتھی ایسا ضرور جوڑا کرو جو یہ سمجھے کہ میں کسی کام کا نہیں ہوں۔مجھے اس میں کیوں جوڑا گیا اور ساتھی بھی یہی سمجھیں کہ اس کو ہمارے ساتھ کیوں جوڑا، اس کو تو کچھ آتا جاتا نہیں۔فرمایا ایسے آدمی کی وجہ

سے جماعت پر اللہ جل جلالہ کی مدد آتی ہے۔ہمیں کسی ساتھی کے متعلق اندازہ لگانا کہ یہ ایسا کرے گا، یا یہ ایسا ہی ہے۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ ہر ساتھی کی قدر کرو خواہ وہ کیسا ہی ہو۔گویا تحقیرِ مسلم حرام ہے، تحقیرِ مسلم سے بچو۔کسی کی کمی کو دیکھ کر اس سے محبت اور تعلق کو کم کر دینا خطرناک چیز ہے۔اگر ہمیں لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔تو یہ مالک سبحانہ کی ہی مہربانی ہے۔تیرا تو کوئی کمال نہیں ہے توں تو گندا ہی ہے۔

بقول حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے فرمایا کہ ساتھیوں کی بے اصولیوں کو دیکھ کر ساتھیوں سے جڑے رہنا، الگ نہ ہونا، ورنہ کام سے الگ ہو جاؤ گے۔اگر اس کو دیکھنے کی طبیعت نہیں چاہتی تو بھی اس کے قریب اپنے آپ کو لاتے رہیں۔حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سب سے مضبوط عمل کونسا ہے فرمایا کہ ''محبت''۔آج کل عبادتیں عادت کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔فرمایا حضرت جیؒ نے یہ کوڑا کرکٹ بھی دوزخ کی آگ سے بچنے کا ذریعہ بنے گا۔

ظہر کی نماز کے انوارات علیحدہ ہیں۔ ہر نماز کے انوارات علیحدہ ہیں۔اس لئے ہر نماز میں دعا مانگیں ''یا اللہ اس وقت کی نماز کے انوارات عطا فرمایئے۔'' کسی کو دعوت دیں تو درد کے ساتھ، کڑھن کے ساتھ اور شفقت کے ساتھ بات کہو اور یقین سے بات کہو۔اگر کوئی اپنا حق اس وجہ سے چھوڑ دے کہ یہ لڑے گا یا نزاع پیدا ہو گا۔تو جنت کے بیچ میں محل بنا دیا جاتا ہے۔

علماء کرام کو ہدیہ دیں اور ان کی خدمت کریں۔یہ پالیسی نہیں ان کا حق ہے حق سمجھتے ہوئے ہدیہ دیں۔علماء کی قدر دانی کرنے سے تفصیلی علم آئے گا۔جو کھانا مہمان کے لیے پکایا جاتا ہے اس کا حساب نہیں، اور بچوں کی شمولیت سے بھی کھانا کھانے کا حساب نہیں۔مشورہ میں نئے پرانے سب ساتھیوں سے رائے لو۔صرف

پرانے ساتھیوں سے ہی مشورہ نہ کریں نئے ساتھی کی بھی رائے لواور اس کی رائے کو اہمیت بھی دواس کی حوصلہ افزائی بھی کرو۔ یہ خیال نہ ہو کہ یہ تو نیا ساتھی ہے کیا رائے دے گا۔

گشت میں جاتے ہوئے کیا عمل کرتے جائیں گے۔ساتھیوں سے بھی پوچھو۔ سب کے سامنے مذاکرہ کرو۔اوراس وجہ سے جلدی کرنا کہ اگر گشت کا مذاکرہ کیا۔تو بستی والے نکل جائیں گے یہ صحیح نہیں ہے۔خوبی کی بات یہ ہے کہ ساتھیوں کی تربیت اور بستی والوں کو جوڑے، دونوں کا خیال رکھنا ہے۔

بیان میں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات بیان کریں۔اپنی مدد کے واقعات نہ بیان کریں۔اُمت کی کمیوں کو بیان نہ کریں، برائیوں کو بیان نہ کریں۔ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ انبیاء علیہم السلام کے واقعات خوب سناتے تھے۔

حاجی عبدالوہاب صاحب فرماتے ہیں کہ جب کوئی ساتھی رائے ونڈ آتا (اس وقت آمد بہت کم تھی) تو میاں جی عبداللہؒ فرماتے کہ غسل خانوں میں پانی بھراؤ، ٹھنڈا پانی پلاؤ، کھانا کھلاؤ۔اور میں تھا کہ پہلے آنے والوں کو بات کرنے میں لگنے کی کوشش کرتا۔مگر میاں جیؒ فرماتے کہ پہلے ان کو کھلاؤ پلاؤ، اور پھر بات کرو۔

اجتماعی طور پر تو خوب بات کرو اور عذر کی نفی کرو۔مگر انفرادی بات نرمی اور مناسبت سے کی جائے۔ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا ہائے میرے گناہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے فرمایا وضو کرو اور نماز پڑھی۔ پھر اس نے کہا ہائے میرے گناہ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا۔اب گناہ کہاں رہے وضو کیا، نماز پڑھی، گناہ معاف ہوگئے، دھل گئے۔

بعد نماز تراویح دورانِ اعتکاف جامع مسجد فیصل آباد

مؤرخہ 29 رمضان المبارک 1987ء کے بیان سے

اس امت کو دو ایسی چیزیں ملی ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ ایک خود حضور ﷺ کی ذات عالی اور دوسرا قرآن (آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب) یہ کتاب ایسی کتاب ہے کہ پرانی نہیں ہوتی۔ دوسری کتابیں ایک دفعہ پڑھنے سے یا چند دفعہ سے پڑھنے سے پرانی ہو جاتی ہیں۔ لیکن قرآن کو جتنا اور جتنی دفعہ پڑھا جائے مزہ اور لذت بڑھتی جائے گی۔ اور کسی کتاب کے اتنے حافظ نہیں ملتے۔ اگر ہیں بھی تو کسی کتاب کے اور چند ایک۔ مگر قرآن کے حافظ ہزاروں سے زیادہ، بالخصوص پاک و ہند میں سارے قرآن کے حافظ ساری دنیا سے زیادہ ملتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرنے والے اور قرأت میں بہت سے لوگ ہیں۔ ان کی کیسٹیں بھری ہوئی ہیں۔ مگر ان کو کہا جائے کہ الٓمّٓ سے وَالنَّاس تک سارا قرآن سنا دو عاجز ہوں گے۔

الحمد للہ حافظ قرآن کی تعداد اس قدر ہو گئی ہے کہ مساجد نہیں ملتیں تو گھروں میں قرآن سنانے کا انتظام کرنا پڑ رہا ہے۔ قرآن پاک تیئیس سال میں نازل ہوا۔ اس وقت

لوگ قرآن پڑھ بھی رہے تھے، اور سیکھ بھی رہے تھے، ساری امت سیکھ رہی تھی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ بوڑھوں میں اور زید رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ بچوں میں سیکھ رہے تھے۔ بڑے، چھوٹے، مالدار، غریب یہاں تک کہ عورتیں بھی سیکھ رہی تھیں۔ کوئی صحابی ایسا نہ تھا کہ مسلمان ہو اور قرآن نہ سیکھ رہا ہو۔ سب نے سمجھا ہوا تھا کہ سیکھنا ہمارے لئے فرض ہے۔

سیکھنے کی یہ صورت نہ تھی جو کہ ہمارے ہاں رائج ہے 1950ء کی بات ہے ایک مصری کہنے لگا؟ کہ تمھارے ہاں قرآن کے حافظ ہوتے ہیں۔ میں نے کہا لاکھوں کی تعداد میں! اس نے پوچھا کہ وہ اس کو سمجھتے بھی ہیں؟ میں نے بتایا کہ وہ اور اکثر سننے والے نہیں سمجھتے! اس نے کہا یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کچھ سمجھ نہ ہو اور یاد بھی ہو۔

اس طرح قرآن مجید کو پڑھنے کا قرونِ اولیٰ میں دستور نہ تھا کہ قرآن پڑھنے والے اسے سمجھتے نہ ہوں۔ اس زمانہ میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ بہترین آواز میں پڑھنے والے کو جا کر دیکھا جائے۔ تو تمیز کرنا مشکل ہے کہ مسلمان ہے کہ غیر مسلم۔ اس طرح قرونِ اولیٰ میں قرآن مجید نہیں پڑھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک صاحب قرآن پڑھنے کے لئے آئے پڑھانے والے نے ایک آیت پڑھائی (وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ) دوسرے دن سیکھانے والے نے انتظار کیا لیکن نہ آئے تو کچھ مہینے بعد آئے اور کہا کہ میں باہر چلا گیا تھا اور اب پھر سیکھنے آیا ہوں۔ آپ نے قرآن کی ایک آیت سیکھائی تھی (وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ) گھر جا کر میں نے تکرار کیا تو اس کے معانی مجھ پر کھلنا شروع ہوئے "جہاد کرو اللہ کے راستہ میں جہاد کا حق ادا کرو" اللہ جل جلالہ نے یہ بات کھولی کہ سارا کنبہ اور سارا مال لے جاؤ اور سب کچھ جہاد میں لگا دو۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ سب شہید ہو گئے میں بھی شہادت تلاش کرتا رہا مگر مقدر میں نہ تھی۔

قرآن اس لئے آیا کہ اس کے مطابق اے حاکم، اے تاجر اے ملازم اپنے آپ کو بناؤ۔ ورنہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح ذلیل اور ہلاک ہو جاؤ گے۔ قرآن عزت کے فیصلے بھی لے کر آیا ہے اور ذلت کے فیصلے بھی لے کر آیا ہے یہ جھوٹی قسمیں کھانے اور تعویز بنا کر گلے میں لٹکانے اور غلاف میں لپیٹ کر طاق میں رکھنے والے کے لیے نہیں آیا۔

علم اور عمل دو بھائی ہیں۔ اگر علم آتا ہے تو وہ اپنے بھائی عمل کو بھی بلاتا ہے۔ اگر عمل نہیں آتا تو علم بھی چلا جاتا ہے۔ اصل میں علم معلومات کا نام نہیں بلکہ یہ ایک نور ہے جو کہ سینہ میں آتا ہے جس کی روشنی میں پھر عمل کرتا ہے قرآن کو سیکھنے میں صحیح پڑھا جائے خواہ تھوڑا ہو۔ یہ احساس کہ میں قرآن غلط پڑھتا ہوں مجھے صحیح پڑھنا چاہیے۔ کسی کو صحیح پڑھتے ہوئے سن کر بھی صحیح کرنے کا فکر نہیں پیدا ہوتا۔

اسی طرح نماز تو پڑھ رہے ہیں مگر صحیح نماز پڑھنے والے بہت کم ہیں۔ اور پھر اس کو صحیح کرنے کا احساس بھی نہیں۔ ساری زندگی نماز پڑھتے ہیں معنی بھی نہیں جانتے۔ اذان کہنے، اقامت کہنے اور قرآن پڑھنے کا شوق تو بہت ہے مگر صحیح پڑھنے کا شوق نہیں۔

گویا دو قرآن ہیں۔ ایک کتاب کی شکل میں ایک عمل کی۔ علم قرآن کا قرآن ہے مگر عمل حضور ﷺ ذاتِ اقدس میں، نماز کا علم قرآن میں ہے اور عمل حضور ﷺ ذاتِ اقدس میں، حج کا علم قرآن میں ہے اور عمل حضور ﷺ ذاتِ اقدس میں روزے کا علم قرآن میں ہے مگر عمل حضور ﷺ ذاتِ اقدس میں اسی طرح سارا علم قرآن میں ہے۔ اور سب کا عمل حضور ﷺ کی ذات اقدس میں۔ گویا ایک چلتا پھرتا قرآن اور ایک کتاب کی شکل میں۔

مؤرخہ 13 اپریل 1988ء کے بیان سے

وَ بَعْدُ " وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًاوَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا "

''اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ و اور سارے مل کر پکڑو۔ اور تفرقہ میں مت پڑو۔ الگ الگ مت ہو۔ یاد کرو اللہ ﷻ کی اس نعمت کو جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ ﷻ نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا۔'' ایسے دل جڑے کہ بھائی بھائی بنا دیا۔ حاکم محکوموں اور محکوم حاکموں کے بھائی بھائی بن گئے ایک باپ کی اولاد جیسے ہوتی ہے۔ ایسی اولاد جو اس دور میں حال تھا جب انسانی شرافتیں انتہاء کو پہنچیں ہوئی تھیں انسانی ترقیات کا آخری دور تھا اس زمانے میں جیسے بھائی بھائی تھے ویسے بھائی بھائی بن گئے۔ اس دور میں بھائی بھائی کہاں ہیں باپ بیٹے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی فکر میں ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام ایمان والے ایسے ہیں جیسے کہ جسم واحد کے اعضاء ہوتے ہیں۔ اگر آنکھ میں ذرا سی تکلیف ہوتی ہے تو سارا بدن بیکار ہو گیا۔ اگر پاؤں میں کانٹا چبا ہے تو مجھے چبا ہے مجھے تکلیف

ہے سارے جسم تکلیف میں ہے ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہے۔ وہ ایسے ہو گئے جیسے جسم کے اعضاء۔ایک کی تکلیف سب کی تکلیف،ایک کی راحت سب کی راحت۔ گرمی میں ٹھنڈا گلاس پوروں کو لگا سارے جسم میں ٹھنڈ پہنچی۔اس طرح حضور ﷺ نے یوں بیان فرمایا کہ میں نے محنت کر کے امت کو جوڑا ہے اور ایسے جوڑا ہے جیسے جسم کے اعضاء۔ ہر انسان کسی طور سے بھی دوسرے سے نہیں ملتا ان کو اللہ نے جوڑا۔

مثال: ایک آدمی کے گھر میں بکری کی سری آتی ہے دوسرے کے گھر میں بھیجا حتی کہ پھر پہلے گھر میں آ گئی۔اس جوڑ کی صورت میں اللہ جل جلالہ نے وعدے فرمائے اور صرف وعدے نہیں کئے بلکہ آپس کے جوڑ دکھلائے میدانوں میں، لین دین میں، طبقات کے درمیان، گھروں میں اللہ جل جلالہ نے دلوں کو جوڑا اور تم بھائی بھائی ہو گئے۔حضور ﷺ کی یہ پہلی اور آخری محنت ہے ساری جان اور محنت اسی پر لگائی ہے۔ بقول حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو اس امت میں اختلاف پیدا کرتا ہے وہ حضور ﷺ کی محنتوں کو ذبح کرتا ہے وہ قصابوں اور مردار خوروں سے بدتر ہے۔ جوڑا ہے اور بڑی محنت کر کے جوڑا ہے اپنا سب کچھ لگا کر بنایا ہے۔ بنانے کے بعد اس کی اہمیت بھی بتائی اور اس کے توڑنے کی مذمت بھی بیان فرمائی کہ کائنات کا غلیظ ترین کام ہے۔

شیطان شام کو تخت بچھاتا ہے تمام شیاطین اسے کارگزاری سناتے ہیں۔ جب ایک یہ کارگزاری سناتا ہے کہ میاں بیوی کو آپس میں لڑایا اور طلاق ہوگئی اس پر بڑا خوش ہوکر اپنے پاس بٹھاتا ہے انتہائی خوش ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت آ گیا انتقال سے پہلے لکھوانا شروع کیا کہ یہ فلاں فلاں چھ آدمی ہیں یہ چھ آدمی بیٹھ کر فیصلہ کریں ان کو کوئی کام کرنے کی

اجازت نہیں۔ یہ فیصلہ کریں کہ میرے مرنے کے بعد خلیفہ کون ہوگا فلان فلان پہرہ پر رہیں کوئی مداخلت نہ ہو سکے۔ خلیفہ بنانے کی صورت بتائی خلیفہ راشد ہیں کئی مواقع پر قرآن آپ کی رائے پر اترا۔ چھ میں سے اگر 3 ایک طرف ہوں تو برابر ہوئے تو جن میں عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں وہی فیصلہ ہوگا اگر چار ایک طرف اور 2 ایک طرف تو فیصلہ چار والوں کا ہوگا یہ بھی حکم دیا کہ جس مجلس میں یہ فیصلہ ہو اس میں دونوں کو یہ بتا دیا جائے کہ چار والوں کے فیصلہ کے مطابق بیعت کریں۔ اگر دونوں بیعت نہیں کرتے تو اس وقت حکم ہے کہ اس مجلس کے اندر ان دونوں آدمیوں کو وہیں قتل کر دیا جائے اور یہیں دفن کر دیا جائے۔ ان دونوں کا قتل تو برداشت کیا جا سکتا ہے امت کو فتنہ میں مبتلا نہیں کیا جا سکتا۔

اختلاف کرنے کی ہر جگہ گنجائش نہیں ہوتی۔ ہر قیمت پر جڑے رہو۔ جو کچھ قربان کرنا پڑے، لگانا پڑے لگاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے جوڑنے میں ایسی محنت کی توڑ پیدا کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیرتا ہے۔ وحدت کلمہ ایک طرح سے بولو، سوچو، چلو بن کر رہو۔ اگر امت ایک نہیں ہوتی ہے تو اللہ جل جلالہ کی مدد متفرق ہو جاتی ہے اور مدد نہیں آتی، ایک بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ سر کی قیمت اس وقت ہے جب دھڑ کے ساتھ ہے زبان اس وقت قیمتی ہے جب اپنا کام کر رہی ہے اور مقام پر ہے۔

اگر کوئی آدمی سوراخ سے کسی کے گھر میں دیکھتا ہے اندر سے کسی نے تیر مارا آنکھ نکل گئی اس کی کوئی سزا نہیں۔

آدمی کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر صحیح ہے سارا بدن صحیح، اگر بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جائے لیکن اس وقت تک جب تک کہ اپنے مقام پر ہے۔ جو کام مشورہ سے نہ ہو وہ غلط ہے۔ اسی لئے ہر قیمت پر مشورہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کو مشورہ میں

لو۔مشورہ کے بغیر بربادی ہے۔جب آدمی مشورے پر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ راہنمائی فرماتے ہیں۔آپس کا جوڑ اسی وقت ہوگا جب مشورے سے چلیں گے۔جوڑ کے بغیر یہ مُرْدَار ہے اسی لئے بغیر مشورے کے چلنے والی پوری کی پوری امت مردار ہے۔کُتّے الگ کھا رہے ہیں گِدھیں الگ کھا رہیں ہیں کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔اگر یہ اعضاء آپس میں جُڑ جائیں تو سب درندے بھاگ جائیں گے۔ورنہ بے تکلف کھائیں گے۔اگر چاہتے ہو کہ امت کو زندہ کرو تو حضور ﷺ والی محنت کو اپناؤ۔جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس امت پر لوگ ایسے پل پڑیں گے جیسے مردار پر کتے پل پڑتے ہیں۔اگر جوڑ والی زندگی آجائے تو سب بھاگ جائیں گے۔

ضرورت ہے کہ امت صحیح یقین، ایمان، علم، ذکر کی حرکت میں لگ جائے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ مدد فرمائیں گے۔مکہ میں یہی ہوا تھا کہ امت کو دعوت دینے والا بنایا تاکہ سب دعوت دینے والے بنیں۔اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے مدد فرمائی سب مسائل خود بخود حل ہوتے چلے گئے۔

آپس میں جُڑے رہو۔ہر قیمت پر جڑے رہو اپنی اپنی راہ پر کسی کو چلنے کی اجازت نہیں مشورہ سے چلو اور مشورے سے چلنے کی صلاحیت پیدا کرو۔اگر یہ صلاحیت آگئی تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مددیں ہی مددیں ہوں گی۔آپس میں جڑے رہنے کی صورت یہ کہ اپنے بڑوں کے ساتھ جڑے رہو۔بڑوں کی طرح سوچو، دیکھو، آگے بڑھو، بڑوں کو آگے کو رکھ کر چلو مددیں ہی مددیں ہوں گی۔اگر بڑوں کو چھوڑ کر چلو گے تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مدد نہیں ہوگی۔

آپس کے جوڑ کی چند باتیں ہیں

(۱) ہمارا کام تحریکِ ایمان ہے ایمان سیکھو۔اور جو ایمان پر آجائے گا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی

مددیں ساتھ ہو جائیں گی۔ ایمان پر وہ آئے گا جو ایمان کی دعوت دے گا۔ اندر نیت ہو کہ یہ ایمان میرے اور سب کے اندر آئے۔ پانچ راستوں سے ایمان اندر آئے گا جتنی ایمان کی دعوت دو گے، جتنا بولو گے، جتنا سنو گے، جتنا سوچو گے، جتنا دیکھو گے ایمان اندر آئے گا۔ جب ایمان اندر آئے گا تب اللہ ﷻ ایمان کی حقیقت نصیب فرماتے ہیں۔ ایمان صرف کلمہ پڑھنے کا نام نہیں ہے اگر پڑھنے کا نام ہے تو پھر منافقین کو جہنمی کیوں کہا گیا۔ تلفظ کا نام ایمان نہیں ہے اندر کے یقین کا نام ایمان ہے۔ اور اکیلے اللہ ﷻ سے سب کچھ ہونے کا یقین ایمان ہے۔ یہ زبان سے کہنے سے کام بھی نہیں بنے گا۔ اگر دل کا یقین نہیں ہے تو یہ ایمان سے دور ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی اجمعین فرماتے ہیں پہلے ہم نے ایمان سیکھا پھر ہم نے قرآن سیکھا۔ ایمان کو سیکھو ایمان کی دعوت کے راستے سے۔ جتنی دعوت دو گے اتنا ایمان اندر آئے گا۔ ایمان قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے گا۔ ایک دن بات اپنے مقام پر پہنچ ہی گی۔ سیکھنے کی نیت سے دعوت دیں گے تو اللہ ﷻ حقیقت نصیب فرماویں گے۔ عبادات، اخلاص اور اخلاق سیکھنے کی بھی یہی صورت ہے۔ محض رضائے الٰہی کے ساتھ اور مسلسل کیا جائے۔ درخواست ہے کہ چاروں کام مسلسل کرنے ہیں ایمان، عبادات، اخلاص، اخلاق کی دعوت دین کا سیکھنا اور چلنا آسان ہے لیکن اس کے اپنے طریقہ سے جو حضور ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔

(۲) آپس کا جوڑ جیسے اعضاء انسانی آپس میں جڑے ہوئے ہیں اسی طرح سے تمام انسانوں کا آپس کا جوڑ ہو۔ آپس کا جوڑ اور اخلاق زندگی بننے کا سامان ہے۔ آدمی اپنے آپ کو بے حیثیت سمجھتا رہے۔ جتنا با حیثیت سمجھے گا تو بگاڑ پیدا ہوگا

بے حیثیت سمجھ کر چلے گا تو اللہ جل جلالہ کی مدد ہوگی۔ آدمی یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کام نہیں آتا اپنے بڑوں اور چھوٹوں ہر ایک سے کام سیکھتا رہے۔ اس پر اللہ جل جلالہ راستے کھولیں گے اس میں شبہ نہیں کہ اللہ جل جلالہ کے بندوں نے بڑی محنت کی ہے۔ اب بھی اگر اسی ترتیب سے اسے آگے بڑھایا جائے گا تو اللہ جل جلالہ منزل پر پہنچا دے گا۔

بموقع پرانوں کا جوڑ (رائیونڈ)

مؤرخہ 3 اپریل 1992ء بعد نمازِ مغرب کے بیان سے۔

خطبہ مسنونہ ومخصوصہ کے بعد فرمایا، اس کائنات میں انسان کا درجہ ایسا ہے جیسا کہ انسان کے جسم میں دل کا درجہ ہے۔ انسان کے جسم کے جو اعضاء ہیں۔ ان سے دو طرح کے اعمال نکلتے ہیں ایک تکوینی عمل، دوسرا تشریعی عمل۔ مثال کے طور پر زبان کا کام بولنا ہے اس کو تکوینی عمل کہتے ہیں۔ اور زبان کا صحیح بولنا اس کو تشریعی عمل کہتے ہیں۔ اسی طرح دماغ کا کام سوچنا ہے اور دماغ کا صحیح سوچ سوچنا یہ تشریعی عمل ہے۔ کان کا کام سننا ہی نہیں بلکہ صحیح سننا ہے اور غلط سننے سے کان کو روکنا ہے۔ جب صحیح امت کا صحیح علم غلط ہو جاتا ہے تو پھر امت کا ہلاکت کے علاوہ کوئی اور علاج نہیں۔ امت کو گمراہ کرنے کا سب سے بڑا سامان گانا ہے، جس کو آج امت گناہ بھی نہیں سمجھ رہی۔ جیسے دعوت ہدایت کا سبب ہے۔ اسی طرح گانا بجانا گمراہی کا سبب ہے۔ ایک مرتبہ بڑے بڑے صاحبزادے لوگ جمع ہوئے اور سوچنے لگے کہ اسلام تو پھیلتا جا رہا ہے اس کو روکنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ایک تاجر نے کہا کہ میں روم جاتا رہتا ہوں

وہاں گانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کے سامان خرید کر لاتا ہوں، اور دوسرے بیہودہ قسم کی کہانیوں والی کتابیں لاتا ہوں۔ ان کو مکہ میں جا کر نوجوانوں میں پھیلاتے ہیں پھر ان پر قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ سب نے اتفاق سے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ گانا بجانا زنا کا منتر ہے۔ اور جو زنا میں مبتلا ہو گیا اس کی جڑیں اکھڑ جاتیں ہیں۔ گانے والیاں آئیں۔ حضور ﷺ کے صحابہ کا سننا اور دیکھنا صحیح ہو چکا تھا کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکیں۔ یقین یہ ہوا کہ اندر سے سب کچھ ہوتا ہے۔ تو پھر آدمی کا ہر عمل خالص اللہ ﷻ ہی کے لیے ہوتا ہے۔ جتنا یقین ہوگا اتنا ہی آدمی اپنے ہر عمل کو خالص اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے لئے کرے گا۔

سیکھنے پر سب سے زیادہ وقت لگتا ہے سالہا سال لگتے ہیں۔ جس طرح نماز سے پہلے غسل، وضو، کپڑے اور جگہ پاک ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح نماز سے پہلے ایمان سیکھنا، اخلاص، اخلاق اور حضور ﷺ والے طریقہ پر فرض ہے۔ اسلام میں نماز کی حیثیت ایسی ہے جیسے نبض، بخار میں۔ نماز بقدر زندگی اور زندگی بقدر نماز ہوگی۔ یعنی نماز ٹھیک ہے تو زندگی ٹھیک ہے، زندگی ٹھیک ہے تو نماز ٹھیک ہے۔ زندگی کو صحیح چلانے کے لئے ایمان، اخلاص، اخلاق اور حضور ﷺ والا علم سیکھنا ضروری ہے۔ جس طرح نماز سے پہلے سب کچھ چھوڑے، تو نماز ہوگی۔ جو سب کچھ نہیں چھوڑے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔ نماز کو ٹھیک کرنے کے لئے دن میں پانچ مرتبہ سب کچھ چھڑوایا گیا، اور سب کا خیال بھی چھڑوایا گیا۔ اسی طرح زندگی کو ٹھیک کرنے کے لئے سالہا سال سب کچھ چھوڑ و اور سب کا خیال بھی چھوڑ و۔ تو زندگی بنے گی یہ چلہ اور چار ماہ کی بات نہیں ہے۔

پرانوں کا جوڑ (رائیونڈ)

مؤرخہ 13 اپریل 1992ء بعد نمازِ مغرب کے بیان سے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد پرانے ساتھیوں کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف اعمالِ دعوت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

تبلیغ کی محنت

1......ایمان ویقین پیدا کرنے کی محنت کرنا ہے۔

2......اخلاص اور ایمان جڑوان بھائی ہیں اس کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ اخلاص آدمی کے اندر ہوتا ہے اگر اندر سے پوچھے تو صحیح صحیح بتا دیتا ہے۔

3......تیسری چیز تعلیم ہے۔ مجھے پہلے اس کام میں لگانے والی تعلیم ہی ہے۔ حدیث کو پڑھو ذاکر کے انداز پر۔ حدیث میں ابھی بحث نہیں، بلکہ سیدھا سیدھا ترجمہ کرنا۔ اور ترجمہ کرتے وقت اپنے آپ کو دیکھے کہ میرے اندر یہ حدیث موجود ہے کہ نہیں۔ علم پڑھتے وقت بھی مزا ہے، اور پڑھاتے وقت بھی مزا ہے اس پر عمل کرنے میں جو مزا ہے وہ کسی میں نہیں۔ علم کا سیکھنا فرض ہے۔ ابھی ہم تعلیم پر نہیں آئے اگر تعلیم کو دل دے دیا، جم کر بیٹھ گئے تو تہجد میں گھڑی، گھنٹے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ چاہے جلدی سو جائیں، چاہے دیر سے سوئیں۔ آپ کی گھڑی آپ کے

اندر ہے۔ جیسے ہر عمل کے ساتھ استغفار ہے نماز کے ساتھ، گشت کے ساتھ، تعلیم کے ساتھ استغفار ہے۔

4...... چوتھی چیز اخلاق ہے کہ ہر ایک کو اپنے مال وجان سے نفع پہنچانے کی کوشش ہو، اور کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔

ہم قوم طبقے، زبان اور علاقے کی بنیاد پر ایک نہیں ہیں۔ اس پر امت کو جمع کرنے کی کوشش ہے۔ اللہ کی قسم یہ جوڑنے کا سامان نہیں ہے، رشتے توڑنے کا سامان ہے۔ اگر اسی طرح رشتے کا خیال ہوگا تو اس پر ظلم ہی ظلم ہوگا۔ ظلم کے ساتھ حکومت نہیں چل سکتی۔ کفر کے ساتھ چل سکتی ہے بڑے رشتے کی بنیاد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بنیاد اور رسول اللہ ﷺ کی بنیاد تھی۔

سب سے زیادہ ظلم حضور ﷺ پر طائف میں ہوا، خون بہہ رہا ہے۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام پہنچے۔ طاقت موجود ہے دشمن کے خلاف استعمال کرنے کے لئے۔ مگر فرمایا میں ہلاکت کے لئے نہیں، بلکہ ہدایت کے لئے آیا ہوں۔ حضور ﷺ کی ذات کے متعلق فرمایا کہ آپ ﷺ بھی سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر چلے جاتے۔ گویا حضور ﷺ کی ذات نمونہ ہے۔ گویا نرم گو ہونا، نرم گفتگو کرنا، کسی کے خلاف کوئی سخت بات نہ کرنا۔

جس رات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، اسی رات حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔ آپس کے اختلاف کرنے والوں میں سے کسی نے کہا نہیں، نہیں ہمارا امام آیا تمہارا امام چلا گیا۔ دوسرے نے کہا نہیں، نہیں جب تک ہمارا امام رہا تمہارا امام نہیں آیا۔ مگر جب سیدھی سوچ ہوتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ایک امام اللہ تعالیٰ نے واپس بلایا تو دوسرا اس کا بہتر بدل بھیج دیا۔

بس ایک جسم کی طرح رہو۔ ہر عضو دوسرے کے لیے زیادہ استعمال ہوتا ہے اپنے لئے کم۔ اگر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر چھری یا کلہاڑی لگ جائے تو نہ وہ تھانے جاتا ہے۔ نہ سول جج کے پاس کیس کرتا ہے۔ لیکن وہ سمجھتا ہے کہ چھری یا کلہاڑی ماری نہیں لگ گئی۔ اس سوچ پر معاف ہو جاتا ہے اور ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ اس طرح کا سلوک سیکھنا بھی ضروری، بلکہ فرض ہے۔ دوسری بات اس کے بغیر بھی کوئی نیکی محفوظ نہیں رہتی بلکہ قیامت کے روز تقسیم ہو جائے گی تواضع ایسی چیز ہے جس کے آنے پر سارے اخلاق آتے ہیں، یہی کے اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے۔

مسجد کا کام اگر صحیح چل پڑے تو سارے عالم کا کام صحیح چل پڑے گا۔ پیدل چلنے کے جذبے سے پانچ، چھ میل دور پیدل جماعت سہ روزہ کی بھیج دو۔ تاکہ بیرون ملک جانے کی تربیت ہو جائے۔ جہاں کہیں بھیج دو، جس کے ساتھ بھیج دو، جتنے وقت کے لیے بھیج دو۔ ساتھیوں کو اس پر لاؤ۔ تو یہ مسجد کا کام سارے عالم کا ہو رہا ہے اور روزانہ ڈھائی گھنٹے اور زیادہ (آٹھ گھنٹے) پر لاؤ۔

اگر جن علاقوں سے ملکوں کی جماعت گئی ہے۔ اگر وہ علاقے والے، مسجد والے، مرد، عورتیں سب دعائیں کریں! کہ یا اللہ ان کو شیطان کے شر سے بچا، حفاظت فرما۔ تو اللہ ﷻ کی مدد ساتھ ہوگی۔ اور اللہ ﷻ کی مدد کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ ہر مسجد پورے عالم کے پورے تقاضوں کی فکر کرے گی۔

پرانوں کا جوڑ (رائیونڈ)

مؤرخہ 16 مارچ 1995ء بعد نمازِ مغرب کے بیان سے

سب سے مشکل کام دین سیکھنا اور سیکھانا ہے۔ دین سیکھانے کے لیے اللہ تعالی نے کتاب بھی اُتاری اور خود حضور ﷺ کو بھیجا۔ دین ہر ایک سے نہیں سیکھا جاتا بلکہ معیار یہ ہے! کہ اس وقت کے قابلِ اعتماد لوگوں نے جن پر اعتماد کیا ہے ان سے دین سیکھا جائے۔ جب دین والوں کی ناقدری کی جاتی ہے تو دین سیکھانے والوں کو جلدی اٹھا لیا جاتا ہے۔ جب آدمی اپنے بڑوں کی اتباع نہیں کرتے تو غیروں کی اتباع کرتے ہیں۔ جو اللہ کے بندوں کی اتباع نہیں کرے گا تو شیطان کی اتباع کرے گا۔

دین کے الفاظ، معنی، مفہوم بھی سیکھنا ہے۔ عمل کو حضور ﷺ کے طریقہ سے کرنا بھی سیکھنا اور عمل میں اخلاص بھی سیکھنا ہے۔ عمل کرنا بھی مشکل ہے اس سے مشکل عمل کو سنبھالنا ہے۔ عمل کے بعد آدمی یہ سمجھے کہ میں نے کیا۔ تو سمجھے کہ عمل قبول نہیں ہوا ہے استغفار کرے۔

نماز کا سلام پھیرتے ہی اللہ اکبر کہے، اللہ کی بڑائی کہے ''یہ علاج ہے'' کہ

عمل کے بعد اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے۔ جب اللہ تعالی کی بڑائی نہ ہوتو پھر یہ ساری خرابی پیدا ہوتی ہے۔ پھر تین دفعہ کہے" أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ " یہ استغفار کسی گناہ پر نہیں بلکہ جیسے یہ عمل کرنا چاہیے تھا ویسا نہ کرسکا۔ اگر عمل کرتا جائے اور اکڑتا جائے تو عمل برباد ہوجاتے ہیں۔ یہی کبر ہے، کبر سب سے بڑا گناہ اور ظلم ہے۔ سب سے پہلا گناہ جو ہوا وہ کبر ہے۔ جس کو شیطان نے کیا بلکہ شیطان کو شیطان بنادیا۔ بقول شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے، کہ سارے اعضاء فرشی ہیں، مگر دل اس کا عرشی ہے۔ آنکھ غلط دیکھ سکتی ہے، زبان غلط بول سکتی ہے، مگر دل صحیح صحیح کہہ دیتا ہے۔

اخلاص کا ایک درجہ یہ ہے کہ ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ حضرت رائے پوریؒ (مراد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہؒ) سے میں نے پوچھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ آدمی عمل اللہ جل جلالہ کی محبت کی وجہ سے کرے، کبر پیدا نہ ہو، ہم کچھ نہیں۔ اللہ اکبر اس لئے دیا ہے کہ اللہ تعالی کی بڑائی ہو اور اپنی چھوٹائی ہو۔ استغفار کا مطلب یہی ہے کہ اپنی اور اپنے اعمال کی گندگی نظر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ گھوڑے پر سوار ہوئے گھوڑے نے اپنی اکڑ دکھائی اور ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی شان دکھائی۔ فوراً گھوڑے سے نیچے اتر آئے کسی نے پوچھا اتر کیوں آئے ہو؟ فرمایا اس نے تو مجھے ہلاک ہی کردیا تھا، کہ میرے اندر بھی اکڑ آ گئی تھی !۔ ماحول کا اثر پڑتا ہے۔ بے شک انسان کو اللہ تعالی نے ساری مخلوق سے اشرف اور بڑا بنایا ہے۔ مگر یہ بڑائی اس کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ آدمی کا سب سے بڑا اندھا پن یہی ہے کہ آدمی کو اپنی کمزوری نظر نہ آئے۔ بڑا بننے کے لئے جو ہدایت کی محنت کی جاتی ہے وہ ہدایت کا سامان نہیں بنتا بلکہ خود گمراہ ہوتے ہیں، اوروں کی گمراہی کا سامان بھی ہوتے ہیں۔ اخلاص والے ہدایت کے

چراغ ہیں۔ ہدایت کا ذریعہ وہی لوگ ہوں گے جو کچھ نہ چاہیں۔ بڑا بننے کے لئے شوریٰ میں آنے کے لیے، شوریٰ والے بننے کے لئے، امیر بننے کے لیے جو کام کرے گا۔ وہ لوگوں کی ہدایت کا سامان نہیں بلکہ گمراہی کا ذریعہ بنے گا۔ گویا مقدارِ عمل میں بڑھائی ہے۔ اور صحیح عمل بھی کرنا ہے۔ پورا کام کرنا ہے، تھوڑا تھوڑا کام کرنے سے نہیں چلے گا۔ جیسے سپرٹ کے لیٹر پر چائے نہیں بن سکتی۔ پھر تشکیل شروع ہوئی۔

پرانوں کا جوڑ (رائیونڈ)

مؤرخہ 17 مارچ 1995ء قبل نماز جمعہ کے بیان سے۔

خطبہ مسنونہ اور مخصوصہ کے بعد فرمایا۔ جو معاف نہیں کرسکتا وہ عدل نہیں کرسکتا۔

عبادت، خلافت یہ دونوں چیزیں سب انسانوں کے لیے ہیں۔ خلافت سے مراد حکومت نہیں ہے۔ بلکہ دوسروں کے کام آنا ہے بغیر کسی غرض سے، محض رضائے الٰہی کی نیت سے۔ گویا عبادت اور خلافت انسانوں میں پیدا کرنے کے لیے دعوت کی محنت ہے۔ اور یہ دعوت الی اللہ پورے دین کی طرف بلانا ہے۔ دعوت کا کام انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کا خود اپنا کام بھی ہے اور یہ کام خاص اس امت کو دیا گیا ہے۔ سارے عالم میں دعوت لے کر جانے والے آدمی تیار کرنا یہ اصل کام ہے۔ حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں صرف دعوت لے کر چلنے والے آدمی تیار کیئے۔ کسی نے کہا کہ سب سے پہلے حضور ﷺ اسلحہ بارود وغیرہ کوئی چیز تیار کرنے میں نہیں لگے۔ بلکہ آدمی کو آدمی بنانے میں لگے۔

زلزلے کیوں آتے ہیں؟ جب زنا کی کثرت ہوتی ہے تو زلزلے آتے ہیں۔ اور یہ زلزلے خشکی میں بھی آتے ہیں اور پانی میں بھی میں آتے ہیں۔ گویا زلزلے باہر سے نہیں آتے اندر

سے ہی آتے ہیں۔

جیسے فائر بریگیڈ آگ بجھانے کے لئے نکلتی ہے اسی طرح یہ امت انسانوں کو جہنم کی آگ سے بچانے، گویا جہنم کی آگ کو بجھانے کے لئے نکلتی ہے۔ قانون ہے کہ فائر بر گیڈ کا راستہ کوئی نہ روکے، اور نہ راستے میں آئے بلکہ اس کے لئے راستہ چھوڑا جائے تا کہ جو آگ کو بجھانے کے لئے فائر بر گیڈ نکلا ہے جلد پہنچ کر ان جلتے ہوئے کی جان بچائے۔ اگر کوئی اس فائر بر گیڈ کی گاڑی میں آکر کچلا جائے تو اس پر کوئی مقدمہ نہیں۔ اس لئے کہ راستے سے ہٹ جانا اس مرنے والے کی ذمہ داری تھی یہ راستہ میں کیوں حائل ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقع پر فرمایا کہ اے علی! اگر تیری وجہ سے ایک آدمی مسلمان ہو گیا تو ساری دنیا سے بہتر ہے۔ اور اس خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کل میں جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ جل جلالہ سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تمنا کی۔ مگر یہ سعادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی۔

دعوت کا کام مقصدِ حیات ہے بلکہ مدارِ نجات ہے۔ سورۃ عصر میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ خسارے سے نہیں نکلیں گے جب تک چار چیزیں انسانوں میں نہ پائی جائیں۔ ایمان، اعمالِ صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ یہ زبان کے کہنے کی ہی بات نہ رہے بلکہ دل کے اندر کی بات بن جائے۔ دعوت میں مؤثر انداز اختیار کرو۔ دعوت وہ زمین ہے جس میں پھل، پھول اُگتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے سارے اعمال نکلیں گے۔ ''بنگلہ والی مسجد جو بستی نظام الدین میں ہے۔ پرانا تبلیغی مرکز ہے'' میں میں نے دو رکعت سنت پڑھی۔ ایک ساتھی نے کہا کہ آپ نے اتنی لمبی سنت

پڑھی۔دوساتھی قریب بیٹھے تھے چلے گئے یہ نقصان ہوگیا۔

کلکتہ میں گشت میں متکلم تھا۔ایک دوکاندار سے بات کی۔اگلی پر جانے لگے تو ایک پرانے ساتھی نے کہا کہ تم نے اس کا نقصان کردیا۔میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں آپ بتادیں۔اس ساتھی نے کہا کہ ایک نیکی کا کام خود کر سکتے ہو۔اگر اس نیکی کے کام میں دوسروں کو بھی شامل کرلو۔اگر اس کام میں پانچ احباب کو شامل کرلیا تو ان پانچوں کو بھی ثواب ملے گا۔اور تمہیں بھی پانچوں کا ثواب مل جائے گا۔یعنی اس دوکاندار کو اوروں کو دعوت دینے پر آمادہ کرسکتے تھے۔اگر کام یہ ہے کہ خود کرنا ہے کام نہ ہوا۔کام کرنا اصل نہیں بلکہ کام کروانا اصل ہے۔مگر یہ بات ضرور ہے کہ جو کام کرنا نہیں جانتا وہ کام کروا نہیں سکتا۔اس لئے ہم کام کرنے کے لئے ہی پیدا نہیں کئے گئے بلکہ کام کروانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

"اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ......"میں کام کروانے کا ارشاد ہے کہ کام کرو بھی اور کرواؤ بھی، کام کروانے والے بنو۔اگر آپ نے کسی ساتھی سے کام لیا اور اس کی صلاحیت زیادہ کی تھی تو آپ نے اس کا نقصان کردیا۔اس لئے ساتھی کو دیکھتے بھالتے رہنا چاہئے تعارف بھی ہونا چاہئے۔جس سطح کا آدمی ہو اس کو اس سطح پر لگاؤ۔

ایک طالبِ علم پانی پلانے کے لئے جگ،گلاس لے کر کھڑا تھا۔تو ایک مولانا صاحب اس سے جگ،گلاس لے کر خود کھڑے ہوگئے۔اس بچہ سے جگ، گلاس لے کر اس کو جنت سے محروم کردیا۔اور اس کو دوسرے کام میں بھی نہ لگایا۔اس کا نقصان بھی کیا اور اپنا بھی کیا۔اس کی جنت کا نقصان بھی کیا اور اپنا نقصان بھی کیا۔

آدمی مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ

انسان کتنا مجبور ہے اور کتنا مختار ہے۔تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک پاؤں اُٹھاؤ۔اُٹھالیا فرمایا دوسرا بھی اٹھاؤ تو کہا نہیں اٹھا سکتا۔تو فرمایا انسان اتنا مختار ہے اور اتنا مجبور ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض بیانات

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیانات موقع بموقع اتنی کثیر تعداد میں فرمائے ہیں۔ کہ جن کا محفوظ کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ تاہم اس سلسلہ میں بندہ سے جو ہوسکا جمع کرنے کی سعی کی ہے۔ اس میں ہونے والی کمی بیشی کو اللہ جل جلالہ معاف فرمائے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان سے قبل عام طور پر مخصوص الفاظ اور مخصوص انداز میں خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جس کے سنتے ہی سامعین پر یکسوئی اور خاموشی چھا جاتی تھی۔

پشاور شبِ جمعہ کا بیان

خطبہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍعَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ ' اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَلُّ بِھَا الْعُقَدُ وَتُفَرَّجُ بِھَا الْکُرَبُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَلِحَقِّہٖ اَدَاءً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَسِیلَۃً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ کَفِیْلًا،اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَ کَمَالِہٖ۔

وَ بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْعَصْرِ إِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ إِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ☆

قابلِ احترام بزرگو، بھائیو، عزیزو! دینِ اسلام پوری زندگی گزارنے کے طریقے کا نام ہے۔ 24 گھنٹے موت تک حکمِ الٰہی پر ہر طبقے کے، ہر مسلمان کے اسلام پر گزریں۔ سید الکونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے یہ سارا کچھ امت کو آ کر علماً بھی بتایا ہے اور عملاً بھی سکھایا ہے۔ اسی جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ کا نام دین ہے اور اسی کا نام اسلام ہے۔ جو کچھ سید الکونین ﷺ اللہ جل جلالہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ فرائض ہوں، واجبات ہوں، سنتیں ہوں، مستحبات ہوں، مباحات ہوں یہ سب کے سب مطلوب ہیں۔ درجات کے اعتبار سے تو چھوٹے بڑے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو ہلکا سمجھنا آدمی کو دین سے باہر نکال دیتا ہے۔ کہ اُن کی ہر ادا عظیم ہے، بڑوں کی ہر بات بڑی ہوتی ہے۔ اور حضور ﷺ اتنے بڑے ہیں کہ ان کی کسی بھی چیز کو اگر ہلکا سمجھا جائے۔ تو آدمی کی اللہ جل جلالہ کے ہاں کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا وہ بائیں ہاتھ سے پانی پی رہا تھا۔ حضور ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ بائیں سے نہیں، دائیں سے پینا چاہیے۔ بائیں سے کھانا کفر کا طریقہ ہے۔ آدمی کی عادت ہے کہ جب کوئی غلط کام کر رہا ہو اس وقت آدمی اس کو کچھ کہے کہ ایسے نہیں ایسے کرو۔ تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بازی کیا کرتا ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ یکلخت سیدھا ہو جائے۔ جس کو اللہ جل جلالہ نے ہدایت نصیب فرمائی ہو وہ تو فوراً کہہ دیتا ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے آپ نے صحیح بات بتائی۔ لیکن جب اندر ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔ اور آدمی کے اندر کبر ہے وہ آدمی کو سیدھی لائن پر نہیں آنے دیتا۔ تو آدمی کچھ نہ کچھ بہانہ بازی کرتا ہے۔

اس ذیل میں اس نے یہ کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں پی سکتا۔ اس پر سیّد الکونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کرے تو دائیں سے نہ پی سکے۔ اور اس کے بعد وہ دائیں ہاتھ سے نہیں پی سکا۔ دائیں ہاتھ سے کھانا بلاشبہ مستحبات میں

سے ہے، فرائض میں سے نہیں ہے، یعنی ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی اتنی سی بات کو بھی ہلکا سمجھنا یا انکار کا انداز اختیار کرنا آدمی کو اندر سے باہر کر دیا کرتا ہے۔ اس لئے پہلی بات یہ ہے کہ جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ کی عظمت اور احترام دل میں ہو۔ دین کی ہر چیز یہ ایسی مشین ہے جس کا ہر پُرزہ اتنا اہم و قیمتی ہے۔ آپس کی نسبت کے اعتبار سے چھوٹے بڑے پرزے تو ہیں۔ لیکن ہر پرزہ اتنا قیمتی ہے کہ اس کو بے قیمت سمجھنا آدمی کو بے قیمت بنا دیتا ہے۔

تو پہلی بات ایمان لانا ہے اس بات پر کہ حضور ﷺ کی لائی ہر ہر چیز کائنات کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کا ہر ذرہ کائنات کے تمام خزائن سے قیمتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے جو کچھ سید الکونین ﷺ لے کر آئے ہیں۔ وہ اس لئے نہیں لے کر آئے کہ ہم آپ شاعریاں کرتے پھریں، تحسین و آفرین ہی صرف کرتے رہیں، اس کے قصیدے پڑھتے رہیں، اس کے فلسفے اور حکمتیں بیان کرتے رہیں، اس کے لئے اِس کتاب سے اُس کتاب میں منتقل انہیں کرتے رہیں۔ بلکہ جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ لانے والا اس لئے لایا ہے کہ بھٹیارے سے لے کر ملک کے صدر تک ہر آدمی اس سب کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اپنی زندگی جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ کے مطابق بنائے۔ جس طرح اللہ جل جلالہ نے سوچنے کو کہا ہر آدمی اسی طرح سوچے۔ جس طرح دیکھنے کو کہا اس طرح دیکھے۔ جس طرح بولنے کو کہا اس طرح بولے۔ جو کچھ سننے کو کہا وہ کچھ سنے۔ جس سوچنے کو منع کیا اس کو نہ سوچے۔ جس دیکھنے کو منع کیا وہ دیکھنا حرام ہے۔ جس سننے سے منع کیا اس کا سننا ان کانوں سے حرام ہے۔ جس بولنے سے منع کیا وہ اس زبان سے بولنا حرام ہے۔ جس پینے کو منع کیا وہ پینا حرام۔ جس کھانے کو منع کیا وہ کھانا ناجائز۔ جس پہننے کو منع کیا وہ پہننا ناجائز۔ جس جانب قدم اٹھانے سے منع کیا اس جانب قدم

نہ اٹھے۔ جہاں کھڑے ہونے سے منع کیا وہاں کھڑا مت ہو۔ جہاں بیٹھنے کو منع کیا وہاں مت بیٹھو۔ جدھر چلنے کو کہا ہے موت تک وہیں چلتے رہنا ہے۔ جو بولنے کو کہا ہے وہی بولتے رہنا ہے۔ جو دیکھنے کو کہا ہے وہی دیکھتے رہنا ہے۔ جہاں رہنے کو کہا ہے وہاں ہی رہنا ہے۔ جہاں کھڑے ہونے کو کہا وہاں خوب کھڑا ہو۔ ہر ہر چیز میں حضور ﷺ کی اتباع عملاً سیکھنا کہ مجھے اس طرح زندگی گزارنی ہے۔ اور حضور ﷺ جو کچھ بھی لائے اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس سب کو عملاً ایک ایک آدمی کو سکھا دیا۔ نماز فرض ہے، ہر صحابی کو یقین ہے کہ نماز فرض ہے۔ اور نماز کیسے پڑھنی ہے اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم تک ایک ایک صحابی بلکہ وہ کپڑے کے پاک ہونے سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کے ہر ہر جزء کو کیسے کرنا ہے جیسے حضور ﷺ نے فرمایا ہر آدمی ویسے ہی کر رہا ہے۔ یہ سکھایا ہے حضور ﷺ نے ساری زندگی ایسے ہی کیا ہے۔ جہاں فرائض کو سیکھنا ہے وہاں واجبات کو بھی سیکھنا ہے، سنتوں کو بھی سیکھنا ہے، مستحبات کو بھی سیکھنا ہے۔ اس جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ کو اپنے اندر پیدا کرنا اس کے ایمانیات اور عقائد کو اپنے دل دماغ میں جگہ دینا اس کے تمام اعمال کو اعضاء اور جوارح سے کرنا۔ اسی طرح سے مالیات کیا؟ کیسے کمانا ہے؟ کیا نہیں کمانا، کیا خریدنا ہے کیا نہیں خریدنا، کیا بیچنا ہے کیا نہیں بیچنا۔ اس میں ہم آزاد نہیں ہیں۔ کس طرح بیچنا ہے کس طرح نہیں بیچنا۔ آمد پر پابندی اسی طرح رفت پر بھی پابندی ہے۔ کہاں خرچ کرنا ہے، کہاں خرچ نہیں کرنا۔ کہاں پر کتنا خرچ کرنا ہے، کہاں زیادہ خرچ کرنا ہے، کہاں کم خرچ کرنا ہے۔ آمد پر بھی پابندی ہے اور خرچ پر بھی پابندی ہے۔ یہ سارے کا سارا خود سیکھنا ہے ہر ایک جوان بھی، بوڑھا بھی، مالدار بھی، تاجر بھی، غریب بھی، امیر بھی، بیمار بھی، تندرست بھی، حاکم بھی، محکوم بھی سب اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کا مقتدی بنالیں۔

حضور ﷺ زندگی کے امام ہیں۔حضور ﷺ کو ہر آدمی اپنی زندگی کا امام بنالے صرف نماز کا امام نہیں زندگی کا امام۔اور پھر پوری زندگی حضور ﷺ کے قدم بقدم اس طرح گزارے جس طرح مقتدی امام کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا ہے۔وہ آدمی جو حضور ﷺ کے قدم بقدم پوری زندگی ''وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ''موت تک اسی طرح چلتا رہے وہ کامیاب ترین آدمی ہے۔وہی فلاح پانے والا ہے، وہی دیندار ہے، وہی مسلم ہے۔ اسی کو مؤمن کہتے ہیں، اسی کو مسلمان کہتے ہیں، اسی کو دیندار کہتے ہیں۔ بقول حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ اس وقت قرآن بھی آپ کے پاس ہے اور سید الکونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی سو فیصد زندگی بھی آپ کے پاس ہے۔حضور ﷺ کی کوئی چیز غائب نہیں ہوئی ہے۔خاتم النبییّن ہیں۔اور خاتم النبییّن کا ایک مفہوم یہ ہے ایک تو یہ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔تو ان کی نبوت قیامت تک رہے گی۔ جب ان کی نبوت قیامت تک رہے گی تو ان کی نبوت کی ہر ہر چیز قیامت تک رہی گی۔ جو کچھ حضور ﷺ نے کہا ہے یا کیا ہے۔ان میں سے کوئی چیز قیامت تک غائب نہیں ہوسکتی۔نہ حضور ﷺ کے لائے ہوئے قرآن کا ایک نکتہ کہیں غائب ہوسکتا ہے اور نہ زیر، زبر کہیں غائب ہوسکتی ہے۔باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے خاتم النبیین کوئی نہیں ہے۔اس بناء پر ان کی ہر چیز غائب ہوسکتی ہے۔ پوری کتاب میں تحریف ہوجائے۔ پوری تعلیمات غائب ہوجائیں۔ یہاں تک کسی نبی کی قبر اطہر پر حلف اٹھا کر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اس نبی کی قبر اطہر ہے۔لیکن حضور ﷺ کی قبر اطہر کے متعلق بھی اور آپ کی ہر ہر لائی ہوئی چیز کے متعلق بھی ایک مرتبہ نہیں ایک کروڑ مرتبہ قسم اٹھا کر کہا جاسکتا ہے۔کہ یہ سب چیزیں حضور ﷺ نے کہی ہیں اور کی ہیں۔اور یہاں آپ ﷺ کی قبر مبارک ہے۔اور بقول مولانا محمد یوسف صاحبؒ قیامت تک ہی نہیں

بلکہ حضور ﷺ کی جولائی ہوئی چیز ہے اس میں سے بڑی چیز قرآن مجید ہے حضور ﷺ کا لایا ہوا قرآن یہ قیامت تک کا نہیں ہے بلکہ اَبدالآباد تک کے لئے ہے۔ اس وقت یہ ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم پڑھ رہے ہیں۔ اور جس وقت قیامت قائم ہوجائے گی۔ اس وقت میں یہ قرآن اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں ہوگا اور جنت میں ہر ہفتے خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ قرآن پڑھ کے سنائیں گے۔ یہ وہاں بھی باقی رہے گا۔ بعینہٖ سارے کا سارا، اور جنت میں جیسے قرآن مجید میں ہے ''وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ'' جو چاہیں گے بلا تاخیر، بلا انتظار ملے گا۔ لیکن ایک چیز کا صرف جنت میں انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن وہ انتظار بڑی ہی لذت والی ہوگی۔ وہ یہی ہے کب اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن پڑھنا شروع کریں۔ اور جنت کی تمام نعمتوں میں سے کسی چیز میں وہ مزا نہیں ہو گا۔ وہ مزا جو اللہ جل جلالہ سے براہِ راست قرآن سننے کا ہوگا۔ یہ قرآن مجید ہمارے پاس ہے۔ اُس وقت سے پہلے پہلے جب یہ ہمارے ہاتھ میں نہ رہے۔ اس لئے کہ یہ وقت بھی آنے والا ہے۔ سید الکونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک رات آئے گی رات کو قرآن مجید کے حافظ سوئیں گے صبح کو کسی کو قرآن مجید کی ایک بھی آیت یاد نہیں ہوگی اللہ جل جلالہ قرآن مجید کو اٹھالیں گے۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آئے، اِس قرآن کے مطابق اپنے آپ کو بنالو یہ اس لئے آیا ہے۔ یہ صرف چھاپ کر بیچنے کے لئے نہیں آیا یہ لکھنے پڑھنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ کمانے کھانے کے لئے نہیں آیا یہ اس لئے ہے کہ ہر ایک آدمی اپنے آپ کو اس کے مطابق بنائے۔ اور سید الکونین ﷺ کی سیرت ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' نبی ﷺ کو اللہ جل جلالہ نے نمونہ بنا کے بھیجا ہے۔ اپنے آپ کو قرآن کے مطابق بنالو اپنے آپ کو حضور ﷺ کے مطابق بنالو۔ قرآن کے مطابق وہی ہوگا جو حضور ﷺ کے مطابق اور حضور ﷺ کے مطابق وہی ہو

گا جو قرآن کے مطابق ہوگا۔قرآن قرآن کی علمی صورت ہے اور حضور ﷺ قرآن کی عملی صورت ہیں۔ جو قرآن میں ہے اس کا مفہوم وہ نہیں جو میں اور آپ سمجھے ہیں۔اس کا مفہوم وہ ہے جو حضور ﷺ نے کیا ہے۔اس لئے اپنے آپ کو اس کے مطابق بنالو۔اس لئے کہ قیامت کے دن قرآن بھی اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں ہوگا اور حضور ﷺ بھی اللہ کے پاس ہوں گے۔اور اللہ جل جلالہ کے ہاں میزان یہ قرآن ہے اور حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اللہ جل جلالہ جو سامنے آئے گا اس کو دیکھیں گے۔ میرے نبی کے مطابق ہے یا نہیں، میرے قرآن کے مطابق ہے یا نہیں۔ ان کے مطابق ہے تو جنت، ان کے مطابق نہیں تو جہنم۔ یہ سیدھا سیدھا فیصلہ ہے، یہ میزان ہے۔اس لئے اپنے آپ کو زندگی کے اعتبار سے سید الکونین ﷺ کی زندگی کے مطابق بنانا ہے اور قرآن کے مطابق بنانا ہے۔

یہ جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ ہماری زندگیوں میں کیسے آجائے۔ یہ بات دوستو! آرزوؤں سے، خواہشات سے تو نہیں آجاتی ہے اس زندگی کو اپنے اندر اور امت مسلمہ کے اندر لانے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ سارا کچھ آجائے انسانوں میں نماز بھی آجائے، روزہ بھی آجائے، حج بھی آجائے، زکوٰۃ بھی آجائے، صداقت بھی آجائے، محبت بھی آجائے، تواضع بھی آجائے، ایثار بھی آجائے، شجاعت بھی آجائے، جہاد بھی آجائے، سب چیزیں آجائیں، سو فیصد یہ کیسے آئیں۔اس کے لئے ایک محنت بھی حضور ﷺ لائے ہیں۔جو کچھ اللہ جل جلالہ کی طرف سے دین آیا ہے یہ دین لانے والا محنت بھی لایا ہے۔اور اس کا نام ہے دعوت۔جس طرح سیّد الکونین ﷺ نے مکہ معظّمہ میں اور مدینہ طیبہ میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک تمام مردوں میں، عورتوں میں، بچوں میں اس انداز پر محنت کی کہ ہر آدمی حضور ﷺ کے نمونے پر آ گیا۔

اسی طرح کی محنت اب بھی کرنا پڑے گی، قیامت تک اسی طرح کی محنت کرتے رہنا پڑے گا۔ اگر اس نمونے پر رہنا چاہتے ہو۔ کوئی چیز بھی بلا محنت کے حاصل نہیں ہوتی، محنت کرنی پڑے گی اور اس محنت کا نام ہے دعوت۔ حضور ﷺ نے سب سے پہلے ان چیزوں کی دعوت دی اور امت کو ان چیزوں کو سکھایا جو بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کے بغیر کوئی عمل بھی اللہ جل جلالہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتا ہے۔ کرنے ہیں تمام اعمال لیکن کچھ چیزیں ان میں سے ایسی ہیں جو بنیادی قسم کی ہیں کہ اگر وہ آ جائیں تو آدمی کے لئے ساری زندگی ایمان کے مطابق، اسلام کے مطابق گزارنی آسان بھی ہوتی ہے اور صحیح بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ جل جلالہ کے ہاں قبول بھی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ چیزیں نہ آئیں۔ تو آدمی میں پورے دین پر چلنے کی استعداد بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اور آدمی اگر پورے دین پر چلتا ہے ان چیزوں کو سیکھے بغیر، تو وہ اس کا چلنا صحیح بھی نہیں ہوتا۔ اور اگر صحیح چل بھی لے تو اللہ جل جلالہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ ان میں سب سے پہلی چیز ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا ہے۔ ایک معروف سی چیز ہے اور وہ مسلّمہ ہے تمام امت مُسلِمہ کے ہاں ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ '' شرط ہے اور اس کی جزاء ''فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً '' اللہ جل جلالہ کا وعدہ ہے۔ لیکن اعمالِ صالحہ ایمان کے ساتھ ہوں۔ ایمان کے بغیر کوئی عملِ صالح نہیں کہلا سکتا۔ اس بناء پر سب سے پہلے سیکھنے کی چیز ایمان ہے۔ کہ سب سے پہلے ایمان سیکھو۔، ایمان لاؤ۔ اور ایمان واقعی کوئی سیکھنے کی چیز ہے۔ اس کے لئے قرآن نے یہ کہا '' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ ''ہم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے کوئی دھوکہ نہ دے کہ یہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ ایمان لاؤ۔ مطلب یہ کہ تمہیں ایمان والا نہیں سمجھتے۔ یہ محض دھوکہ ہے۔ یا کسی کو غلط فہمی ہے ہم کسی کو بے ایمان نہیں سمجھتے بلکہ

ایمان والا سمجھتے ہیں۔ اور ایمان والوں ہی سے کہتے ہیں ایمان سیکھو۔ اس لئے کہ قرآن یہی کہتا ہے" یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "اے ایمان والو"اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ "ایمان لاؤ اللہ کے ساتھ۔ اور بدایہ کی روایت ہے جو ہماری تاریخ کی سب سے صحیح کتاب ہے۔ "اَلْبِدَایَة وَالنِّھَایَة "اس میں صحابہ یہ کہتے ہیں، صحابہ کا یہ قول ہے کہ" تَعَلَّمْنَا الْإِیْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ "سب سے پہلے ایمان سیکھا پھر ہم نے قرآن سیکھا۔ اس لئے پہلے سیکھنے کی چیز ایمان ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ایمان کے بغیر عمل قبول نہیں ہوتے۔ دوسرا میں نے عرض کیا ایمان کے بغیر آدمی اسلام پر چل بھی نہیں سکتا ایمان ہی تو قوت ہے اندر کی۔ سمجھنے کے لئے ایمان کو وہ تو ایک حقیقت ہے سمجھ میں تب آتی ہے جب اللہ جل جلالہ توفیق عطا فرماتے ہیں۔ لیکن یوں سمجھنے کے لئے ذہنی طور پر کہ جس طرح آدمی کے اندر صحت ہے۔ اگر آدمی میں صحت ہو۔ آدمی آگے جانا چاہے تو چلا جائے گا ، کسی ضرروت کے پیش نظر پیچھے ہٹنا چاہے تو ہٹ بھی سکتا ہیں۔ لیکن اگر صحت نہ رہے آدمی میں۔ تو بیچارا نہ آگے ہوسکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے، نہ کھا سکے گا نہ پی سکے گا، صحت اندر نہیں رہی۔ اسی طرح سے جب آدمی کے اندر ایمان نہیں رہتا یا کمزور ہو جاتا ہے تو آدمی کے لئے دین کے تقاضے پورا کرنے آسان نہیں رہتے۔ بدن میں جب صحت نہیں رہتی تو آدمی بدن کے تقاضے پورے نہیں کر پاتا۔ بدن کہتا ہے چلو، کہتا ہے کہ نہیں چل سکتا۔ بدن کہتا ہے کھاؤ، کہتا ہے نہیں کھا سکتا۔ بھئی پی لو، کہتا ہے نہیں پی سکتا۔ بولو، کہتا ہے نہیں بول سکتا۔ اس لئے کہ صحت ٹھیک نہیں ہے، صحت کمزور ہو گئی ہے۔ اور جس درجے کی کمزور ہوتی ہے اسی درجہ کے تقاضے بدن کے آدمی پورے نہیں کر سکتا۔ ایک آدمی مریض تھا تو اس کو کہا گیا کہ بھئی ذرا آنکھیں کھولو دیکھو تو سہی، اس نے کہا آنکھیں نہیں کھول سکتا اتنی کمزوری ہے کہ نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں تک بھی کمزوری

آتی ہے۔ جب آدمی کے اندر ایمانی قوت کمزور ہوتی ہے تو پھر دین کے تقاضے آدمی پورے نہیں کر سکتا، اعمال پورے نہیں کر سکتا۔ نماز، کہتا ہے کہ نہیں پڑھ سکتا۔ روزہ، کہتا ہے کہ نہیں رکھ سکتا۔ زکوٰۃ، کہتا ہے کہ نہیں دے سکتا۔ حج، کہتا ہے کہ نہیں کر سکتا، سود چھوڑو، کہتا نہیں چھوڑ سکتا، جھوٹ بولنا چھوڑو، کہتا ہے نہیں چھوڑ سکتا، غیبت مت کرو، کہتا نہیں چھوڑ سکتا، بہتان مت باندھو، کہتا کہ نہیں چھوڑ سکتا۔ نہ غلط کو چھوڑ سکتا ہے نہ صحیح کی طرف آگے بڑھ سکتا ہے۔ نہ یعنی آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ نہ نیکی کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ بدی سے پیچھے ہٹنے کی سکت۔ لیکن جب اندر صحتِ ایمان آجاتی ہے تو پھر ہر نیکی کی طرف بڑھنا بہت آسان ہو جاتا ہے اس اُمّتِ مسلمہ نے مکہ معظّمہ میں جو یہ کہتے ہیں ''تَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ '' پہلے ہم نے ایمان سیکھا، ایسا ایمان سیکھ لیا کہ جس دن نماز پانچ وقت کی فرض ہوئی ہے اسی دن پوری اُمت نے پانچوں وقت کی نماز پڑھی ہے۔ مکہ معظّمہ میں تو صرف اتنا ہی ہوا لیکن مدینہ طیبہ جب پہنچے تو یوں معلوم ہوتا ہے احکامِ الٰہی بارش کی طرح برسے ہیں۔ یہ حکم ہے، یہ حکم ہے، یہ حکم ہے، یہ کرنے کا، یہ نہ کرنے کا۔ جو حکمِ الٰہی آتا گیا پورا ہوتا گیا کیونکہ ایمانی قوت موجود ہے۔ ہر نیکی کی طرف بڑھنا بھی آسان تھا ہر برائی سے پیچھے ہٹنا بھی آسان تھا۔ جس دن شراب کی ممانعت آئی ہے اسی دن پوری امت نے شراب چھوڑ دی ہے اور کسی کو کوئی دِقت پیش نہیں آئی ہے، کسی کا سر نہیں چکرایا۔ ایسی ایمانی قوت ہے وہ کسی بدی سے ہٹنے کی کوئی دِقت پیدا نہیں ہونے دیتی۔ سود کے چھوڑنے کا حکم آیا پوری امت نے چھوڑا اور اس کے لئے لاکھوں نہیں اس زمانے کے اعتبار سے لاکھوں، کروڑوں جو کچھ بھی تھا ہر طرح کے نقصانات ہوئے۔ لیکن سارے نقصانات بہت آسانی کے ساتھ برداشت کئے اور کسی نے اس کو نقصان ہی نہیں سمجھا ہے، اس کو نفع ہی سمجھا کوئی

نقصان نہیں۔ جس بات کو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے منع کر دیا ہے اس کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اس میں نفع کا کوئی سوال نہیں، اس کو چھوڑ دینے میں کسی خسارے کا سوال نہیں۔ اس اعتبار سے بھی دین پر چلا نہیں جاسکتا بغیر ایمان کے، بغیر اندر کی ایمانی قوت سے۔

دوسرا سمجھنے کے لئے یوں عرض کروں کہ دیکھو! آدمی گدھا نہیں ہے کہ ڈنڈے سے چلتا رہے۔ گدھا تو ڈنڈے سے چلتا رہتا ہے لیکن آدمی گدھا نہیں ہے۔ آدمی جسے اللہ رب العزت نے ساری مخلوق سے امتیاز عطا فرمایا ہے، تمام مخلوق سے افضل ترین ہے۔ یہ باہر کی قوت سے، باہر کی طاقت سے نہیں چلتا۔ یہ اندر کی طاقت سے چلتا ہے اور جب اندر کی قوت سے چلتا ہے تو وہی چلنا اس کا صحیح بھی ہوتا ہے۔ جیسے ہوائی جہاز چلتا ہے اندر کی طاقت سے، چلتا ہے مشینری سے اور پٹرول سے۔ وہ اندر کی قوتوں سے چلتا ہے۔ اور جب پٹرول اور مشینری کی طاقت سے چلتا ہے تو جب ہی وہ پانچ چھ سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے لے کر آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیز چلتا ہے، اس سے منزلیں طے ہوتی ہیں۔ یہ بھی ہوائی جہاز کا چلنا ہے اور اسی کو کہتے ہیں اصل میں ہوائی جہاز کا چلنا۔ ایک چلنا یہ بھی ہوتا ہے تم نے بھی دیکھا ہوگا میں نے بھی دیکھا، تو پھر خیال آیا۔ کراچی میں بیٹھا ہوا تھا، فیصل آباد آ رہا تھا۔ جہاز میں چڑھ کے بیٹھے، تو جہاز میں کسی وجہ سے تاخیر تھی۔ تو جہاز ابھی کھڑا ہوا تھا ہم بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا ایک جہاز ہے اس کو ایک چھوٹی سی جیپ، جیپ بھی نہیں چھوٹی سے یونہی اَلا بلا کہو اسے۔ کوئی مرکب سی چیز تھی وہ آگے لگ رہی تھی۔ اور بڑا بوئنگ جہاز وہ اس کے پیچھے چل رہا تھا، وہ کھینچ کے لے جا رہی تھی۔ اور واقعہ یہ کہ جہاز اتنا ہلکا ہوتا ہے چاہے وہ جمبو جہاز ہو، بوئنگ ہو۔ اگر اس کے پہیوں کے سامنے کوئی چیز نہ لگائی جائے تو ہوا سے بھی چل پڑتا ہے اور وہ لے کر جا رہی تھی۔ جیپ ہینگر میں لے کر جا رہی تھی جہاں

اس کی مرمت کرنا تھی۔ اب وہ ہینگر میں اڑ کر اپنے اندر کی طاقت سے نہیں جا سکتا۔ اپنے اندر کی طاقت سے جائے گا تو ہینگر اور ہینگر والے سارے ہی لے جائے گا۔ اس لئے اس کو کسی چھوٹی چیز کے ساتھ لے چلے۔ ان کی ترتیب ہے چھوٹی چیز کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ورنہ میرا بالکل اعتماد ہے اس بات پر کہ اگر ایک گدھا بھی آگے باندھ لیں ہوائی جہاز کے تو ایک گدھا بھی لے جائے گا۔ اگر گدھا آگے باندھ لیا جائے ہوائی جہاز پیچھے پیچھے اور وہ چل رہا ہو اور کوئی آدمی یہ کہے کہ دیکھو جی ہوائی جہاز چل رہا ہے تو بالکل وہ قسم کھائے کہ میں نے ہوائی جہاز چلتے ہوئے دیکھا ہے اور یوں ہوائی جہاز چلتا ہے وہ سچا ہے کہ ہوائی جہاز چل رہا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسے ہوائی جہاز کا چلنا نہیں کہتے۔ ہوائی جہاز کا چلنا اسے ہی کہتے ہیں جو ہمارا ہوائی جہاز کے چلنے کا لفظ سنتے ہی ہمارے ذھنوں میں آتا ہے کہ یوں آیا اور یوں چلا گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ ہے ہوائی جہاز کا چلنا۔ میں نے یہ دیکھا کہ ہوائی جہاز چل رہا تھا تو میرے ساتھ جو آدمی بیٹھا تھا میں نے اس سے کہا یہ دیکھو ہوائی جہاز چل رہا ہے تو وہ یہ دیکھ کر ہنس پڑے۔ میں نے کہا اس وقت میں امت بھی ایسے ہی چل رہی ہے۔

یہ اُمتِ مسلمہ جو ہے کبھی اُس طرح چل رہی تھی کبھی اِس طرح۔ اس وقت میں اُمت جو چل رہی ہے اسلام پر چل رہی ہے دین پر چل رہی ہے وہ اسی طرح سے چل رہی ہے اور یہ چلنا جو گدھے کے پیچھے یا جیپ کے پیچھے۔ یہ کبھی منزل پر نہیں پہنچے گا اسی واسطے امت بھی کبھی کسی منزل پر نہیں پہنچ سکتی۔ باہر کی طاقتوں سے جب چلتی ہے تو نہیں پہنچ سکتی۔ پیسے سے چلاؤ اس کو، حکومت سے چلاؤ اس کو، برادری کی بنیاد پر چلاؤ اس کو، زبان کی بنیاد پر چلاؤ اس کو، قومیت کی بنیاد پر چلاؤ اس کو، طاقت کی بنیاد پر چلاؤ اس کو، علاقوں کی قوت کی بنیاد پر چلانا چاہتے ہو، باہر کی قوتوں سے اس کی تباہی کا

سامان کر رہے ہو لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہو کہ ہم چل رہے ہیں۔ اللہ جل جلالہ کی قسم وہ قوم نہیں چل رہی جو قومیت کی بنیاد پر چل رہی ہے، پیسے کی بنیاد پر چل رہی ہے، برادری کی بنیاد پر چل رہی ہے، یہ ساری باہر کی چیزیں ہیں۔ یہ وہی ہیں جو گدھے کے پیچھے ہوائی جہاز چل رہا ہے اس کا چلنا، چلنا نہیں ہے۔ چلنا اس امت کا اس وقت ہوگا جب اندر کی طاقت، ایمان اور اعمال صالحہ کی طاقت پر چلے گی۔ اس بناء پر کہہ رہا ہوں کہ سب سے پہلے سیکھنے کی چیز ایمان ہے۔ ورنہ باہر کی طاقتوں سے یہ بالکل نہیں چلے گا اور کبھی صحیح نہیں چلے گا اس لئے بھی ضروری ہے کہ پہلے ایمان سیکھا جائے۔

اور دوسری چیز یہ کہ اللہ جل جلالہ کے ہاں جو ضابطے اور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں اس سے بالکل واضح طور پر ساری امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں جتنا بھی شاندار عمل کرتے رہو اگر ایمان نہیں ہے تو عمل قبول نہیں ہے ''مَنْ صَامَ رَمْضَانَ إِيْمَانًا وَ إِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَ إِحْتِسَابًاغُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ'' ایمان شرط ہے۔ ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً''

اعمالِ صالحہ کی قبولیت موقوف ہے ایمان پر اور اس کے لئے دوستو! مثال ایسی ہے جیسے ملک میں مہمان آتا ہے باہر کا غیر ملکی مہمان ملک کے اعتبار سے۔ تو سارے ملکوں کا دستور ہے کہ مہمان کی آمد پر بلکہ شادیوں کے موقع پر بھی اور بھی دیگر تقریبات کے موقع پر لوگ بہت شاندار پھول، پتیاں اور درخت اور دروازے شاندار قسم کے بناتے ہیں۔ وہ کیلے کے پتے اور نا جانے کیا کیا چیزیں لگا کر ایسا معلوم ہوتا ہے کئی بار کہ سبزہ زار سا اور باغ و بہار بن گیا ہے جو زیادہ پیسوں والے ملک ہیں وہ اتنا زیادہ شاندار اور جو تھوڑے پیسوں والے ہیں وہ تھوڑا تھوڑا کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ جتنے

پھول پتیاں ہوتیں ہیں۔ ان سب کی کوئی جڑ نہیں ہوتی اس بناء پر یہ پھول پتیاں بظاہر تو خوشی تھوڑی دیر کے لئے معلوم ہوتی ہے لیکن سارے محلے میں پھرا نہی کا پھیلایا ہوا گند ہوتا ہے۔ اس بناء پر کہ ان کی جڑ نہیں ہوتی۔ اللہ کی قسم جب ایمان نہیں ہوتا تو اعمال سے گندگی پھیلتی ہے، تعفن پھیلتا ہے۔ یہ انسانیت کی تباہی، تنگی اور مصیبتوں کا سامان بنتے ہیں اس سے انسانیت کو نفع نہیں پہنچتا، نقصان ہی نقصان پہنچتا ہے، جب ایمان کے بغیر اعمال کئے جائیں اور اخلاص کے بغیر اعمال کئے جائیں۔

اور یہ بھی عرض کر دوں کہ اخلاص بقدر ایمان آتا ہے جس کے پاس ایمان نہیں ہوتا اس کے پاس کبھی اخلاص آیا ہی نہیں اس کو دھوکہ ہی رہتا ہے۔ ویسے تو ماشاء اللہ آجکل سارے ہی سند یافتہ ہیں۔ جیسے جعلی سندیں بک رہی ہیں ہر قسم کی۔ اس طرح ادھر بھی سندیں بک رہیں ہیں جس کا جی چاہتا ہے نیچے لکھتا ہے مخلص فلان! یعنی خود اپنے آپ کو اپنے منہ سے میاں مٹھو، مخلص فلان، اپنی سند اپنے ہاتھ میں ہے لکھ لی۔ سند یافتہ ہو گیا، مخلص بن گیا۔ اور یہ وہ لکھتا ہے جس کو اخلاص کی ہوا بھی نہیں لگی، پتہ بھی نہیں ہے اس نادان کو کہ اخلاص کیا ہے۔ یہی صورت ایمان کی ہے اور اخلاص بالکل بقدر ایمان کے ہے جتنا ایمان ہوگا اتنا ہی اخلاص آتا ہے ایمان، اخلاص کے بغیر اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کسی کو ہدیہ کے طور پر زندہ گھوڑا دیدے۔ اس کے گھر جا کر باندھ آئے اسے خوشی ہوگی کہ مجھے اس نے گھوڑا دیا۔ زندگی بھر یاد رہے گا تعلق پیدا ہوگا ''تَهَادُوْا تَحَابُّوْا'' ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت پیدا ہوگی تعلق پیدا ہوگا۔ اس کی محبت دل میں بیٹھے گی، قدر و قیمت پیدا ہوگی۔ لیکن اگر کسی آدمی کا گھوڑا رات کو مر گیا اور رات کو اس نے اپنے گھر سے اٹھا کر کسی اپنے پڑوسی کے گھر میں

ڈال دیا۔ گھوڑا ہی دیا ہے سالم اسی طرح کا کان، دم، اور سُم سمیت کوئی کمی نہیں ہے صرف اندر روح نہیں ہے اگر اٹھا کر اس کے گھر پھینک دیا صبح اگر بندوقیں ہوں گی تو بندوقیں نکل آئیں گی نہیں تو کلہاڑیاں نکل آئیں گی طرفین سے۔ ہے کہ نہیں اعلانِ جنگ۔ اخلاص کے بغیر اللہ جل جلالہ کے گھر میں اعمال جانا اللہ جل جلالہ کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے یہ اللہ جل جلالہ کو ناراض کرنے کا سامان ہے یہ اللہ جل جلالہ کو خوش کرنے کا سامان نہیں ہے۔ اس بناء پر عرض کر رہا ہوں کہ پہلی چیز سیکھنے کی کیا ہے؟ ایمان! اور اس لئے بھی رونا رو رہا ہوں، اول تو بدقسمتی سے ہر چیز کو سیکھنے کا شوق ہے، ہر چیز کو سیکھنے کا ذوق ہے، ہر چیز کو امت سیکھنے کے لئے تیار ہے اور اس کو سیکھنے سے سمجھتی ہے کہ اس کو فائدہ ہوگا، اس کی اولاد کو فائدہ گا، برادری کو فائدہ ہوگا، ملک کو فائدہ ہوگا لیکن اگر سیکھنے کا ذوق وشوق نہیں ہے تو دین کا نہیں ہے۔ اور اگر کسی طبقے میں یہ خدا کا شکر ہے تھوڑی سی محنت ہونے لگی ہے اور ایک تعلق پیدا ہوا ہے کہ دین سیکھنا چاہیے۔ ایک طبقہ ہے، اللہ جل جلالہ کا احسان ہے اور اچھا خاصا ہے اس میں دین کا شوق پیدا ہوا ہے۔ لیکن وہ بھی سیکھنے بیٹھتا ہے تو اعمال سیکھتا ہے، ایمان نہیں سیکھتا۔ اس لئے کہ اعمال سیکھنا بھی آسان اور اعمال کے الفاظ سیکھنا بھی آسان۔ چونکہ یہ آسان ہے اس لئے وہ سیکھتا ہے تو اعمال سیکھتا ہے، ایمان نہیں سیکھتا۔ ایمان پر زیادہ وقت لگتا ہے زیادہ محنت ہوتی ہے زیادہ قربانی کرنا پڑتی ہے۔ آسان ہے یہ اس لئے سیکھ لیا اور سمجھتا ہے کہ سب کچھ ہو گیا۔ اور ہوتا ہوا تا کچھ بھی نہیں۔ وقت بھی لگ جاتا ہے محنت بھی ہو جاتی ہے نتیجہ کچھ نہیں نکلتا اس واسطے کہہ رہا ہوں جو مقدم ہے اسے خدا کے واسطے مقدم رکھو۔ خدا کا شکر ہے کہ دین کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ لیکن دین کی سب سے پہلی جو چیز ہے اسے سب سے پہلے سیکھو۔ ہر چیز کے سیکھنے کی اپنی ترتیب ہوتی ہے۔ جو پہلا ہے اسے پہلے سیکھو۔

ایمان سیکھا جائے اور اس پر بھرپور محنت کی جائے۔ سب سے زیادہ محنت ایمان سیکھنے پر ہوئی مکہ معظّمہ میں اور وہ بالکل بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے سید الکونین ﷺ جیسی شخصیت جن کا ایک دن بھی پوری امت کے تمام اوقات سے زیادہ قیمتی ہے ان کے تیرہ سال لگے ایمان سیکھنے، سکھانے پر۔ جہاں تک بقیہ اعمال کے سیکھنے کا تعلق ہے سارے اعمال مدینہ طیبہ میں دس سال کے اندر سیکھ لئے گئے۔ اور سو فیصد مکمل کے مکمل سیکھ لئے گئے۔ کسی عمل میں کوئی کمی نہیں تھی، نہ نماز میں کوئی کمی تھی، نہ روزے میں کوئی کمی تھی، نہ حج میں کوئی کمی تھی، نہ جہاد میں کوئی کمی تھی، نہ معاملات میں کوئی کمی تھی، نہ اخلاق میں کوئی کمی تھی، جتنی بھی چیزیں تھیں ان میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی ان کو مکمل طور پر پوری اُمّت نے سیکھ لیا تھا صرف دس سال میں۔ اور صرف ایمان پر تیرہ سال لگے۔ اس اہمیت کو سمجھتے ہوئے۔ دوستو! سب سے پہلے ہر ایک کو ایمان سیکھنا ہے۔

اور یہ بھی عرض کر دوں ایمان آ جائے۔ اس کی مثال جڑ کی ہے جڑ لگ جائے ایک دفعہ پھر شاخیں، پتیاں اس کے لئے آپ کو لمبی محنت نہیں کرنا پڑے گی شاخیں، پتیاں خود بخود پھوٹیں گی۔ جب جڑ لگ جاتی ہے تو پتے اس پر آپ کو ٹانگنے پڑتے ہیں؟ پتے تو خود نکلیں گے، پتے بھی خود نکلیں گے، شاخیں بھی خود نکلیں گی، پھول بھی خود نکلیں گے، پھل بھی خود بخود نکلیں گے آپ کو ٹانگنے نہیں پڑیں گے۔ اور اگر جڑ لگی ہوئی نہیں ہے اور ساری چیزیں آپ نے ٹانگ لیں ساری بے کار ہیں۔ ایمان جڑ ہے اور عبادات اس کی شاخیں اور پتیاں ہیں، اخلاق اور معاملات اس کے پھول اور پھل ہیں جو سب سے آخیر میں آیا کرتے ہیں۔

اس بناء پر پہلی چیز ایمان ہے اور اس ایمان کی محنت و کوشش کی جائے باہر نکلو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ذات پر یقین لانے کے لئے کہ میرا ایمان اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ذات پر آ جائے،

اللہ جل جلالہ کی صفات پر ایمان آجائے'' اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَاھُوَ بِأَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ '' اللہ جل جلالہ کی ذات پر یقین اللہ جل جلالہ کی صفات پر یقین۔ اور ایک اللہ جل جلالہ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور ساری مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔ کسی بھی مخلوق سے کچھ بھی نہ ہونے کا یقین۔ دوستو جب یہ یقین اندر آتا ہے اللہ کی قسم آدمی میں زندگی آجاتی ہے مردہ زندہ ہو گیا ہے جیسے، بے روح جسم، روح والا بن گیا۔ جس کے اندر بھی ایمان آئے گا وہ زندہ ہو جائے گا حاکم ہوگا تو وہ زندہ ہو جائے گا، تاجر ہوگا تو وہ زندہ ہو جائے گا، عالم ہو گا تو وہ زندہ ہو جائے گا، جوان ہوگا تو وہ زندہ ہو جائے گا، بوڑھا ہوگا تو اسے زندگی اللہ جل جلالہ نصیب فرمائیں گے، عورت ہوگی تو اسے زندگی مل جائے گی۔ جس کسی کے اندر بھی ایمان آئے گا اسے زندگی ملے گی۔ اور جب ایمان آتا ہے آدمی واقعی اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ میں زندہ رہنے کے قابل چیز ہوں۔ اسے اللہ جل جلالہ سکون بھی نصیب فرماتے ہیں، قوت بھی نصیب فرماتے ہیں، طاقت بھی نصیب فرماتے ہیں۔ اور یہ اتنا طاقت ور ہوتا ہے کہ کائنات کی کوئی بھی چیز اتنی طاقت ور نہیں ہوتی جتنا ایمان والا طاقت والا ہوتا ہے۔ اور اتنی بے خوفی کی زندگی ہوتی ہے۔ جب آدمی کا یقین ہو کہ پوری کائنات میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ یہ کتنی بھر پور زندگی ہوگی، کتنی پُر لطف زندگی ہوگی، کتنی بے خوفی کی زندگی ہوگی۔ اور اگر آدمی مخلوق سے ڈرے تو اِدھر سے ڈرے گا اُدھر سے ڈرے گا۔ ہر اینٹ، پتھر سے ڈرے گا یہ نہ بگاڑ دے وہ نہ بگاڑ دے، یہ نہ مار دے وہ نہ مار دے۔ یہ کوئی زندگی ہے۔ مخلوق سے نہ ہونے کا یقین، اکیلے خالق سے ہونے کا یقین۔ ایمان جو میں کہہ رہا تھا کہ ایمان سیکھنے کی بات ہے، جب اللہ جل جلالہ کی عظمت اور بڑائی آدمی کے دل میں آتی ہے۔ اور اللہ کی ذات پر یقین آتا ہے اللہ کی صفات سے آدمی کو معرفت حاصل ہوتی ہے تو طے شدہ بات ہے کہ اللہ جل جلالہ سے محبت

پیدا ہوتی ہے، اور دل میں عظمت بھی بیٹھتی ہے۔ جب اللہ ﷻ کی محبت دل میں آئے گی تو اللہ ﷻ کی عظمت دل میں بیٹھے گی طبعی چیز ہے کہ آدمی کی جس سے محبت ہوتی ہے تو آدمی کا سب کچھ اسی کے لئے ہوتا ہے۔ سمجھنے کے لئے بلا تشبیہ کے مثال دوں! کہ اگر گھر میں ایسا آدمی آ جائے جس کے ساتھ آدمی کو محبت ہے اور اس کی دل میں عظمت اور احترام بھی ہے وہ گھر میں آ گیا۔ تو اس کے گھر میں آتے ہی آدمی کی تمام نقل وحرکت اسی کے لئے ہو جاتی ہے۔ اندر جاتا ہے تو اسی کے لئے، باہر آتا ہے تو اسی کے لئے، کوئی چیز لاتا ہے تو اسی کے لئے، سب کچھ اسی کے لئے، سارا کچھ ہو رہا ہے اور کوئی نیت نہیں کرنی پڑ رہی! کہ میں دنبہ لا رہا ہوں واسطے ان کے، مرغی لا رہا ہوں واسطے ان کے، کوئی نیت نہیں کرنی پڑتی وہ آٹو میٹک نظام ہے جس سے محبت ہوگی سارا کچھ اسی کے لئے ہوتا چلا جائے گا۔ جس وقت ایمان آئے گا ہر آدمی کا عمل خود محض اللہ ﷻ کے لئے ہو جائے گا۔ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، دیکھنا، بولنا، کھانا، پینا، لینا، دینا، پہننا سارا کچھ اللہ ﷻ کے لئے ہوگا، یہاں تک کہ کمانا بھی اللہ ﷻ کے لئے ہوگا، اور خرچ کرنا بھی اللہ ﷻ کے لئے ہوگا۔ اس سے بھی آگے بیوی سے محبت کرنا، اس کے پاس بیٹھنا، بیوی کے پاس جانا بھی اللہ ﷻ کے لئے ہوگا اور بچے سے پیار کرنا بھی اللہ ﷻ کے لئے ہوگا، اور وہ کتنی لطف کی زندگی ہوگی۔ کہ جب ہر عمل اللہ ﷻ کے لئے ہوتا ہے تو ایک مرتبہ نہیں، ایک کروڑ مرتبہ قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ آدمی عمل کرے اور سکون نصیب نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب کوئی عمل کرے گا سکون نصیب ہوگا۔ لیکن شرط اس میں یہ ہے کہ وہ عمل، عمل تو بنے۔ عمل تب بنے گا جب ایمان کے ساتھ ہوگا، اخلاص کے ساتھ ہوگا۔ اس بناء پر دوستو سب سے پہلے ایمان ہے اور دوسرے نمبر پر سیکھنے کی چیز اخلاص ہے وہ میں عرض کر چکا بالکل (توامان ہیں) کہ جس طرح جڑواں بچے ہوتے

ہیں، ایمان آتا ہے تو اخلاص آتا ہے، اخلاص آتا ہے تو ایمان آتا ہے۔

اور حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے ہاں لوگوں کی تربیت کے لئے جیسے ہر دور میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ خیر کی صورت پیدا فرمایا کرتے ہیں مختلف صورتیں ہوتیں رہیں ہیں۔ایک دور مجدّد الف ثانیؒ کا گزرا ہے جس میں امت تربیت پایا کرتی تھی۔امت کے تمام طبقات ان کے ہاں جا کے رہتے تھے، سفر میں بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔تو پھر اس کے نتیجے میں امت کی تربیت ہوتی تھی۔ایمان کے اعتبار سے، عبادت کے اعتبار سے، اخلاق کے اعتبار سے۔ایک دفعہ کسی آدمی کو خیال آیا کہ یہ لوگ مختلف ملکوں کے مختلف علاقوں کے مختلف زبانوں کے یہاں جمع ہیں اس نے یوں گننا شروع کیا۔جیسے تاریخی قسم کے ذہن کا آدمی ہوتا ہے اس نے گننا شروع کر دیا کہ یہ فلان ملک کا، اور وہ فلان ملک کا۔ چنانچہ دستر خوان پر پچیس ملکوں کے لوگ تھے۔لوگ آتے تھے دین سیکھنے کے لئے، تربیت پانے کے لئے۔اس دستر خوان پر ایک آدمی ترکی کے تھے انہوں نے دیکھا اور کہا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟

(اس سے آگے کا بیان میسر نہ ہو سکا اس لئے کتابت میں نہ آسکا) <از مؤلف>

بیان قائدآباد

خطبہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَلُّ بِھَا الْعُقَدُ وَتُفَرَّجُ بِھَا الْکُرَبُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَکَ رِضَاءً وَلِحَقِّہٖ اَدَاءً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَسِیْلَۃً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ کَفِیْلًا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَکَمَالِہٖ۔

وَ بَعْدُ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا ـ"

قابلِ احترام بزرگو، بھائیو اور عزیزو! اللہ ﷻ نے تمام انسانوں کو اس طرح

سے بنایا ہے کہ کسی بھی دو آدمیوں کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دو آدمی بعینہٖ ایک طرح کے ہیں۔ ہر آدمی کی صورت الگ ہے، اس کا ماتھا، اس کی ناک، اس کی آنکھیں، اس کی شکل، اس کی آواز، اس کا دانت، اس کی ہر ہر چیز الگ الگ ہے۔ اور یہ اللہ جل جلالہٗ کی صفتِ خلق کا کمال ہے۔ پیدا کرنے والا ہے، بنانے والا ہے اور بنانے والے کے بنانے کا کمال ہے کہ ہر آدمی کی ظاہری صورت الگ اور باطنی استعداد الگ اور اس کی آرزوئیں اور خواہشیں الگ، یہاں تک ہر آدمی کی آواز الگ اور ہر آدمی کی چال الگ۔ دنیا کے مسلّمات میں سے ہے سنا ہوگا اور دیکھا بھی ہوگا بعض بڑی عدالتوں کے کیسوں میں "اللہ جل جلالہٗ کی صفتِ خلق کا کمال ہے کہ کسی آدمی کے انگوٹھے کی لکیریں دوسرے آدمی کے انگوٹھے کی لکیروں سے نہیں ملتیں"۔ "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ" اس طرح سے تو اللہ جل جلالہٗ نے مختلف بنایا ہے۔ زبانیں الگ الگ ہیں، طبقات الگ الگ ہیں، کام کی صلاحیتیں الگ الگ ہیں، سوچیں الگ الگ ہیں، رنگ الگ الگ ہیں، اتنا الگ الگ بنا کر سب کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا ہے۔ ایک ہی آدم علیہ السلام ابا جان ہمارے اور ایک ہی حوا علیہا السلام اماں جان ہماری۔ اللہ جل جلالہٗ اس بات پر قادر ہیں کہ گوروں کی ماں اور باپ الگ الگ ہوتا، کالوں کا الگ ہوتا، ملیشیوں کا الگ ہوتا، چینیوں کا الگ ہوتا، روسیوں کا الگ ہوتا، اس بات پر قادر تھے۔ لیکن نہیں ایک ماں باپ سے سب کو پیدا کیا۔ اور حکم بھی یہ دیا ہے کہ مختلف زبانیں، مختلف طبقات اور مختلف صلاحیتیں اور اتنے مختلف کہ جس کا کچھ حصہ ہی بیان کیا گیا ہے۔ اس اختلاف کو بیان ہی نہیں کیا جاسکتا اتنا تفصیلی ہے۔ اتنے مختلف ہونے کے باوجود جہاں کہیں بھی ہو آپس میں اس طرح مل کر رہو کہ ایک ماں باپ کی اولاد لگیں۔ آپس میں جڑے رہیں تمہیں ایک ماں باپ سے پیدا کیا ہے بھائی بھائی بن کر رہو۔ اگر تم آپس میں جڑ

گئے، اگر تمہارا آپس میں جوڑ ہوگیا، آپس کا اتحاد ہوگیا تو طاقت بن جاؤ گے اپنے کام کے بھی ہوگے اور لوگوں کے بھی کام آ ؤ گے۔ اور اگر آپس میں جڑے ہوئے نہ ہوئے تو نہ اپنے کام کے رہو گے نہ دوسروں کے کام کے رہو گے۔ اگر آپس میں جوڑ ہوگیا تو عزت کی زندگی ہوگی، غلبے کی زندگی ہوگی، راحت کی زندگی ہوگی، سکون کی زندگی ہو گی، مرجعیت اور محبوبیت کی زندگی ہوگی۔ اگر آپس میں جڑے نہیں تو تشدد کی زندگی ہو گی، پریشانی کی زندگی ہوگی، ذلت کی زندگی ہوگی۔ خود بھی پریشان ہوں گے اور دوسروں کو بھی پریشان کریں گے۔ اس لئے ہر قیمت پر آپس میں جڑے رہو۔ سید الکونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا، ترغیب بھی دی اور ترھیب بھی، ڈرایا بھی۔ دیکھو آپس میں جڑے رہو۔ ترغیب اس انداز کی دی بہت پیارا انداز، فرماتے ہیں کہ ''لَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا'' ہرگز جنت میں داخل نہ ہوسکو گے جب تک ایمان نہ لاؤ ایمان کے بغیر جنت کا داخلہ نہیں ہے۔ اور اس کے متصل بعد فرمایا کہ جس طرح ایمان کے بغیر جنت کا داخلہ کا نہیں تو اگلی بات یہ ہے کہ ''وَلَنْ تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا'' ہرگز مومن نہیں بنو گے جب تک آپس میں محبت نہیں کرنے لگو گے۔ ایمان والے نہیں ہیں اگر آپس میں تعلق نہیں ہیں۔ ایمان کی علامت ہے آپس کا جوڑ، اگر آپس کا جوڑ نہیں تو ایمان کامل نہیں۔ اور یوں فرمایا ''وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ'' جو آپس میں محبت کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ میری محبت واجب ہے، ضروری ہے کہ میں ان سے محبت کروں۔ ''وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ، وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ'' محبت کی وجہ سے جو آپس میں مل جل کو بیٹھتے ہیں ان کے لئے میری محبت واجب ہے۔ اور اسی محبت کی وجہ سے ''وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ'' جو آپس میں اللہ جل جلالہ کے لئے ایک دوسرے سے ملتے ہیں ایک

دوسرے کواللہ ﷻ کے لئے ملنے جاتے ہیں ایک دوسرے کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ان کے لئے میری محبت واجب ہے۔حضور ﷺ نے بہت سی احادیث میں اس طرح کی ترغیب دی ہے کہ جڑ کر رہو۔جڑنے کے فوائد ہیں اوراسی کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ دیکھوآپس میں پھٹے ہوئے مت رہوتفرق پسند نہیں ہے۔جڑے رہواور ہر قیمت پر جڑے رہو۔اور یوں ارشادفرمایا کہ جوآدمی میری امت میں تفرقہ پیدا کرے اس پر اللہ ﷻ کی لعنت، اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت فرشتوں کی لعنت۔جو میری امت میں تفرقہ پیدا کرے یہ اتنابدترین عمل ہے کہ وہ آدمی ملعون ہےاس پراللہ ﷻ کی لعنت، اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت،اللہ کے فرشتوں کی لعنت۔اور یہ ترہیب ہے ،ڈرایاہے بدعمل سے۔

یوں ارشادفرمایا کہ صبح کے وقت میں شیطان اپنے چھوٹے شیاطین کوبھیجتا ہے کام کے لئے۔وہ پھرتے ہیں جس کو جتنا گمراہ کر سکتے ہیں جوکچھ بھی وہ کر سکتے ہیں وہ کرتے ہیں۔اس گمراہ کرنے کی صورت یہیں عرض کر دوں اس کے پاس نہ تو کوئی کتاب ہوتی ہےاور نہ ہی کوئی نبی۔اللہ ﷻ نے ایک قوت دی ہےشیاطین کووسوسہ ڈالنے کی دل میں۔اوراس کی صورتیں بالکل متعین طور پرصرف تین چار ہیں۔ایک تو وہ یہ کام کرتے ہیں کہ آدمی کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتے ہیں کہ اگرتونے یہ اچھاعمل کیا تو یہ نقصان ہوجائے گا، یہ نقصان ہوجائے گا، یہ نقصان ہوجائے گا۔اگرتونے سچ بولا تو مکان دوسرے کےحق میں چلا جائے گا، فیصلہ تیرے خلاف ہوجائے گا، مال میں گھاٹا پڑ جائے گا۔ہر نیکی کے کرنے میں نقصان بتا تا ہے انسانوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔اور ہر بدی کے کرنے میں کہ اگر یہ غلط کام کروگےتو یہ فائدہ ہوجائے گا، یہ فائدہ ہوجائے گا، یہ فائدہ ہوجائے گا۔آمدن ہوگی یہ مزا آئے گا یہ جوڑ بیٹھ جائے گا۔اگر

جھوٹ بولو گے تو اتنے پیسے مل جائیں گے، اگر چوری کرو گے تو اتنا بڑا مال مل جائے گا، ڈاکہ ڈالو گے تو اتنا بڑا مال مل جائے گا۔ اور قتل کرو گے تو فلاں عہدہ مل جائے گا۔ ہر غلط کام پر فائدہ بتانا اور ہر نیکی پر نقصان کا وسوسہ ڈالنا یہ اس کا کام ہے۔ ایک کام تو اس کا یہ ہے اور اس کا بنیادی کام یہی ہے اور پھر اس کے لئے تدبیریں کرتا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں اور سید الکونین ﷺ نے اس کے مقابلے میں یہ فرمایا ہے کہ جب کوئی اچھا کام کرو گے، نیکی کا کام کرو گے تو اس سے فائدہ ہوگا۔ جب کوئی غلط کام کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ سارے قرآن اور ساری احادیث میں یہی ہے۔ اللہ جل جلالہ نے یہی فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے یہی فرمایا کہ جب کوئی اچھا عمل کرو گے تو فائدہ ہو گا۔ چھوٹے سے لے کر بڑے عمل تک جتنا کوئی عمل ہے اسی مقدار سے نفع ہوتا ہے۔ سب سے چھوٹا عمل وہ ہے جس کے متعلق بخاری کی روایت ہے حضور ﷺ نے سابقہ امتوں میں سے کسی کا قصہ بیان فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ایک فاحشہ عورت جا رہی تھی راستے میں ایک کنواں پڑتا تھا بیابان میں۔ اس بیابان کنویں پر پہنچی اس میں نہ ڈول نہ رسی کوئی چیز نہیں ہے، بیابان کنواں ہے۔ ادھر سے ایک کتا آ گیا پریشان تھا اس نے چکر کاٹنا شروع کیا زبان نکلی ہوئی ہے، پیاسا ہے۔ وہ عورت پریشان ہوئی کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے اس کو پانی کیسے پلاؤں، صورت پانی پلانے کی کوئی نہیں ہے۔ اس عورت کو جب پریشانی ہوئی، فکر لگی تو اللہ جل جلالہ نے تدبیر بھی سجھائی۔ جب آدمی کوئی خیر کا کام کرتا ہے تو اللہ جل جلالہ خود تدبیریں سجھاتے ہیں۔ اس نے تدبیر سوچی کہ پاؤں میں چمڑے کا موزہ ہے اس موزے کو اتار لیا اور دوپٹے سے باندھا۔ کنواں ایسا کہ دوپٹہ اور موزہ اس پانی تک پہنچنے والے نہیں ہیں۔ لیکن جو کر سکتی ہے وہ کر رہی ہے۔ یہ اللہ جل جلالہ جانے کہ اللہ نے کیا کیا؟ کہ دوپٹے کو لمبا کیا یا پانی کو اوپر کیا کہ موزے میں پانی آیا اور

موزے سے پانی نکال کے اس کتے کو پانی پلایا۔ اور سید الکونین ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس عمل پر اس کو اللہ نے جنت عطا فرما دی۔ اس سے چھوٹا عمل سوچنے میں سمجھنے میں نہیں آتا کہ یہ ایک فاحشہ عورت، غلط عورت، غلط زندگی گزارنے والی عورت۔ اور کتے جیسی جنس کو پانی پلانا خود چھوٹا عمل ہے۔ کسی کو مکان دینا سب سے بڑا عمل ہے کسی کو ھدایت پر لانا اس سے بڑا عمل ہے پانی پلانا یہ سب سے چھوٹا عمل ہے۔ اور پھر پانی کسی نبی کو نہیں پلایا، کسی صحابی کو نہیں پلایا، کسی ولی کو نہیں پلایا، کسی مسلمان کو نہیں پلایا، کسی نمازی کو نہیں پلایا، کسی انسان کو نہیں پلایا، کسی حلال جانور کو نہیں پلایا، کتے کو پانی پلایا سب سے چھوٹا عمل ہے۔ لیکن اس کو بھی اللہ جل جلالہ ضائع نہیں فرماتے اس پر اجر ملتا ہے اور اتنا عظیم عمل ہے اسی عمل پر اللہ جل جلالہ نے جنت نصیب فرمائی عمل اخلاص کے ساتھ ہے اس پر اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔

اور جو غلطی آدمی کرتا ہے اس پر بھگتتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ "مَآ أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَ يَعْفُوعَنْ كَثِيرٍ" قرآن کی آیت ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا جو اس کا ترجمہ ہے وہی اس کا مطلب ہے پوری بات واضح ہے کہ جو کوئی تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کسی غلط عمل کا نتیجہ ہے۔ جو کوئی مصیبت آتی ہے وہ تمہاری غلطی کا نتیجہ ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اس کا ترجمہ ہے وہی اس کا مفہوم ہے۔ فرمایا کوئی باریک بات نہیں سیدھی سی بات ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر چلتے چلتے میرا پاؤں پھسلتا ہے تو میں یہ سوچتا ہوں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی کہ پاؤں پھسلا ہے۔ کچھ بھی ہوا ہے اپنا کیا ہوا ہے۔ اللہ جل جلالہ کے قرآن مجید نے یہی کہا اور اللہ جل جلالہ کے رسول ﷺ نے یہی فرمایا کہ نیکی سے، اچھے کام سے، یعنی خیر میں سے خیر نکلتی ہے شر میں سے شر نکلتا ہے۔ بس شیطان یہ وسوسہ ڈالتا

ہے کہ نیک کام کرو گے تو غلط نتیجہ نکلے گا اور غلط کام کرو گے تو اچھا نتیجہ نکلے گا۔اب یہ آدمی کی نادانی ہے۔دیکھو یہ نہ اللہ جل جلالہ کی مانتا ہے نہ اللہ جل جلالہ کے رسول ﷺ کی مانتا ہے۔اور شیطان کا وسوسہ مانتا ہے انتہائی نادانی کی بات ہے۔واقعی خیر میں سے شر دیکھنا یا شر میں سے خیر دیکھنا اور اس میں اپنے آپ کو بڑا سمجھ دار سمجھنا،مزید براں اپنے آپ کو بڑا سمجھ دار بھی سمجھتا ہے۔ختمِ نبوت کے قصے میں جب ختمِ نبوت کی تحریک چل رہی تھی تو میں بھٹو سے ملنے کے لیے گیا اس نے پیغام بھیجا کہ میں چند علماء سے ملنا چاہتا ہوں اور اکیلا ملنا چاہتا ہوں میں نے کہا میں تو اکیلے کسی سے ملا نہیں کرتا۔پیغام آیا کہ کسی کو ساتھ لے کر آ جائیں میں گیا ملنے کے لئے لاہور گورنر ہاؤس میں۔میں نے کہا کہ یہ مسئلہ ہے اور یہ کرنا ہے۔کہنے لگا مفتی صاحب! یہ سارے مسائل میری جھولی میں ڈالنے ہیں۔میں نے کہا نہیں یہ جھولی میں ڈالنے کی بات نہیں ہے یہ نبوت کا دعوی اللہ جل جلالہ سے اور اللہ کے رسول ﷺ سے بغاوت ہے جس طرح حکومت کے اندر حکومت بنانا یہ بغاوت ہے اسی طرح سید الکونین ﷺ کے دورِ نبوت میں نبوت کا دعوی کرنا بغاوت ہے۔جب بغاوت ہو ملک میں تو سارے کام چھوڑ کر بغاوت کو فرو کرنا ہوتا ہے۔اور بغاوت کو فرو کرنا اور یہ ہر قیمت پر فرو کیا جاتا ہے۔جو قیمت بھی ادا کرنی پڑے اس کی جو قربانی کرنی پڑے۔تو اس پر کہنے لگا آپ کو حالات کا اندازہ نہیں ہے۔اور میں نے کہا یہ مسئلہ جو ہے آپ کہتے ہیں کہ میں قائدِ عوام ہوں اور عوام،عوام کی بات کرتے ہیں۔میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عوام کسی مسئلہ پر اتنے متفق نہیں ہیں،متحد نہیں ہیں جتنے اس مسئلہ پر متحد ہیں عوام متحد ہے اس بات کو کر لو عوام کا تقاضا ہے۔اس پر کہنے لگا آپ کو بین الاقوامی حالات کا اندازہ نہیں ہے اس بناء پر آپ کہتے ہیں کہ یہ آسان ہے۔میں نے کہا مجھے بین الاقوامی حالات کا اندازہ ہے۔اس میں کوئی شبہ

نہیں کہ آپ خارجہ میں رہے ہیں اور اس وقت وزیر اعظم ہیں آپ کو اندازہ ہے لیکن میں بھی خارجہ کا آدمی ہوں مجھے حالات کا اندازہ ہے۔ باقی ایک بات سن لو اور بہت توجہ سے سن لو اس کو، اور واقعی اس نے کاغذ پنسل سامنے رکھ لیا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ دیکھو یہی بات کہہ رہا تھا جس کی بناء پر مجھے یاد آیا۔ میں نے کہا آپ کے ذہن میں یہ ہے کہ اگر میں نے یہ مسئلہ کر لیا۔ ان کو اقلیت قرار دے دیا تو یہ ناراض ہوگا، وہ ناراض ہوگا، برطانیہ یہ کہے گا، امریکہ یہ کہے گا، فلان یہ کہے گا جو ان کے آباؤ اجداد ہیں وہ سب ناراض ہو جائیں گے۔ میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خیر کا کوئی کام کرنا اور پھر یہ سوچنا کہ اس میں سے شر پیدا ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کی بیوی حاملہ ہو جائے اور ملک کا وزیر اعظم یہ بیٹھ کر سوچ رہا ہو کہ اس کی بیوی حاملہ ہوگئی ہے کہیں کتیا پیدا نہ ہو جائے، کہیں بلی پیدا نہ ہو جائے، کہیں گیڈر پیدا نہ ہو جائے۔ تو یہ وزیر اعظم کی سوچ جو ہے یہ پاگل پن ہے یہ کوئی فلسفیانہ اور حکمت کی بات نہیں ہے۔ آدمیوں والی سوچ نہیں ہے نہ عقل کی بات ہے بھئی بیوی حاملہ ہے اللہ خیر کرے بچی پیدا ہوگی بچہ پیدا ہو گا۔ عورت میں سے بچہ پیدا ہوتا ہے یا بچی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سے کتیا پیدا ہونے کا کیا سوال ہے، گدھی پیدا ہونے کا کیا سوال ہے۔ اور شر میں سے خیر کا پیدا ہونا۔ کوئی شر کا کام غلط کام آدمی کرنے لگے اور یہ سمجھے اس سے یہ یہ فائدہ اٹھاؤں گا، فائدہ ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے گھر میں کتیا حاملہ ہو جائے کتیا رکھی ہوئی تھی پہرے کے لئے۔ اور ملک کا وزیر اعظم یہ سوچنے لگے کہ کتیا حاملہ ہے شاید خوبصورت سا بچہ پیدا ہو جائے یا خوبصورت سی لڑکی پیدا ہو جائے۔ تو میرے نزدیک یہ عقل کی سوچ نہیں یہ تو پاگل پن ہے۔ بھئی کتیا ہے کتیا میں سے کتیا پیدا ہوگی، گدھی حاملہ ہے تو گدھی پیدا ہوگی، گھوڑی حاملہ ہے تو گھوڑی پیدا ہوگی یا گھوڑا پیدا ہوگا۔ خیر میں سے خیر

نکلتی ہے اور شر میں سے شر نکلتا ہے۔ خیر سے شر پیدا ہونے کا کیا سوال۔ سنت کے مطابق یہی ہے، اللہ کا طریقۂ جاریہ یہی ہے کہ خیر میں سے خیر نکلتی ہے اور شر میں شر نکلتا ہے۔ جب بھی خیر کا کوئی کام کرو تو یقین کرو کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ خیر کو پیدا فرمائیں گے۔ ظاہری طور پر جو نقصان نظر آتا ہے وہ نقصان نہیں ہوتا وہ نفع ہی نفع ہوتا ہے۔ سمجھے۔ اسے اس وقت تک یاد رکھیو جب میں کہوں گا کہ کھڑے ہو اور نام لکھواؤ۔

دو کے درمیان میں لڑائی کرا کے آیا ہوں۔ تو شیطان اسے اپنے تخت پر بیٹھاتا ہے، سب سے زیادہ اعزاز کرتا ہے، یہ شیطان کو سب زیادہ خوش کرنے والا عمل ہے۔ سب سے زیادہ خوشی شیطان کو لڑنے بھڑنے سے ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سنتے رہے ہو رمضان المبارک میں کہ لیلۃ القدر جس میں سب سے زیادہ بخشش ہوتی ہے۔ کسی رات میں کسی دن میں، کسی وقت میں اتنی بخشش عامہ نہیں ہوتی جتنی لیلۃ القدر میں ہوتی ہے۔ شام سے لے کر صبح تک اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ آوازیں دیتے ہیں کہ ہے کوئی بخشش چاہنے والا، ہے کوئی یہ چاہنے والا، وہ چاہنے والا دنیاوی ضرورتوں کے متعلق۔ گویا دینے والا آوازیں دیتا ہے لینے والوں کو اتنی بخششِ عامہ ہوتی ہے۔ لیکن سید الکونین ﷺ نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا، آپس میں کینہ رکھنے والوں کی اس رات بھی بخشش نہیں ہوتی یہ اتنا بدترین عمل ہے۔ آپس میں بُغض رکھیں تو اس رات بھی بخشش نہیں ہوتی۔ شب برأت کے متعلق بھی یہ آتا ہے اور لیلۃ القدر کے متعلق بھی یہ آتا ہے۔

اور میرے نزدیک جو سب سے زیادہ انتہاء کی بات ہے۔ وہ بھی ذکر کر دوں پھر اگلی بات عرض کر دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے پہلے یہ ارشاد فرمایا اور یہ تعیین کروایا کہ میرے انتقال کے بعد چھ آدمی وہ چھ کے چھ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کہ

یہ چھ آدمی ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، یہ چھ آدمی ایک جگہ پر فلاں جگہ پر بیٹھیں اور یہ چھ آدمی کسی کو اپنے میں سے خلیفہ مقرر کرلیں۔ میرے بعد مسلمانوں میں۔ اگر یہ چھ کے چھ کسی پر متفق ہو جائیں سبحان اللہ! کسی ایک آدمی پر سب متفق ہو گئے پانچ کے پانچ۔ یا چھ کے چھ کہ فلاں خلیفہ ہو ٹھیک ہو گیا۔ اگر چھ متفق نہ ہوں دو کی رائے ایک کے متعلق ہے چار کی رائے ایک کے متعلق ہے۔ تو جس جانب میں چار کی رائے ہو اس کو خلیفہ مقرر کرلو۔ اگر ایسی صورت بن جائے کہ تین کی رائے ایک کے متعلق اور تین کی رائے ایک متعلق۔ چھ آدمی ہیں تو پھر فیصلے کی صورت یہ ہے کہ جن تین میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ یہ اتنا وزنی آدمی ہے گویا یہ ایک آدمی دو کے برابر ہے۔ جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں گے وہ خلیفہ ہوں گے یہ ہوا۔ اس کے بعد فرمایا اگر تین کے رائے سے یا چار کی رائے سے ایک آدمی خلیفہ مقرر ہوا۔ اگر متفقہ ہوا تو وہ منتخب ہے ہی۔ لیکن اگر تین اور چار کی رائے سے بنا ہے۔ دو آدمیوں کی رائے ایک کے متعلق ہے تو وہ آدمی جس کی اِمارۃ چار سے یا تین سے طے ہوئی ہے اور جن کی رائے دوسرے کے متعلق ہے۔ وہ وہیں اسی مجلس میں اس آدمی کی بیعت کرلیں۔ اپنی اطاعت کا اعلان کر دیں۔ یہیں بیعت کرلیں یہ اختلاف باہر نہ جائے۔ اور اگر وہ آدمی یہیں بیعت نہیں کرتے اس آدمی کی اختلافِ رائے کی وجہ سے۔ اور اسی اختلاف رائے کی بنیاد پر وہ باہر جاتے ہیں اختلافِ رائے رکھتے ہوئے تو ان کو باہر نہ جانے دیا جائے یہیں ان کو قتل کر دیا جائے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے خلیفۂ راشد کا۔ عشرہ مبشرہ میں سے دو آدمیوں کو شہید کیا جا سکتا ہے لیکن امت میں اختلاف پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ برداشت ہے یہ برداشت نہیں ہے۔ ہر قیمت پر جڑے رہو۔ کسی

قیمت میں الگ نہ ہوں اس لئے کہ اگر جوڑے ہوئے نہیں تو کسی قیمت کے نہیں۔ کسی کی کوئی قیمت نہیں، کوئی وزن نہیں۔ اگر اینٹیں جڑی ہوئیں ہیں تو مکان ہے۔ اینٹیں جڑیں گی تو مسجد ہے۔ اگر جڑی ہوئیں نہیں ہیں تو بچے بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ اگر جڑے ہوئے نہیں ہوتو ہر طرف سے جوتے کھا سکتے ہو، جو بھی جوتے مارنے والا آئے گا اس کے جوتے کھاؤ گے۔ اگر لکڑی نہیں جڑتی تو دروازے نہیں بنتے۔ اگر لکڑی نہیں جڑتی تو کھڑکیاں نہیں بنتیں۔ امت نہیں جڑتی تو کسی کام نہیں آتی۔ اس لئے جڑو آپس میں اور ایسے جڑو جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے حضور ﷺ نے مثال دی ہے جوڑ کی اور یہ گویا رہنمائی فرمائی ہے کہ جوڑ ہو تو کس درجہ کا ہو۔ ضابطے کی کاروائی نہ ہو واقعی جوڑ ہو۔ اور اس کے لئے فرمایا کہ تمام مسلمان ایسے ہیں جیسے جسم کے اعضاء۔ ایک جسم کی طرح۔ ایک جسم میں جتنے اعضاء ہیں سب کی صورت مختلف ہے آنکھ کی صورت الگ ہے، کان کی صورت الگ ہے، ہر عضو کی صورت بھی الگ ہے اور ہر عضو کا کام بھی الگ ہے۔، ہر عضو کا مقام بھی الگ ہے سر اوپر ہے، پیر نیچے ہیں۔ حیثیت الگ، کام الگ، صورت الگ۔ لیکن یہ واقعہ ہے سر سے پیر تک سب اعضاء آپس میں اس طرح جوڑے ہوئے ہیں ایک کا دکھ سب کا دکھ، ایک کی خوشی سب کی خوشی۔ ہے کہ نہیں؟ سید الکونین ﷺ کی بیان کردہ مثال ہے اور ان سے بہتر مثال بیان کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ آپس میں اس طرح جڑے ہوئے جس طرح ایک جسم کے اعضاء اور حضور ﷺ نے فرمایا اگر آنکھ کو تکلیف ہے تو سارے اعضاء کو تکلیف ہے سب بے چین ہیں۔ اگر آنکھ آرام سے نہیں تو کوئی بھی آرام سے نہیں۔ اگر ٹھنڈا گلاس آدمی ہاتھ میں لے گرمی کے موسم میں۔ پوروں کو لگی ہے ٹھنڈک گلاس والی۔ سارے بدن کو خوشی ہوگی۔ ابھی پانی اندر نہیں گیا کچھ نہیں ہوا۔ صرف پوروں کو لگا ہے پوروں کی خوشی

سب کی خوشی ۔سب کی راحت اور سکون کا سامان بن گیا۔آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھا آنکھوں کو اچھی لگی تو سارے بدن کو خوشی ہوگی اگر خوشبو آئی ہے تو سارے بدن کو خوشی ہوگی ۔ ناک سے کوئی چیز سونگی ہے آنکھ تو نہیں سونگتی ناک سونگتا ہے اور کوئی عضو نہیں سونگتا لیکن سب کو خوشی ہوتی ہے۔ ایسے آپس میں جڑ جاؤ کہ ایک کی خوشی سب کی خوشی ،ایک کا دکھ سب کا دکھ،ایک کا غم سب کا غم بن جائے آپس میں ایسے جڑو۔اگر اس طرح آپس میں جڑوگے تو سب جڑ جاؤگے۔ یہ حضور ﷺ کی مثال ہے اس طرح جڑو۔ یہ جوڑ کیسے پیدا ہو؟ یہ جوڑ کے لئے طریقہ وہی اختیار کرنا پڑے گا جو سید الکونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اختیار فرمایا۔حضور ﷺ نے اس چیز کو صرف بیان نہیں فرمایا بلکہ اسے عملاً کر کے دکھلایا اور واقعی اس وقت میں امت اسی طرح آپس میں جڑی ہوئی تھی ۔آپس میں جوڑ کی صورت جو اللہ جل جلالہ نے بتائی ہے اگر اس کو استعمال کیا جائے گا تو آپس میں جڑ جائیں گے۔اللہ جل جلالہ نے لکڑی کو جوڑنے کے لئے کوئی چیز پیدا کی ہے یا نہیں؟لوہا کو جوڑنے کے لئے کوئی چیز پیدا کی ہے یا نہیں؟ پتھر کو جوڑنے کے لئے پیدا کیا یا نہیں؟ سونے کو جوڑنے کے لئے پیدا کیا یا نہیں؟ شیشے کو جوڑنے کے لئے پیدا کیا یا نہیں؟ کپڑے کو جوڑنے کے لئے پیدا کیا یا نہیں؟ تو پھر صرف انسان کے جوڑنے کے لئے خدا نے کچھ پیدا نہیں کیا؟ اگر یہ واقعی چیز ہے تو باقی چیزوں کے نہ جڑنے سے اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا نقصان انسان کے نہ جڑنے سے ہوتا ہے۔اس کے جوڑ کے لئے اللہ جل جلالہ نے کچھ پیدا نہیں کیا؟ یقیناً کیا ہے اس کو جوڑنے کا سامان جس طرح جسم کو جوڑنے کا سامان ہے۔ہم نے کبھی سوچا سمجھا نہیں ہے ورنہ اللہ جل جلالہ نے پیدا کیا ہوا ہے۔جسم کو جوڑنے کا سامان آدمی کی روح ہے۔ جب تک آدمی کی روح اندر ہے یہ جڑا ہوا ہے ۔روح اندر نہ رہے آپس میں جوڑ باقی رہتا ہے؟ نہیں! جب روح اندر

سے نکل جاتی ہے تو آپس میں جوڑ باقی نہیں رہتا۔ نہ سر کا، پیروں کے ساتھ، نہ پیر کا پیر کے ساتھ، نہ ہاتھ کا ہاتھ کے ساتھ کوئی جوڑ باقی نہیں رہتا۔ سب سے زیادہ جوڑنے والی انسانی اعضاء کو انسان کی روح ہے۔ جس طرح سے ان اعضاء کو جوڑنے والی چیز انسان کی روح ہے اس طرح آدمیوں کے طبقات کو پوری امت اور انسانیت کو جوڑنے والی چیز اللہ جل جلالہ نے ایمان کو بنایا ہے۔ اگر ایمان پر آ جاؤ تو آپس میں جڑ جاؤ گے۔ ایمان ایسی جاندار چیز کا نام ہے، یہ جوڑنے کا نام ہے جب ایمان میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو آپس میں جوڑ نہیں رہتا۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''وَلَنْ تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا'' اپنے تک مؤمن کامل نہیں بن سکتے جب تک محبت نہیں کرتے۔ محبت ہوگی ایمان کامل ہوگا علامت ہے اس بات کی۔ لمبی بات میں اس بارے میں نہیں کرتا اتنی بات میں کرتا ہوں کہ دوستو! کہتے ہیں یہ کون ہیں یہ دونوں سگے بھائی ہیں۔ یعنی کیا مطلب؟ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں ماں بھی ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے۔ اگر ماں باپ ایک ہونا محبت کا سامان ہے۔ الفت کا سامان ہے تو ایک اللہ اور ایک رسول ہونا محبت کا سامان نہیں ہو سکتا؟ ماں باپ ایک ہونا فانی سامان ہے۔ اور اللہ اور رسول کا ایک ہونا یہ باقی سامان ہے۔ یہ فنا نہ ہونے والا رشتہ ہے۔ سب سے زیادہ جاندار اور مضبوط رشتہ ہے نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ ایمان سب سے زیادہ جوڑنے کی چیز ہے۔ پہلے نمبر پر ایمان ہے اگر امت ایمان پر آ جائے، ایمان کو سیکھ لے جو حقیقی ایمان ہے۔ امت آپس میں جڑ جائے گی۔ دوسری چیز امت کو جوڑنے والی عبادات ہیں عبادت امت کو جوڑنے کی چیز ہے یہ اعضاء جتنے ہیں عبادت کے متعلق قرآن میں یہ بھی ہے'' وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ ''انسانوں کو ہم نے عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی جس کام کے

لئے پیدا کیا وہ کام کرنا شروع کردو آپس میں جڑ جاؤ گے۔ اس لئے کہ جسم کے اعضاء جو ہیں یہ اس بناء پر بھی جڑے ہوئے ہیں کہ ہر ایک اپنا اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے لئے مجھے ایک دفعہ دیکھنے کا موقع ملا ایک آدمی آیا کہنے لگا میرا فلاں ایک عزیز ہے وہ پاگل ہوگیا ہے۔، جنون ہوگیا بچارے کو۔ اس کو ذرا دیکھ بھی لیں اور مشورہ بھی کر لیں۔ میں اس کو دیکھنے کے لئے اس کے ساتھ چلا گیا۔ جارہا تھا سامنے نظر آیا بڑی کھلی گلی تھی۔ میں نے کہا وہ سامنے کون ہے؟ کہنے لگا وہی بندھا ہوا ہے زنجیروں سے اس لئے کہ کسی کو وہ نقصان نہ پہنچا دے۔ میں نے سامنے دیکھا اس کا ایک اپنا رشتہ دار تھا اس کے سر پر جوتے ماررہا تھا۔ دو تین جوتے لگتے میں نے دیکھے۔ اسی وقت میں نے زور سے آواز دی، میری آواز سن کر وہ رک گیا۔ یہ نادانی کی بات ہے نہیں مارنا چاہیے تھا، معذور ہے۔ شریر بھی زخمی کردے، مار بھی دے، نہیں مارنا چاہیے۔ اور میں یہ سوچ رہا تھا اس کو تین چار جوتے لگے وہ بالکل ویسے کا ویسا بیٹھا ہوا ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا یہ دماغ جب ان اعضاء کے متعلق سوچ رہا تھا، تمام اعضاء کے متعلق دماغ بھی سوچتا ہے اس وقت میں حالت یہ ہوتی ہے اگر کوئی کلہاڑی یا جوتا یا لاٹھی سر پر مارنا چاہے تو ہاتھ رکتے نہیں ہاتھوں کو پتہ ہوتا ہے ہم پیٹیں گے۔ زبان چیختی ہے خون کھولتا ہے، قدم حرکت کرتے ہیں، سارے اعضاء جو کچھ ان سے ہوسکتا ہے سر کو بچانے کے لئے۔ اس لئے کہ سر سب کے متعلق سوچ رہا ہے۔ اور جب سر نے باقی اعضاء کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا ہے تو سر پر جوتے پڑتے ہیں، نہ زبان بولتی ہے، نہ پاؤں حرکت میں آتے ہیں۔ جس کام کے لئے بنے ہیں اس کام کو کرو اگر وہ کام چھوڑ دیا تو نہ تم کسی کے کام آؤ گے اور نہ کوئی تمہارے کام آئے گا۔ جس کے لئے بنے ہو کام کرو۔ ورنہ جب جوتے پڑیں گے تو چھڑائے گا کوئی نہیں۔

عبادت جوڑنے کا سامان ہے۔ میں لمبے قصے میں نہیں جانا چاہتا لیکن اتنا عرض کرتا ہوں کہ دوستو نماز جوڑنے کا سامان ہے کہ نہیں؟ عبادت کی ایک بنیادی اور سب سے اہم چیز ہے نماز۔ ہر حکمِ الٰہی کا وقت پر کرنا چوبیس گھنٹے کی زندگی میں اس کا نام عبادت ہے۔ اس میں نماز سب سے زیادہ امت کو جوڑنے کا سامان ہے۔ جمعہ کی نماز، عید کی نماز، جماعت کی نماز اور ساری امت کو ہر جگہ جمع کرنے والا سب سے بڑا اجتماعی عمل نماز ہے، جوڑنے والا عمل ہے۔ اور اس کے اندر جو اعمال ہیں حضور ﷺ نے فرمایا صفوں کو سیدھا کر لو اللہ جل جلالہ تمہارے دلوں کو سیدھا کر دے گا۔ اور آپس میں مل کر کھڑے ہو اللہ جل جلالہ تمہارے اندر جوڑ پیدا کر دے گا۔ یہ مل کے کھڑا ہونا، مل کے بیٹھنا دلوں کو جوڑنے کا سامان ہے۔ دوسری چیز جوڑنے والی عبادت ہے جس کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔

تیسری چیز جوڑنے والی اخلاق۔ اخلاق کہتے ہیں اپنی جان سے اپنے مال سے دوسرے کو فائدہ پہنچانا۔ کام آنا جو جتنا دوسروں کے کام آئے گا اتنا جوڑ پیدا ہوگا۔ ایک دوسرے کے کام آؤ جان سے مال سے دوسرے کو فائدہ پہنچاؤ۔ کسی کی جان کو، مال کو، عزت کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ اس لئے کہ مسلمان کی عزت کو جان کو مال کو نقصان پہنچانا سب سے بڑا جرم ہے۔ نقصان مت پہنچاؤ نفع پہنچاؤ۔ اور یہ جو اعضاء جڑے ہوئے ہیں آپس میں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ آنکھ سب کے لئے دیکھتی ہے کہ نہیں؟ سب کے لئے دیکھتی ہے! زبان سب کے لئے بولتی ہے سر میں درد ہے تو زبان بتائے گی، آنکھ میں درد ہے تو زبان بتائے گی، پیر میں درد ہے تو زبان بولے گی اور جب اس بچاری پر خود کبھی چھالے نکل آئیں تو اپنے لئے بھی خود بتائے گی۔ دوسرں سے نہیں بولا جائے گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے ہر عضو اپنے

لئے کم ہے اور دوسرے کے لئے زیادہ۔ اگر مسلمان اپنی جان اور مال کو اپنے لئے نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ امت کے لئے ہے۔ میری جان بھی امت کے لئے اور میرا مال بھی امت کے لئے ہے۔ اصل کے طور پر امت کے لئے، انسانیت کے لئے ہے تھوڑا سا بقدر ضرورت (اگر ضروت پڑی) تو میں بھی استعمال کرلوں گا۔ اصل کے طور پر میرے لئے نہیں ہے۔

اور دوستو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کی زندگی یہی ہے۔ ہم اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے ہیں۔ اور سید الکونین ﷺ نے سو فیصد صحابہ کو یہی زندگی سکھائی تھی۔ نہ جان میرے لئے، نہ مال میرے لئے۔ جان بھی دوسرں کے لئے اور مال بھی لوگوں کے لئے، اس سے سب کو فائدہ پہنچانا۔ جس وقت آدمی اس طرح سے بنتا ہے اور طبقات اس طرح کی زندگی گزارتے ہیں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ آپس میں جوڑ نصیب فرمادیتے ہیں۔ حاکم محکوموں کو فائدہ پہنچارہیں ہیں۔ محکوم حاکموں کا فائدہ پہنچارہیں ہیں۔ مالدار غریبوں کا فائدہ پہنچارہیں ہیں، غریب مالداروں کو فائدہ پہنچارہیں ہیں۔ مالدار غریبوں کے کام آئیں، غریب مالداروں کے کام آئیں۔ ان پڑھ پڑھے لکھوں کے کام آئیں، پڑھے لکھے ان پڑھوں کے کام آئیں۔ طاقتور ضعیفوں کے کام آئیں اور ضعیف طاقتوروں کے کام آئیں۔ سب ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اور اگر آپ یہ چاہیں کہ لوگوں کی غیبت بھی ہوتی رہے اور بہتان بھی باندھتے رہیں۔ اور آپس میں جوڑ بھی ہوجائے یہ کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ غیبت کو قرآن مجید نے کہا ہے ''اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّأْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ''، کسی کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق کسی ایسی کمزوری کا ذکر کرنا جو فی الوقع اس میں موجود ہو اس کا نام غیبت ہے۔ اس کو قرآن نے کہا ہے یہ ایسا ہے جیسے اپنے بھائی کا مردار گوشت کھانا۔

کیا تم یہ سب کچھ چاہتے ہو کہ لوگوں کی بوٹیاں بھی نوچتے رہو اور آپس میں جوڑ بھی ہو جائے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ نظامِ زندگی بھی اس پر بناؤ کہ ہر آدمی لینے والا بن جائے۔ یہ بدذات قوموں نے پیغام دیا ہے دنیا میں اس کی بنیاد لینے پر ہے۔ سب کو اس پر اٹھایا ہے مالداروں کو اٹھایا کہ غریب لے گئے، غریب کو اٹھایا ہے کہ مالدار کھا گیا، حاکموں کو کہا کہ محکوم کھا گئے اور محکوموں کو کہا کہ حاکم کھا گئے، ہر ایک کو اس پر اٹھایا ہے کہ لو اور جیو۔ لینے اور چھیننے والوں سے کبھی کوئی نہیں جڑا۔ عورتوں کو اٹھایا کہ مردوں سے لو، مرد کھا گئے۔ مردوں کو کہا کہ عورتیں کھا گئیں۔ چھوٹوں کو کہا کہ بڑے کھا گئے اور بڑوں کو کہا کہ چھوٹے کھا گئے۔ انسانیت کو کتوں کی طرح لڑانے کے لئے نظام آئیں ہیں۔ یہ بدکردار قوموں کا شیوہ ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا راستہ یہ ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یہ کہتے ہیں کہ دیکھو چھوٹوں کو کہا کہ بڑوں کا احترام کرو اور بڑوں کو کہا کہ چھوٹوں پر شفقت کرو۔ ''مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا'' جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ میری امت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک دوسرے کا احترام سکھایا، مالدار کے ذمہ غریب کا احترام، غریب کے ذمہ مالدار کا احترام بٹھایا۔ سید الکونین ﷺ نے جو زندگی گزاری ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی جو زندگی ہے وہ سامنے ہے بالکل کھلی کتاب کی طرح۔ اس سے بالکل اندازہ ہوتا ہے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس جو مال آتا تھا مال و دولت، بڑے تاجر تھے اور اتنے بڑے تاجر تھے کہ قافلے جب آتے تھے ان کی تجارت کے، ایسا بھی ہوتا تھا کہ پہلا اونٹ مدینہ میں اور آخری اونٹ چھ میل کے فاصلے پر۔ چھ چھ میل لمبے قافلے اتنے بڑے بڑے قافلے آتے تھے۔ جب یہ مال و متاع آتا تھا ان کے ہاں مال آنے پر عبدالرحمٰن بن

عوف رضی اللہ عنہ کو اتنی خوشی نہیں ہوتی تھی جتنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ کو ہوتی تھی۔ غریب خوش ہوتا مالدار کو فکر ہے کہ میرے پاس مال آیا ہے مجھے حساب دینا ہوگا اس کا، اپنے حساب کی فکر ہے۔ اور غریب کو خوشی ہے کہ میرے بھائی کے پاس مال آیا ہے۔ اور اس لئے نہیں کہ مجھے ملے گا اس کی بات نہیں ہے۔ نہیں میرے بھائی کو نفع ہوگا اس پر خوشی ہے غرض بھی اس سے وابستہ نہیں ہے۔ اندر اِشراف بھی نہیں اس لئے کہ حضور ﷺ نے اِشراف نہیں پیدا ہونے دیا۔ اِشراف کہتے ہیں اندر کی جھانک کو۔ کہ کسی آدمی کو یہ ہو کہ اس کے پاس یہ ہے یہ مجھے ملے۔ یہ بھی نہیں ہے صحابہ کرام میں۔ غرض کے لئے نہیں بے غرض خوشی ہے۔ اور مالدار اس کو رشک ہے غریب پر۔ وہ اپنے آپ کو قابلِ رشک نہیں سمجھتا کہ میری حیثیت بڑی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے مدینہ طیبہ کے۔ افطار کے وقت میں افطار کے لئے بیٹھے گھر والوں نے افطار کے لئے کوئی اچھی چیز بنا دی۔ افطار کا وقت ہوتا ہے مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ کچھ اچھی چیز بنی ہوئی تھی اس کے ساتھ افطار کرنے لگے افطار کرتے کرتے آنکھوں میں آنسو آ گئے، رونے لگے جب ذرا طبیعت سنبھلی تو ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ یاد آ گیا۔ کیا یاد آیا انہوں نے کہا کہ یاد یہ آیا کہ میں شاندار چیز کھا رہا تھا اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادہ اچھا تھا۔ جوانی میں ٹاٹ پہنے ہوئے تھے۔ اور احد کے میدان میں سپہ سالار کی حیثیت سے شریک ہوئے ہیں۔ غربت کی حالت میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مجھ سے اچھا تھا اس لئے کہ ساری مزدوری اور محنت جو تھی وہ ساری اکھٹی کر کے لے گیا۔ ہمیں یہاں پیشگیاں ملنے لگی ہمارا اجر کم ہو گیا وہ آگے نکل گئے ہم پیچھے رہ گئے۔ اور غریب صحابہ حضور ﷺ کے پاس آتے ہیں اور آ کر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ یہ مالدار لوگ جتنا خرچ کرتے ہیں خدا کی راہ میں یہ تو

بہت آگے نکل گئے ہم کیا کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ پڑھ لیا کرو کچھ ذکر بتایا، تسبیحات بتائیں تم یہ پڑھ لیا کرو تمہیں اجر مل جائے گا جب مالدار صحابہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے نے بھی یہ ذکر پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ پھر آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا ہے۔۔۔

اسلام آباد اجتماع 29 ستمبر 1995

(کیسٹ کی پہلی سائیڈ)

خطبہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَلُّ بِھَا الْعُقَدُ وَتُفَرَّجُ بِھَا الْکُرَبُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَّ لِحَقِّہٖ اَدَاءً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَسِیْلَۃً وَّ لِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ کَفِیْلًا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَ کَمَالِہٖ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآ لِّیْنَ ۔

قابلِ احترام بزرگو، بھائیو اور عزیزو ہدایت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہے اور ضلالت سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے جس کسی انسان کو یا کسی قوم کو یا کسی طبقے کو کسی حاکم کو کسی محکوم کو ہدایت مل گئی تو سب کچھ مل گیا۔ اور اگر کسی کو سب کچھ ملا کسی قوم کو کسی فرد کو اور انہیں قارون کا خزانہ بھی مل گیا عاد وثمود کی صنعت بھی مل گئی فرعون اور نمرود کی سلطنت بھی مل گئی قوم شعیب کی تجارت بھی مل گئی اور قوم سبا کی زراعت بھی مل گئی اور قوم نوح کی اکثریت بھی مل گئی لیکن ہدایت نہیں ملی تو اللہ کی قسم کچھ بھی نہیں ملا۔ اس بناء پر اللہ ﷻ نے انسانوں کو ہدایت پر آنے کے لئے بہت لمبا چوڑا انظام بنایا ہے۔ کسی اور چیز کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نہیں بھیجے گئے۔ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق دو لاکھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صرف اسی کام کے لئے بھیجے گئے۔ جاؤ اور محنت کرو اور ایسے انداز کی محنت کرو تمہیں یہ دیکھنے کی اجازت نہیں کہ بارش ہو رہی ہے تمہیں یہ دیکھنے کی اجازت نہیں کہ گرمی ہو رہی ہے لوگ گالیاں دے رہے ہیں تو بھی محنت کرو لوگ مرحبا کہہ رہے ہیں تو بھی محنت کرو کھانے کو ملے تو بھی محنت کرو اور کھانے کو نہ ملے پانچ پانچ دن کے فاقے ہوں تو بھی محنت کرو یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ چونکہ کھانے کو نہیں ہے اس لئے نہیں محنت کر سکے۔ یہاں تک کہ اگر تمہیں جان دینی پڑے تو جان دے دو لیکن محنت کرو تا کہ انسانوں کو ہدایت ملے۔ اتنا اہم ترین کام ہے یہ مقدس ترین جماعت ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جن کو اس کام کے لئے بھیجا جاتا ہے اللہ ﷻ کو ان سے زیادہ پیار کسی سے نہیں ہے اور پھر ان میں سے حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اسی میں شامل ہیں۔ جاؤ محنت کرو فضا بناؤ تا کہ لوگوں کو ہدایت ملے۔ آئے اور زندگی بھر یہی کیا جسے سینکڑوں برس زندگی ملی اس نے سینکڑوں برس کیا جیسے تیئس برس وقت

ملا اس نے تئیس برس کیا۔ لیکن واقعی انتہاء کر دی جسے محنت کرنا کہتے ہیں محنت کا حق ادا کر دیا۔ دن کو بھی محنت کی ہے اور رات کو بھی محنت کی ہے سفر میں بھی محنت کی ہے اور حضر میں بھی محنت کی ہے۔ اور مشکلات میں بھی محنت کی ہے اور جب مشکلات دور ہو گئیں تب بھی محنت کی ہے۔ طائف سے زیادہ مشکل وقت کسی پر نہیں آیا۔ لیکن اس وقت بھی محنت کی ہے جو کچھ طائف والوں سے بنتا تھا وہ سب کچھ انہوں نے کیا اتنے پتھر مارے کہ پتھر مارنے کی وجہ سے پنڈلیوں سے خون بہنے لگا۔ پتھروں سے چوٹ لگتی ہے لیکن یہ زخمی کرنے والے پتھر تھے اور اتنا خون بہا کہ خون پاؤں میں جم گیا۔ خادم نے کھینچ کر نکالا اس وقت بھی برابر محنت کرتے رہے اور پھر وہیں جب طائف ہی میں اللہ کی مدد آ گئی جبرائیل علیہ السلام آئے بخاری کی روایت ہے جبرائیل علیہ السلام پہنچے اور کہنے لگے یہ میرے ساتھ ملک الجبال ہے (فرشتہ پہاڑوں کا) یہ آپ کے حوالے ہے جو آپ اس سے کہیں وہ کرنے کو تیار ہے اور کر سکتا ہے اللہ جل جلالہ نے کرنے کی قوت عطا کی ہوئی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ یوں ارشاد فرمائیں کہ طائف دو پہاڑوں کے درمیان میں ہے ان دونوں پہاڑوں کو یوں ملا دیں کہ طائف کا نشان ہی باقی نہ رہے۔ اس کے جواب میں سید الکونین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ امام الانبیاء ﷺ یہ ارشاد فرماتے ہیں "اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" کہ الٰہی انہیں ہدایت عطا کر دے یہ جو کچھ انہوں نے کیا یہ جانتے نہیں ہیں لاعلمی میں کیا ہے نادانی میں کیا ہے اگر مجھے جان لیں کہ میں کون ہوں میرے اغراض و مقاصد کیا ہیں کتنا خیر خواہ ہوں میں ان کو کہاں لے جانا چاہتا ہوں دنیا میں اور کہاں پہنچانا چاہتا ہوں آخرت میں تو یہ میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کریں۔ ہدایت دیدے ان کو اور میں ہلاکت کے لئے نہیں آیا ہدایت کے لئے آیا ہوں انہیں ہدایت عطا فرما۔ جو کچھ طائف والوں نے کیا

ہے واقعی نا قابل برداشت تھا خوب مظالم ڈھائے ہیں کہ ایسے مظالم کبھی نہیں ڈھائے گئے اور اتنے مظالم ڈھائے کہ وہاں حرکت پیدا ہوگئی وہاں سے جبرائیل چل پڑے ملک الجبال چل پڑے۔لیکن یہاں اتنا میدان ٹھنڈا ہے اتنی برفانی صورتِ حال ہے کہ ذرا برابر بھی کوئی گرمی پیدا نہیں ہوئی مخالفین مخالفت کرنے میں اور خون بہانے میں آخری درجے تک پہنچے۔ وہ گالیاں دی گئیں جو کبھی کسی کو نہیں دی گئی وہ مار ماری گئی جو کسی کو نہیں ماری گئی۔لیکن اس حال میں بھی یہ نہیں کہ برداشت کرلیا۔ایک یہ ہے کہ ظلم ہوا اور برداشت کرلیا برداشت کی بات نہیں ہے میں نبی کریم ﷺ کے صبر و تحمل کر بیان کر رہا ہوں کہ کہ وہ کہاں پہنچا ہوا ہے صرف برداشت نہیں کیا، بُرا نہیں منایا ہے اُدھر سے عذاب آ رہا ہے اُدھر سے سزا کی صورتیں متعین کر کے فرشتے بھیجے جا رہے ہیں۔ اور ادھر سے یہ انہیں ظالموں کی یہ سفارش کر رہیں ہیں۔یہی مناسب ہے مقامِ نبوت کے، انبیاء کا امام ایسا ہی بن سکتا ہے یہ سفارش کر رہے ہیں۔حضور ﷺ اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام برداشت میں اخلاق میں آخری سطح پر جو انسانیت کی آخری سطح ہے وہاں تک پہنچے ہوئے ہیں براہِ راست اللہ ﷻ کے تربیت یافتہ یوں بیٹھے بیٹھے کسی کو نبی بنا کر نہیں بھیج دیا جاتا ان کی فطرتی استعدادیں وہ پیدا کرنے والا جانتا ہے کہ کیسی رکھی گئی ہیں ۔ یوں اندازہ ہوتا ہے قرآنِ مجید سے اور احادیثِ پاک سے کہ براہِ راست نبوت سے پہلے ان کی تربیت کی گئی۔اتنی عظیم استعدادوں والوں کی بھی تربیت کی گئی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کچھ واقعات ہیں وہ معروف ہیں وہاں سے آئے اور کئی سال تک بکریاں چراتے رہے اور وہاں سے آئے کچھ سرمایہ لے کر اور گھر کو جا رہے تھے۔راستے میں ایک جگہ روشنی نظر آئی اہلیہ حاملہ تھیں سردی کا موسم تھا اس وقت آگ کی ضرورت ہوتی ہے روشنی نظر آئی انہوں نے سمجھا کہ آگ ہے اہلیہ کو وہیں بٹھایا ریوڑ

کو بھی وہیں بٹھایا اور خود آگ لینے کے لئے چل دیئے جب قریب پہنچے تو ادھر سے آواز آئی ''اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ'' آگے باتیں شروع ہوگئیں اس میں پہلی بات یقین کی تربیت، آدمی کی تربیت شروع ہی یقین سے ہوتی ہے اس لئے کہ دل اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے بدن میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ'' آدمی کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے وہ صحیح ہو تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے ''وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ'' اگر وہ ٹکڑا بگڑ جائے تو سارا بدن فاسد ہو جاتا ہے بگڑ جاتا ہے۔ دل ٹھیک ہو جائے دماغ ٹھیک سوچے گا، آنکھیں ٹھیک دیکھیں گی، زبان ٹھیک بولے گی، کان صحیح سنیں گے، ہاتھ صحیح استعمال ہوں گے، پیر صحیح استعمال ہوں گے، سر سے پیر تک سارا صحیح استعمال ہوگا اگر دل صحیح ہو۔ اور اگر دل غلط ہے تو دماغ غلط سوچے گا، آنکھیں غلط دیکھیں گی، زبان غلط بولے گی، کان غلط سنیں گے، قدم غلط جگہ اٹھیں گے، ہاتھ غلط جانب بڑھیں گے، سارا بدن غلط چلے گا۔ اس لئے بنیادی چیز بتادی کہ معاملہ دل کا ہے سب سے پہلی محنت دل پر ہوگی اللہ جل جلالہ نے موسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلی محنت دل پر کی ہے پوچھتے ہیں سادہ اور آسان انداز کے ساتھ ''وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَا مُوْسٰی'' اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ''قَالَ ھِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّأُ عَلَیْھَا وَ اَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی'' میرے ہاتھ میں یہ لکڑی ہے اس سے یہ یہ کام لیتا ہوں اور اور بھی مفادات ہیں اس میں۔ اس پر ارشاد فرماتے ''اَلْقِھَا یَا مُوْسٰی'' موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا اس کو ڈال دو موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دی اللہ جل جلالہ کا حکم تھا تعمیل کی۔ اس عصا کو زمین پر ڈال دیا ''فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی'' جب ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا جب اژدھا بن گیا تو سانپ کا معاملہ اور انسانی فطرت اور طبیعت میں رکھا ہے کہ زندہ سانپ سے نقصان

پہنچتا ہے۔تو طبیعت میں خوف سے پیدا ہوا اس پر ارشاد فرمایا ''خُذْ هَا وَلَا تَخَفْ '' اس لکڑی کو ہاتھ ڈالو پکڑ و اس سانپ کو پکڑ و اور خوف مت کرو ''سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ''،ہم پھر اس کو لکڑی بنا دیں گے۔موسی علیہ السلام نے اللہ جل جلالہ کا حکم سنتے ہی جیسے لکڑی کو ڈالا تھا ویسے ہی سنتے ہی ہاتھ ڈالا موسی علیہ السلام کے ہاتھ ڈالتے ہی وہ لکڑی بن گئی۔کیونکہ ہاتھ میں آئی تو عصا بن گئی۔سمجھایا یہ جارہا ہے کہ کائنات کی جتنی چیزیں ہیں ان سے کچھ نہیں ہوتا یہ خود مخلوق ہیں۔مخلوق میں خلق نہیں ہوتا ان پر کسی چیز کا مدار نہیں ہے ان سے وہ ہوگا جو ہم چاہیں گے یہ لکڑی تھی ہم نے یہ چاہا کہ یہ لکڑی رہے لکڑی رہی جس وقت ہم نے یہ چاہا کہ یہ سانپ بن جائے یہ سانپ بن گئی۔پھر جب آپ نے ہاتھ ڈالا اللہ جل جلالہ نے یہ چاہا کہ یہ لکڑی بن جائے وہ لکڑی بن گئی۔ہم آپ کو فرعون کے پاس بھیجنے والے ہیں آگے جب واقعہ ظاہر ہوا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا کہ میری کیا تربیت کی جارہی ہے لکڑی ڈالنے سے کوئی جادوگری تو نہیں سکھائی جارہی وہ تو ایک تربیت ہے۔وہ یہ کہ ہم آپ کو بھیج رہے ہیں فرعون کے پاس۔کائنات میں سب سے زہریلا سانپ فرعون ہے زہریلا جانور غلیظ ترین انسان تھا غلیظ ترین سزائیں دیتا تھا ذی اوتاد اس کا نام تھا میخیں گڑوا دینا اور سخت ترین سزائیں دینا اتنا خوف و ہراس تھا کہ مہینے نہیں سالوں تک معصوم بچے روزانہ ذبح ہوتے ہیں اور احتجاج کی ایک آواز بھی نہیں نکلتی کسی کے اندر اتنی سکت نہیں تھی۔زہریلے سانپ کے پاس بھیج رہے ہیں لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے تم نے سانپ کو ہاتھ ڈالا وہ لکڑی بن گئی یہ تیرے ہاتھ میں لکڑی بن جائے گا جب آپ ہاتھ ڈالیں گے فرعون بڑا زہریلا ہے بڑا زہریلا ہے بڑا خوف ہے لیکن جب آپ ہاتھ ڈالیں گے تو لکڑی ثابت ہوگی۔اور ساتھ ہی یہ کہا کہ یہ نہ سمجھنا کہ آپ کو بھیج رہے ہیں کسی اور کام میں،نہیں آپ کو بھیج

رہے ہیں اور میں تمہارے ساتھ ہوں" اِنَّنِیْ مَعَکُمَا "تم دونوں کو بھیج رہا ہوں اور پکی بات ہے میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ بالکل پختہ یقین رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ معلوم ہو کہ اللہ جل جلالہ ایسے ہیں ان کی صفات پر یقین ہو وہ قادر اور قدیر ہے کل کائنات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو جیسے چاہے استعمال کرے ساری قدرتوں والا ساری قوتوں والا ہر چیز کا مالک وہ میرے ساتھ ہے کسی سے ڈرنے کا کیا سوال ہے۔ یہ ایمان بنایا گیا ہے یہ سکھایا گیا ہے اور پھر ایمان سکھا کر روانہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں بہت لمبا چوڑا پھیلا ہوا ہے۔ کچھ ٹکڑے کہیں ہیں کچھ ٹکڑے کہیں ہیں، کچھ ٹکڑے کہیں ہیں مناسبت کے اعتبار سے جہاں جہاں موزوں تھے وہاں وہاں اللہ جل جلالہ نے رکھے ہیں دیکھنے والے ہیں آدمی دیکھتا ہے کسی جگہ کوئی خوف ہراس نہیں ہے۔ کسی سطح پر بھی بادشاہ ہے سخت ترین سزاؤں والا ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا اور یہی دیکھ کر گئے تھے زندگی یہیں گزری تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے اتنے سارے بچوں کا قتل عام ہوا وہ سارے کا سارا دیکھ کر گئے تھے۔ اور اللہ کی قسم اللہ جل جلالہ جب کسی بھی مسلمان کو صحیح یقین نصیب فرماتے ہیں تو بے خوفی کی زندگی اسی وقت عطا ہوتی ہے۔ نہ کہ ہر اینٹ پتھر سے ڈرتے پھرنا یہ کوئی زندگی تھوڑی ہے یہ تو موت سے بدتر زندگی ہے۔ لیکن جب یقین نصیب ہوتا ہے اللہ جل جلالہ ایمان نصیب فرماتے ہیں تو صرف موسیٰ علیہ السلام بے خوف نہیں ہیں جس کے اندر صحیح یقین آجائے گا سوائے اللہ کے کسی سے ڈرنا نہیں ہے۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ کسی بھی دل میں دو خوف اکھٹے نہیں کرتے کہ وہ خالق سے بھی ڈرے اور مخلوق سے بھی ڈرے۔ اگر خالق سے ڈرے گا تو مخلوق سے نہیں ڈرے گا اور اگر مخلوق سے ڈرے گا تو پھر خالق سے نہیں ڈرے گا۔ دو ڈر اکھٹے نہیں ہوتے ایک ڈر ہو گا۔

جب اللہ جَلَّ جَلالُہٗ اپنا خوف نصیب فرماتے ہیں اور جب اللہ جَلَّ جَلالُہٗ کی بڑائی دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اس کا رعب سامنے ہوتا ہے تو کسی کا رعب، خوف نہیں ہوتا۔ اور آدمیوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اللہ جَلَّ جَلالُہٗ نے استعدادیں بھی مختلف رکھیں ہیں ان کا بھی ظہور عجیب عجیب طرح سے ہوتا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں اپنے گھر میں موجود تھے رات کے وقت میں کہیں سے شیر آیا اور مدینہ طیبہ کو جو راستہ آتا ہے مکہ معظّمہ سے اس میں ایک وادی ہے وادی عقیق کہتے ہیں اسے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔ اور وہاں کا تو سب کچھ جنت ہی جنت ہے اس وادی میں شیر آ کر لیٹ گیا (بادشاہ سلامت) اب ادھر کے آنے والے بھی رکے ہوئے ہیں ادھر سے جانے والے بھی رکے ہوئے ہیں۔ ایک آدمی بھاگا اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا ان کو آواز دی یہ باہر نکلے اس نے کہا کہ وہ حضرت راستہ رکا ہوا ہے اس کا کوئی بندوبست کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں ساتھ چل پڑے اور جب وہاں پہنچے ہیں وادی میں۔ وادی میں پہلے چڑھائی ہوتی ہے پھر اترائی ہوتی ہے یہ جب چڑھ رہے تھے تو وہ صحابی بار بار کہہ رہے تھے کہ حضرت وہ اسی وادی کے اندر ہے۔ فرمایا ہاں گھبراتے کیوں ہو اسی کے پاس ہی جارہا ہوں۔ ان کو خوف تھا کہ شیر کے پاس جارہے ہیں اور کوئی ہتھیار نہیں لیا۔ وادی میں اترے شیر سویا ہے وہ بادشاہ سلامت ہے اس کو بھی حکومت ملی ہوئی ہے فرعون کی طرح کی۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ جب یہ جنگل میں جاتا ہے تو ایک چکر لگاتا ہے اور جنگل کا چکر لگا کر گویا یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ یہ سارا ایوانِ صدر ہے ہمارا علاقہ ہے خبردار ادھر کوئی نہ آئے۔ تو وہ اپنا مست سویا ہوا تھا۔ چونکہ سب سے زیادہ مضبوط جانور ہے اس لئے اس کو کوئی ڈر خوف بھی نہیں ہوتا۔ اور کوئی اس پر حملہ کرنے کی بھی

ہمت نہیں کر سکتا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بالکل اس کے پاس پہنچ گئے اور اس کا بایاں کان پکڑا۔ کان کو ہاتھ لگا تو اٹھا تو اٹھنے پر دائیں ہاتھ سے تھپڑ مارا۔ اور ساتھ یہ کہا کہ تو مسلمانوں کا راستہ روکتا ہے تو راستہ روکنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بس تھپڑ لگا وہ کان چھڑا کے بھاگا اس کے بعد سے اس علاقے میں شیر کبھی نہیں آیا۔ بے خوفی عرض کر رہا ہوں جب ایمان آتا ہے تو صرف اللہ کا خوف ہوتا ہے باقی کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ تو اللہ کی قسم آدمی کی زندگی اسی وقت شروع ہوتی ہے۔ جب بے خوفی کی زندگی ہو کسی چیز کا خوف نہ ہو۔ اطمینان ہو سکون ہو ہر حال میں۔ اور یہ ایک واقعہ نہیں ہے بہت واقعات ہیں۔ صحابی جا رہے ہیں جنگل میں راستہ بھول گئے ابھی پریشان ہی ہو رہے تھے کہ شیر آ گیا اور آ کر سر جھکا لیا آدمی کو شیر سلامیاں دے رہا ہے صحابی ہیں سر جھکا کے سلامی دی اور سلامی دے کر دم سے اشارہ کیا کہ میرے پیچھے آؤ۔ صحابی سمجھ گئے کہ یہ من جانب اللہ انتظام ہے اللہ جل جلالہ جب کرنے پر آئے تو شیروں سے رہنمائیاں کراتے ہیں۔ انسانیت کا قاتل ہے اس سے رہنمائیاں کرا رہے ہیں۔ دم سے اشارہ کیا یہ پیچھے چلے جب پیچھے چلے تو منزل بھی نظر آ گئی اور صبح صادق بھی ہو گئی۔ اور پھر ان کی طرف مڑا اور سر جھکایا اور سلامی دی اور پھر چوکڑیاں مارتے ہوئے نکل گیا۔ بے خوفی کی زندگی ہے۔ ایک قلعہ نہیں فتح ہو رہا تھا عجیب طرح کے حالات تھے ایسے انتظامات کئے ہوتے تھے کہ آگ میں سرخ کیا ہوا لوہا اس قلعے کے اوپر موجود ہے کوئی صورت نہیں ہے اس قلعے کو فتح کرنے کی۔ زور سے ہاتھ ڈالا لوہے کی سلاخوں کو اور ان سلاخوں کو کھینچ کر توڑ کر پھینک دیا۔ لاوا اٹھا مدینہ طیبہ میں یہ لاوا جو اٹھتا ہے پہاڑوں میں سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے بھاگ کر خبر دی کہ حضرت لاوا نکلا ہے اور مدینے کی طرف آ رہا ہے۔

اسلام آباد اجتماع 29 ستمبر 1995ء

(کیسٹ کی دوسری سائیڈ)

ہر طرح کی طاقت ہے مکے والوں کے ساتھ ہے اور بیرونی طاقتیں ،شر کی طاقتیں ساری انہیں کے ساتھ ہیں۔ابھی تک ابتدا ہی ابتدا تھی اور بیرونی طاقتوں کا بھی اندازہ تھا اور اندرونی طاقت جو آئی تھی مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے اس کے لئے حضور ﷺ نے اپنے آدمی بھیج دیئے تھے سی آئی ڈی کے آدمی۔ کہ جا کر دیکھو کیا انتظام ہیں کتنے لوگ آ رہے ہیں کون ہیں کس قسم کے لوگ ہیں۔انہوں نے سارے احوال بتا دیئے تھے مدینہ طیبہ سے دو منزل نکلنے کے بعد۔حضور ﷺ نے وہیں مشورہ کیا اور سب کو بتا دیا کہ یہ صورتحال ہے اس لئے تم مشورہ دو کہ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے کہ نہیں بڑھنا چاہیے میدان جنگ قائم ہو کہ نہ ہو؟ اس وقت جب مشورہ ہو رہا تھا تو مشورے دینے والوں نے یہ مشورے دیئے۔ایک نے یہ کہا کہ یارسول اللہ آپ ہم سے مشورہ لینا چاہتے ہیں؟ مشورے کی بات آپ اس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ آپ کا اور ہمارا معاہدہ تھا مدینے کے اندر کوئی حملہ ہوگا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے انصار نے کہا۔اور معاہدہ یہی

تھا کہ ہم آپ کے پاس آئے ہیں ہم مہاجر ہیں آپ انصار ہیں ہم پر حملہ ہوگا تو آپ ہمارا ساتھ دیں گے۔ آپ اس بنا پر مشورہ لے رہے ہیں کہ یہ ہمارے معاہدے میں شامل نہیں ہے کہ باہر جا کر جنگ لڑیں۔ لیکن وہ تو معاہدہ ابتدائے اسلام کا تھا ہم مبتدی تھے اور وہ معاہدے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ اب ہم مسلمان ہو گئے ایک ہے کلمہ پڑھنا اور ایک ہے ایمان والا بن جانا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ہم اب ایمان والے ہیں۔ ایمان بن چکا ہے ایمان تیار ہو چکا ہے۔ اور یہی بات ذرا اور تشریح سے کہہ دوں قرآن مجید میں ہے ''قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا'' دیہات کے رہنے والے لوگوں نے یہ کہا کہ کلمہ پڑھ لیا ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ'' ہم ایمان والے ہو گئے۔ یہی کہا جاتا ہے ہر مفتی کا یہی فتوی ہے۔ جس وقت کہا گیا اسی وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور آ کر حضور ﷺ سے عرض کی کہ یہ کہہ رہے ہیں ''قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا'' جب یہ کہہ چکے ہیں تو ان سے کہہ دو ''قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا'' ان سے کہہ دو کہ تم ابھی ایمان والے نہیں بنے ہو ایمان کا کلمہ پڑھا ہے ابھی ایمان والے نہیں بنے۔ ''قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا'' کہ ہم نے بات مان لی ہے نبی کی۔ کلمہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ بات مان لی ہے باقی رہا ایمان والے بھی بن گئے تو ابھی ایمان والے نہیں بنے۔ اس لئے کہ کلمہ ءایمان کا جو معنی مفہوم ہے اس اعتبار سے تمہارا ایمان بن جائے تب تم ایمان والے بنو گے۔ اس لئے ایمان والے نہیں بنے ''وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ'' ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے ابھی صرف زبانوں پر ہے۔ اور کلمہ جب زبان پر آ جائے تو آدمی ایمان والا نہیں بنتا۔ اس کو میں نے اس بناء پر کہنا شروع کر دیا کہ رونا دھونا تمہارا اور ہمارا یہی ہے زبان پر

کلمۂ ایمان آ جانے سے ایمان نہیں بن جاتا اور ہم نے یہی سمجھا ہوا ہے۔ جب تک یہ یقین نہ بن جائے کہ اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین آ جائے جب یہ دل کی بات بن جاتی ہے اس وقت آدمی ایمان والا بنتا ہے۔ دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے اور کسی کو دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے یہ بیان کرنی چاہیے سننی چاہیے۔ صاحبِ ہدایہ کی روایت ہے ''تَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ'' کہ پہلے ہم نے ایمان سیکھا پھر ہم نے قرآن سیکھا۔ تو کیا یہ کلمے کے الفاظ یاد کرتے رہے تھے؟ یہ تو ہر کافر کو یاد تھا صحابہ کو تم نے سمجھا ہے کہ وہ کلمے کے الفاظ یاد کرتے رہتے تھے وہ تو عرب ہیں کلمے کے الفاظ یاد کرنے کیا مطلب ہوا۔ کلمے کی حقیقت کو سمجھنا پڑھتا ہے۔ کلمے کے الفاظ تو دو منٹ لگا کر کافر کے بچے کو بھی یاد کروائے جا سکتے ہیں۔ چھ سال کے بچے کو پڑھائے جا سکتے ہیں خالص اُجڈ جاہل کو بھی دو منٹ لگا کر یاد کروایا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک ایمان کی حقیقت کا تعلق ہے اس پر سالہا سال نہ لگائے جائیں اس وقت تک ایمان نہیں آتا۔ اسی کو صحابہ کہتے ہیں ''تَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ'' پہلے ہم نے ایمان سیکھا پھر ہم نے قرآن سیکھا۔ اور صحابہ کی اسی بات سے ایک ضابطہ نکلتا ہے جب تک ایمان نہیں آتا اس وقت تک قرآن کی مطابق زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ قرآن کی زندگی وہ گزاریں گے جو ایمان سیکھ لیں گے۔ جن کے اندر ایمان ہوگا ان کے لئے قرآن کی زندگی کے علاوہ چارہ ہی کوئی نہیں ہوگا۔ ایمان تو سب سے طاقتور اندر ایک چیز ہے جو تمام غلط سے روکنے کا سامان بھی ہے اور تمام اچھے کام کرنے سامان بھی ہے۔ آگے بڑھنے کی طاقت بھی اس کے اندر موجود ہے اور پیچھے ہٹنے کی قوت بھی اس کے اندر موجود ہے۔ لیکن اس ایمان کو سیکھنا پڑھتا ہے اسی طریقے پر جس طریقے پر محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا۔ اور اگر کہتا ہے کہ ٹھیک کہتے ہو لیکن ہے بڑا لمبا کام، لمبا

ہے یا مختصر اس کو کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ لمبا نہیں ہے مختصر ہے۔ میں نے ایک دفعہ پینسٹھ کی جنگ کے موقع پر ہماری زرعی یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے ان کے ساتھ آمد ورفت تھی کبھی وہ آ جاتے کبھی میں چلا جاتا اس دن میری باری تھی۔ کچھ دیر کے لئے اکھٹے ہو جایا کرتے تھے کچھ باتیں کر لیا کرتے تھے۔ تو جب میں وہاں گیا تو طلباء کی ایک فوج کی فوج اندر سے نکل کر آئی۔ وہ خیر نکل گئے میں اندر داخل ہوا ان سے پوچھا کہ خیر خیریت سے آئے تھے کوئی گڑ بڑ تو نہیں چل رہی؟ انہوں نے کہا کہ خیر خیریت تھی کوئی گڑ بڑ نہیں تھی بڑی اچھی آمد تھی۔ میں نے کہا کس لئے آئے تھے؟ کہنے لگے وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا انتظام کرو ہم فوجی تربیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو پینسٹھ کی جنگ ہو رہی تھی جذبہ تھا شوق تھا اس لئے آئے تھے۔ تو میں نے کہا کہ واقعی کرنا چاہیے جب شوق ہے تو فوجی تربیت کا انتظام کرنا چاہیے۔ فوج سے رابطہ کرنا چاہئے کہنے لگا اچھا کرتے ہیں۔ دو دن کے بعد میں لاہور گیا ان سے پھر ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ کچھ باتیں کرنی ہیں میں نے کہا بہت اچھا، اور کچھ باتیں میں نے بھی کرنی ہیں۔ انہوں نے بات کی اور میں نے بھی بات کی اور کہا اسی کے متعلق کہ وہ بڑے شوق سے آئے تھے کر لو فوجی تربیت کا انتظام۔ اور اصل مسلمان سو فیصد اسی تربیت کا مالک تھا کوئی فوج نہیں ہوتی تھی حضور ﷺ کے دور میں اور جتنا خیر القرون کا دور تھا۔ کہ یہ فوج ہے اور پڑی ہوئی ہے بیرکوں میں جیسا کہ آج کل کا دور ہے۔ سو فیصد جتنے بھی لوگ تھے فوجی انداز کے آدمی تھے۔ جتنوں کی ضرورت ہوتی تھی وہ اٹھ کر چلے جاتے میدانِ جہاد میں جو کام ہوتا تھا وہ کر کے آ جاتے تھے۔ سو فیصد فوجی تھے اس واسطے ان سب کو فوجی بنا دو ہمت کرو۔ تو اس پر وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے مفتی صاحب یہ جو بچے کہتے ہیں کہ فوجی تربیت دو۔ یہ اصل میں گھاس پر لیٹ کر ٹھس کرنے کو فوجی

تربیت سمجھتے ہیں۔تو یہ ٹھُس کرنے کا نام تربیت نہیں ہے۔جنہوں نے فوجی تربیت حاصل کرنی ہیں وہ ہمارے پاس آجائے ہم ان کو ضرور فوجی تربیت دیں گے۔پھر ان کو کہاں کہاں پھینکے گے ہوائی جہازوں میں سمندروں میں وہ سارا کچھ کریں گے جو فوج کرتی ہے۔تو میں نے کہا کہ فوجی تربیت کے لئے کتنا وقت چاہیے۔تو انہوں نے کہا کہ کم از کم دس سال میں فوجی تیار ہوتا ہے۔لیکن یہ مصنوعی جنگیں جو ہوتیں ہیں کہ دس سال فوجی تربیت حاصل کی جائے۔مصنوعی جنگ میں یہ فوج ابھی قابل اعتبار نہیں ہوتی جب تک کسی حقیقی جنگ میں شامل نہ ہو۔پھر قابل اعتبار بنتی ہیں۔تو میں نے کہا جس طرح سے آدمی فوج میں اسی دن بھرتی ہو گیا جس دن اس کے سینے پر مہر لگا دی گئی۔اب پتہ نہیں بھرتی کیسے کرتے ہیں جب کبھی دیکھا تھا کسی زمانے میں کہ جب فوج میں بھرتی ہونے کے لئے لوگ آتے تھے تو جن کو لینا ہوتا تھا ان کے سینے میں مہر لگا دیا کرتے تھے۔ایک نشان لگا دیا کرتے تھے کہ یہ ہم نے لے لیا ہے اور یہ ہم نے پسند کر لیا ہے۔یہ مناسب ہے مہر کے جس وقت یہ مہر لگ گئی تو اس کے فوجیوں والے احکام ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں۔جو اس کے خلاف کرے گا اس کی توہین کرے گا اس کے احکام فوجیوں والے ہوں گے وہ وردی فوجیوں والی پہنے گا اس کی رہائش فوج کی جگہ ہوگی اور اس کو تنخواہ فوج والی ملے گی یہ سارے فوج والے احکام اسی وقت وہ گئے جب اس کو فوج والی مہر لگ گئی۔یہ اس کو ہاں ہوگئی کہ تو بھرتی ہو گیا ہے۔لیکن واقعی یہ فوجی بھی بن گیا ہے؟ کسی ملک کو ضرورت پڑی نیا نیا ملک تھا آزاد ہوا تھا جہاں ملک کی اور ضروریات ہیں فوج کی بھی ضرورت ہے۔فوج کی بھرتی شروع کر دی پچاس ہزار بھرتی کر لی۔اور اس کے بعد حکومت کو اور کوئی کام پڑ گیا۔نہ ان کی تربیت کا کوئی انتظام ہوا بس اپنی بارکوں میں آگئے۔اور وہ رہ رہے ہیں کھا رہے ہیں پی رہے ہیں۔

اچانک دوسال کے بعد یا تین یا پانچ سال کے بعد کسی طرف سے کسی حملے کا خطرہ ہوا تو یاد آیا کہ او ہو فوج بھرتی کی تھی۔ تو اس فوج کو جو چار سال تک بیرکوں میں پڑی کھاتی پیتی رہی ہے اور کسی نے ان کو بندوق چلانی بھی نہیں سکھائی ہے۔ ان کو اسلحہ دے کر دشمن کے مقابلے میں بھیجنا چاہیے یا نہیں۔ اگر بھیجیں گے تو خیر سے اسلحہ ہی دے کر آئیں گے۔ دشمن کی جو کمی ہوگی وہ پوری ہو جائے گی۔ تو یہ ہیں تو فوجی، لیکن فوجی نہیں ہیں دونوں باتیں ہیں۔ اسی طرح سے ہم مسلمان ہیں، لیکن مسلمان نہیں ہیں۔ اور مؤمن ہیں لیکن مؤمن نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے ایمان کو سیکھا نہیں ہے۔ ایمان سیکھنا پڑتا ہے جیسے انہوں نے کہا تھا کہ دس سال لگتے ہیں وہ تو آدمی بنتا رہتا ہے، بنتا رہتا ہے جس مد میں بھی آدمی محنت کرتا رہتا ہے اس میں سرمایہ بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن ایک سطح ہوتی ہے کہ آدمی کام کا بن گیا ہے۔ اسی وجہ سے کم از کم دس سال ہیں کہ اس میں آدمی تیار ہوتا ہے۔ اور اس کو میں اس بناء پر کہہ رہا ہوں اعتماد کے ساتھ کہ مکہ معظّمہ کے جتنے واقعات ہیں وہ سارے اس طرح کے ہیں آنکھوں دیکھی چیز ہے۔ حضور ﷺ نے تیرہ سال مکہ میں محنت کی ہے اور دس سال مدینے میں محنت کی ہے۔ تئیس سال کی زندگی ہے نبوت کی۔ سید الکونین ﷺ ایمان سکھانے والے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے سیکھنے والے ہیں۔ نہ ایسا سکھانے والا زمین و آسمان نے دیکھا ہے اور نہ ایسے سیکھنے والے زمین اور آسمان نے دیکھے ہیں۔ تو ایسے سکھانے والے اور ایسے سیکھنے والوں کو دس سال لگ گئے ایمان کو سیکھنے کے لئے۔ ہماری آپ کی بات نہیں ہے دس سال کی یہ ان کی بات ہے جو صاحبِ کمال تھے جن کی ذہانتیں، صلاحتیں، وہ کسی نے سچ کہا ہے کہ محمد ﷺ جیسا نبی اور قرآن جیسی کتاب سنبھالنے والا اور خاص قوم کو منتخب کیا ہے یعنی عرب قوم کو۔ اسی کے اندر صلاحیت تھی کہ ایسے نبی کو سنبھال سکے

اور ایسی کتاب کو سنبھال سکے ۔اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اس کو منتخب فرمایا ہے اس منتخب ترین قوم کو دس سال لگے ہیں ایمان سیکھنے میں ۔اس لئے جب ایمان سیکھ لیا ہے تو دوسرے نمبر پر عمل کے طور پر نماز آئی ہے نماز یہ معراج کی رات پانچ وقت کی فرض ہوئی ہے۔نماز ایمان کا امتحان بھی ہے اور نماز ایمان کی تکمیل بھی ہے۔دن میں پانچ مرتبہ ایمان کا امتحان ہے دن میں پانچ مرتبہ جو کچھ کر رہے ہو اس کو چھوڑ و گھر کو چھوڑ و دکان کو چھوڑ و دفتر کو چھوڑ و۔کوئی بڑے سے بڑا کام کر رہے ہو یا چھوٹے سے چھوٹا کام جس حال میں بھی ہو اس حال کو چھوڑ و۔صرف یہ نہیں اور یہ بھی مشکل کام ہے اس میں کوئی شبہ نہیں قوتِ ایمانی ہو تو تب ہوتا ہے ورنہ نہیں۔جتنا ایمان ہوگا تو جب نماز کا وقت آئے گا تو بقول ہمارے ایک ساتھی کے انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے جس وقت آذان شروع ہوتی تھی مدینہ طیبہ میں تو جس جس جگہ میں ہیں تو اپنی اپنی جگہوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر سن کر جیسے پنجرے کا دروازہ کھلتا ہے اور پرندہ پُھر کر کے اُڑ جاتا ہے۔ہر چیز سے جس چیز میں ہیں فوراً نکل جاتے تھے۔اور اگر مسجد میں جا کر دیکھا جائے تو نماز میں سو فیصد مسلمان حاضر ہوتے تھے۔جتنے بالغ مرد ہیں تندرست ہیں وہ سب مسجد میں موجود ہیں۔نابالغ بچے،عورتیں،معذور،وہ بے شک گھر میں موجود ہیں۔تو جس وقت اذان ہوتی تھی تو خوشی سے جاتے تھے یوں نہیں کہ وقت ہو گیا جانا پڑے گا بلکہ جس طرح پرندہ خوشی سے اُڑ جاتا ہے۔اس لئے کہ وہ گھر کو اپنی جگہ نہیں سمجھتا تھا دکان کو اپنی جگہ نہیں سمجھتا تھا مِل کو اپنی جگہ نہیں سمجھتا تھا دفتر کو اپنی جگہ نہیں سمجھتا تھا بلکہ مسجد کو اپنی جگہ سمجھتا تھا۔میں اللہ کا ہوں اور اللہ کا گھر میرا ہے۔لیکن ضرورت کی بناء پر گھر میں بھی آ گیا ضرورت کی بناء پر مکان پر آ گیا۔میری اصل یہ جگہ نہیں ہے میں یہاں بندھا ہوا تھا ایک ضرورت کے پیشِ نظر۔ضرورت اس کو کہتے ہیں جس کے کئے بغیر ضرر ہو،نقصان

ہو ضرورت کی جگہ پر بقدر ضرورت ہو۔مثلا پیشاب ضرورت ہے جس وقت آئے اسے روکنا نہیں چاہیے جس وقت آئے اس وقت فوراً پیشاب کے لئے آنا چاہیے۔ لیکن جب پیشاب کے لئے اندر گیا ہے تو کیا پیشاب کر کے اسے اندر بیٹھے رہنا چاہیے؟ تو جیسے پیشاب کے لئے جانا ضرورت ہے ایسے ہی دکان پر جانا ضرورت ہے دفتر جانا بھی ضرورت ہے بیوی کے پاس جانا بھی ضرورت ہے بچوں کے پاس جان بھی ضرورت ہے۔اس لئے کہ اس کو اگر پورا نہیں کریں گے تو ضرر ہوگا لیکن ضرورت کی جگہ پر بقدر ضرورت جاؤ اور باقی وقت اپنا مسجد میں آجاؤ۔دن میں پانچ مرتبہ ہر چیز کو چھوڑو میں کہہ رہا تھا کہ یہ بھی ایمان کا امتحان ہے اور بہت آسان ہے۔اور اگر ایمان نہ ہو تو پھر مشکل ہوتا ہے۔جس سے محبت ہو تعلق ہو وہ دن میں دس دفعہ بلائے تو جانا آسان۔اور جس دن گیارہ دفعہ بلائے اور خوشی ہوتی ہے اور جس دن پندرہ دفعہ بلائے اس دن اور خوشی ہوتی ہے۔جب اللہ جل جلالہ اور اس کے گھر سے تعلق ہوتا ہے تو جانے میں دقت پیش نہیں آتی بلکہ خوشی ہوتی ہے بلانے کی۔اللہ کا بلایا ہوا مہمان ہوں میں بن بلایا مہمان نہیں ہوں اور اللہ جل جلالہ نے اپنے نمائندے کے ذریعے سے ”حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ،حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ“ کہہ کر بلایا ہے۔واقعی عظیم اعزاز بھی ہے۔

اور مزید براں اس سے بھی مشکل کام ایک اگلا ہے کہ سب چیزوں کو نہیں چھوڑنا ہے بلکہ سب چیزوں کا خیال بھی چھوڑنا ہے۔جب تک سب چیزوں کا خیال نہیں چھوڑے گا اتنے تک نماز کامل نہیں ہوتی۔بقول حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے کہ نماز اس حالت کا نام ہے جس حال میں اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم تک اللہ کے علاوہ کسی کا دھیان نہ آئے۔بس یہ کامل نماز ہے۔اور یہ نہ سمجھو کہ یہ ناممکنات میں سے ہے ناممکنات میں سے نہیں بلکہ یہ فرائض میں سے ہے۔حضور ﷺ نے جس نماز کے تذکرے کئے ہیں

وہ اسی نماز کے ہیں۔اسی نماز پر ساری اللہ کی مددیں ہیں، اسی نماز پر اللہ کے ہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔اسی نماز کی دو رکعات صلوۃ الحاجۃ پر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے فیصلے کروائے جاتے ہیں۔سب چیزیں چھوڑو سب کا خیال چھوڑ و اور یہ سب سے مشکل کام ہے اس کو سیکھنا پڑتا ہے۔تو نماز ایمان کا امتحان بھی ہے اور تکمیل بھی۔اللہ اکبر صرف زبان سے کہنا نہیں ہے بلکہ دل بھی تصدیق کر رہا ہے کہ اللہ ہی بڑا ہے۔اگر اور بنائے ہوئے ہیں تو سیدھی بات ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے اللہ اکبر اللہ ہی بڑھا ہے صرف وہی بڑا ہے اسی کے ساتھ دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ یقین اپنے دل میں بٹھانے کے لئے ہے کہ اے اللہ تو بڑا ہے میں چھوٹا ہوں تو حیثیت والا ہے میں بے حیثیت ہوں۔اللہ نے آدمی کو اس کائنات کا بڑا بنایا ہے بڑا یہی ہے جس طرح آدمی کے بدن میں دل کی حیثیت ہے جیسے میں نے پہلے عرض کیا ہے اسی طرح پوری کائنات میں انسان کی حیثیت ہے جیسے دل کی حیثیت ہے وہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے اسی طرح اگر آدمی صحیح ہو تو ساری کائنات صحیح ہوتی ہے۔اس کو بھی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔لیکن اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اس کو بڑا بناتے ہیں اس وقت جب یہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے۔جب تک یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اسے حیثیتیں عطا نہیں فرماتے۔

علماءِ کرام سے خطاب 9 نومبر 1998ء

خطبہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ ' اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُحَلُّ بِهَا الْعُقَدُ وَتُفَرَّجُ بِهَا الْكُرَبُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ وَسِيْلَةً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفِيْلًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَكَمَالِهٖ۔

وَ بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ☆

وَقَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔

قابلِ احترام بھائیو، بزرگو اور عزیزو! زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں پہلے بھی رائج رہے اب بھی رائج ہیں اور آئندہ بھی رائج رہیں گے۔ ایک طریقہ زندگی گزارنے کا یہ ہے کہ آدمی کے دل کا یقین یہ ہو زندگی مال سے بنتی ہے جس مصیبت میں ہم سارے کے سارے مبتلا ہیں کہ مال سے زندگی بنتی ہے تو پھر مال کے لئے سب کچھ کرو، مال کے لئے سوچو، مال کے لئے دیکھو، مال کے لئے چلو، مال کے لئے سنو، مال کے لئے بیٹھو، مال کے لئے روؤ، مال کے لیے ہنسو، مال کے لئے سب کچھ ہو، اندر باہر کی ساری نقل و حرکت سارے مال کے لئے ہو۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کا پڑھنا، پڑھانا بھی مال کی بنیاد پر ہو۔ سب کچھ پیسے سے ہوتا ہے، سب کچھ پیسے سے بنے گا، ایک راستہ یہ ہے۔ اگر پیسے سے زندگی بنتی تو قارون کی بنی چاہیے تھی، قوم عاد کی بنی چاہیے تھی، قوم ثمود کی بنی چاہیے تھی لیکن واقعہ ہے کہ نہیں بنی۔ اور قرآن مجید نے اس کو تفصیل سے کہا ہے اگر مال سے زندگی بنتی تو قوم نوح کی بنتی بہت بڑی قوم تھی اور بہت سا ساز و سامان ان کے پاس تھا۔ اگر مال سے زندگی بنتی تو فرعون کی بنتی اس کے پاس ایسا شاندار ملک تھا کہ ایسا شاندار ملک تلاش کرنا آسان نہیں ہے۔ دریائے نیل جیسے دریا بھی اس میں بہتے ہیں اور مصر اتنا سرسبز و شاداب ملک ہے، لیکن زندگی بنی ہے یا بگڑی ہے؟ یہ جتنوں کا میں نے نام لیا ہے ان کا حال یہ ہے سلطنتیں ان کے پاس موجود ہیں، ملک ان کے پاس موجود ہیں، صنعتیں ان کے پاس موجود ہیں، اکثریت ان کے پاس موجود ہے لیکن ان سب کے باوجود دنیا میں اگر کسی چوڑے چمار کو بھی فرعون کہا جائے تو کہتا ہے تو نے مجھے گالی دی ہے، بھئی تمہیں اتنا بڑا بادشاہ کہا ہے،

کہتا ہے نہیں، تو نے مجھے گالی دی ہے۔ نہ خالق کے ہاں کوئی حیثیت، نہ مخلوق کے ہاں کوئی حیثیت۔ باہر کی چیزوں سے حیثیتیں نہیں بنتی ہیں، نہ عزتیں بنتی ہیں، نہ زندگی بنتی ہے، نہ قوت آتی ہے نہ سکون ملتا ہے، نہ عزتیں محفوظ ہوتیں ہیں، نہ جان محفوظ ہوتی ہے۔ یہ راستہ خطرناک ہے اس راستے پر جو آدمی چل رہا ہے وہ کافرانہ زندگی جسے کہیں، جاہلانہ زندگی، احمقانہ زندگی چونکہ اس کا دور دورا ہے۔ اس لئے آدمی جدھر بھیڑ کو دیکھتا ہے اُدھر اس بھیڑ کے پیچھے ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس طرح یقین ان کا ہے کہ مال سے زندگی بنتی ہے اور آخیر تک یہی رہا کہ مال سے زندگی بنتی ہے، اکثریت سے زندگی بنتی ہے، دولت سے زندگی بنتی ہے۔ "اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَھٰذِہِ الۡاَنۡھٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ" یہ سارے دعوے انہی کے ہیں جن کا یقین مال سے زندگی بننے کا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے قرآن کہتا ہے کہ سر کی آنکھوں سے دیکھ لو، اور سر کی آنکھوں سے سب نے دیکھا ہے۔ مختلف موقعوں پر، قوم نوح پہلے غرق ہوئی ہے قوم عاد اور قوم ثمود اس کے بعد غرق ہوئی ہے۔ سر کی آنکھوں سے سب نے دیکھا کہ زندگی بنتی نہیں بگڑتی ہے۔ اس بناء پر اس راستے کو چھوڑ دو اور دوسرا راستہ اختیار کرو۔

دوسرا راستہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام کا۔ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چالیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق دو لاکھ انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک سارے آئے ہیں۔ ان کا نعرہ یہ ہے، ان کی بات یہ ہے، ان کی دعوت یہ ہے، ان کا ایمان یہ ہے، ان کا عقیدہ یہ ہے، کہ زندگی مال سے نہیں بنتی، زندگی اعمال سے بنتی ہے۔ اور سارے انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی راستہ تھا اور سر کی آنکھوں سے سب نے دیکھا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی بنی یا نہیں؟ اللہ رب العزت نے عزتیں دی یا نہیں؟ جو کچھ یہاں مل سکتا ہے وہ سب کچھ

ملا، چھوٹی سی دنیا ہے چھوٹا سا عرض ہے اس کا چھوٹا سا طول ہے۔ اس طول وعرض میں جو آ سکتا تھا وہ سب کچھ ملا۔ اللہ جل جلالہ نے وہ عزتیں عطا فرمائیں جو سوچی بھی نہیں جا سکتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام آئے، ابراھیم علیہ السلام آئے، عیسیٰ علیہ السلام آئے، بہت دور جانے کی ضرورت نہیں محمد رسول اللہ ﷺ سامنے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک عرض کر رہا ہوں کہ زندگی اعمال سے بنتی ہے۔ دل کا یقین یہی ہے، دماغ کی سوچ بھی یہی ہے، کانوں کا سننا بھی یہی ہے، زبان کا بولنا بھی یہی ہے جب یہ یقین ہے کہ مال سے زندگی نہیں بنے گی بلکہ اعمال سے زندگی بنے گی تو پھر اعمال کے پیچھے، صبح بھی اعمال کے پیچھے، اور رات کو بھی اعمال کے پیچھے، سونا بھی اعمال کے لئے، جاگنا بھی اعمال کے لئے، سننا بھی اعمال کے لئے بولنا بھی اعمال کے لئے، کرنا بھی اعمال کو، پڑھنا بھی اعمال کو، عمل ہی عمل ہوگا۔ اور جو اعمال کی شرائط ہیں ان کو پورا کرنے کی فکر میں ہو۔ لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اہتمام کے ساتھ اس دعا کو مانگا کرتے تھے ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَعْمَالِیْ خَالِصَةً لِوَجْهِكَ وَلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِيْهِ حَظًّا لِغَيْرِكَ'' سارا کچھ مال کے لئے کرنا، زندگی بھر مال کے لئے، بوڑھاپا بھی مال کے لئے اور جوانی مال کے لئے، جتنی بھی اللہ تعالیٰ نے استعدادیں دیں ہیں اندر، باہر کی ان کو مال کے لئے لگانا، پتہ نہیں کتنی بربادیاں لاتا ہے اور پتہ نہیں کتنے عذاب لائے گا، اس لئے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دعا ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَعْمَالِیْ خَالِصَةً لِوَجْهِكَ'' چھوٹے، بڑے میرے جتنے اعمال ہیں خالص اللہ جل جلالہ کی رضا کے لئے ہوں۔ اس لئے کہ اگر ذرہ برابر بھی غیر خدا کے لئے ہو جاتا ہے، اگر کسی کا حصہ پڑھ جاتا ہے کسی رئیس کا تم نے حصہ ڈال دیا، کسی چھوٹی بڑی مخلوق کا حصہ ڈال دیا تو وہ سارے کا سارا، جیسے پانی کا لوٹا ہو اور اس میں ایک قطرہ پیشاب کا پڑھ گیا تو سارا پیشاب کے حکم میں

ہو گیا۔ یہ اعمال بھی جاندار نہیں رہتے، یہ زندگی بنانے والے نہیں بلکہ زندگی بگاڑنے والے ہیں، زندگی تباہ کرنے والے بن جاتے ہیں، ناکامیوں کا سامان بن جاتے ہیں۔ اور حضرت ابوہریرۃ ﷺ والی معروف حدیث یاد ہوگی ''کہ قیامت کے دن سب سے پہلے شہید پیش ہوگا بلا شبہ شہادت سب سے بڑا عمل ہے کوئی عمل بھی شہادت کے برابر نہیں ہے اسی لئے سب سے بڑے عمل والا سب سے پہلے اللہ ﷻ کے ہاں پیش ہوگا اور پیش ہوتے ہی اللہ ﷻ اپنی نعمتیں اس کو یاد کروائیں گے کہ جوانی دی تھی، قوت دی تھی، سمجھ دی تھی، کیا کیا؟ تو جواب میں کہے گا کہ الٰہی فلاں میدان میں تیرے لئے جان دی تھی۔ اس پر اللہ ﷻ فرمائیں گے کہ اندر کا حال ہم جانتے ہیں، یہ جو تو کہہ رہا ہے کہ تو نے جان دی تھی یہ تو ٹھیک ہے کہ میدان میں تو نے جان دی تھی، ہم نے بھی دیکھا اور مخلوق نے بھی، تمہارے ساتھیوں نے بھی دیکھا سر کی آنکھوں سے کہ تم نے جان دی۔ لیکن یہ جو کہتا ہے کہ تیرے لئے جان دی تھی، میرے لئے جان نہیں دی تھی۔ شہید ملت کہلانے کے لئے، نام پیدا کرنے کے لئے مخلوق کے لئے جان دی تھی اور حکم ہوتا ہے ہمارے پاس تو وہ عمل آتا ہے جو ہمارے لئے ہو، اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہ ہو۔'' اَنَا اَغْنٰی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ '' تمام جتنے بھی شرکاء ہوتے ہیں اللہ ﷻ فرماتے ہیں ان سب سے غنی شریک میں ہوں! ہر شریک یہ چاہتا ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ حصہ لوں، اور اگر بہت منصفانہ ہے تو کہتا ہے کہ میں اپنے حصے کے بقدر لیتا ہوں، یا جس درجے میں بھی مل جائے میں قناعت کر لوں گا لیکن لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں کہ جتنے بھی شریک کار ہوتے ہیں میں ان سب سے زیادہ غنی شریک ہوں اس لئے اس عمل میں کسی دوسرے کا حصہ بڑھ گیا تو میں اس کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا وہ ہمارے پاس آتا ہی نہیں ہے، ہم اسے نہیں لیتے۔ اور حکم ہوگا کہ باندھو

اور ڈالو جہنم میں۔سب سے پہلے جہنم میں جانے والا شہید ہے۔

اور دوسرے نمبر پر علم والا پیش ہوگا اللہ ﷻ فرمائیں گے تمہیں ذہانت دی تھی حافظہ دیا تھا کیا کیا؟ تو جواب میں کہے گا کہ الٰہی خوب سیکھا تھا اور خوب سکھایا تھا ساری زندگی سیکھنے ،سکھانے میں گزری۔اس پر اللہ ﷻ فرمائیں گے یہ تو ٹھیک کہتا ہے کہ تو نے خوب سیکھا اور خوب سکھایا۔قرآن بھی سکھایا ،حدیث بھی سکھائی ، دین بھی سکھایا،تبلیغ بھی سکھائی ، بہت کچھ سکھایا۔لیکن یہ جو کہتا ہے کہ تیرے لئے ! تو میرے لئے نہیں تھا۔کچھ لوگوں سے حاصل کرنے کے لئے ،کبھی اِس مخلوق سے ،کبھی اُس مخلوق سے، ہمارے پاس تمہارا کوئی عمل نہیں آیا۔اس لئے کہ ہمارے پاس تو وہی عمل آتا ہے جو خالص ہمارے لئے ہو۔اور حکم ہوگا باندھو اور ڈالو جہنم میں۔

اور تیسرے نمبر پر مال والا آئے گا اللہ ﷻ مال والے سے پوچھیں گے کہ تجھے یہ، یہ کچھ دیا تھا تو نے کیا کیا؟ تو جواب میں کہے گا الٰہی کوئی خیر کی جگہ نہیں جہاں میں نے خرچ نہ کیا ہو۔اللہ ﷻ فرمائیں گے کہ بالکل ٹھیک کہتا ہے ہر خیر کی جگہ پر تو نے خرچ کیا لیکن یہ جو کہتا ہے کہ تیرے لئے !میرے لئے تو نہیں تھا۔سخی بننے کے لئے ،نام پیدا کرنے کے لئے ،اخبار میں نام چھپانے کے لئے کہ ہم نے چار رضائیاں کسی کو دے دی تھیں،اس کے لئے کیا تھا اور وہ ہو چکا۔تیرا کوئی عمل ہمارے پاس نہیں آیا اور حکم ہوگا باندھو اور ڈالو جہنم میں۔

جب اس حدیث کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ ذکر کر رہے تھے تو ارشاد فرمانے لگے کہ یہ تین جو ہیں جان دینے والا ،جان لگانے والا ، یہ سب سے اول نمبر کا آدمی ہے اس لئے کہ جان دینے کے جو اعمال ہیں وہ ذرا طاقت ور ہوتے ہیں۔جان والا ،علم والا اور مال والا یہی تین قوتیں ایسی تھیں کہ اگر یہ محض

رضائے الٰہی کے لئے کام کرتے تو عالم بھر میں دین بہت آسانی کے ساتھ پھیل جاتا۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ جتنا مجمع رائے ونڈ میں آیا ہوا ہے یہی سارے عالم کے لئے کافی ہے، کسی کو باہر سے لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بشرطیکہ ان کے عمل اسی طرز کے ہوں جو اعمال کہلاتے ہیں، پہلی شرط ان میں یہ کہ خالص اللہ جل جلالہ لئے ہو، محض رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ جیسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دعا ہے۔ اور ان تین کی وجہ سے اگر ان کے اعمال خالص اللہ جل جلالہ کی رضا کے لئے ہوتے تو یہ عالم میں دین پھیلتا۔ یہ دین جو نہیں پھیلا ہے ان کی ریاکاریوں کی وجہ سے نہیں پھیلا۔ جب اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی کے لئے عمل کیا جاتا ہے اس میں طاقت نہیں ہوتی، اس میں کوئی جان نہیں ہوتی، اس میں کوئی قوت نہیں ہوتی، وہ اللہ جل جلالہ کی رحمت کا سامان کیسے بن سکتا ہے؟ اس بناء پر چونکہ یہ لوگ دین کے پھیلنے پر رکاوٹ بنے ہیں، یہ تینوں اول نمبر کے مجرم ہیں۔ یہ چونکہ رکاوٹ بنے ہیں اس بناء پر ان کو سب سے پہلے جہنم میں ڈالا گیا ہے۔ حدیث ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ تینوں رکاوٹ بنے ہیں دین کے پھیلنے میں سب سے بڑے مجرم یہی ہیں۔

اس بناء پر عرض یہ کر رہا تھا کہ دوسرا راستہ جو چالو رہا ہے اور قیامت تک بھی چالو رہے گا کہ زندگی اعمال سے بنتی ہے مال سے نہیں۔ اور اس کے لئے شہادت کے طور پر کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لمبی تاریخ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تیئیس سالہ تاریخ پڑھ لی جائے۔ مدینہ شہر ہے اور شہر ایسا ہے اس میں ایک بھی پکا مکان نہیں ہے تمام چھپر ہیں اور چھپر کا تم جانتے ہی ہو کہ چھپر کو تالہ کیا لگتا، کنڈی بھی نہیں لگتی۔ کنڈی لگانے کی جگہ ہی کوئی نہیں ہوتی۔ مدینہ وہ شہر ہے جہاں کہیں تالہ نہیں لگتا، تالہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے کہ کوئی کسی

چیز کو غلط استعمال نہیں کرتا، کسی کی چیز راستے پر پڑھی رہے کوئی وہاں سے اٹھانے کے لئے تیار نہیں، مالک وہیں آ کر دیکھ لے گا۔ چھپر ہیں اور خالی ہیں بعض ہوتے چھپر ہیں لیکن مال متاع اندر بہت ہوتا ہے۔ اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا کی شہادت یہ ہے کہ ہم نے تین تین چاند اپنی آنکھوں سے دیکھے ہمارے گھروں میں آگ نہیں جلی۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا کے بھانجے ہیں پاس بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ خالہ جان گزارہ کیسے ہوتا تھا؟ دو، دو مہینے تک گھر میں آگ ہی نہیں جلی۔ فرمایا! گزارہ یوں ہوتا تھا حضور ﷺ اشراق کے بعد تشریف لائے اور آکر پوچھا عائشہ! کھانے کے لئے کوئی چیز گھر میں ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، بیٹھیں! حضور ﷺ بیٹھ گئے اور میں اندر گئی اور جا کر کھجوریں اور پانی لے آئی، چند کھجوریں حضور ﷺ نے کھالیں اور چند میں نے کھالیں اوپر سے پانی پیا اور چھٹی ہو گئی، کھانے پینے کا قصہ ختم ہوا۔ اور جب باورچی خانہ اتنا سا ہوتا ہے جتنا میں نے ابھی ذکر کیا تو سارا دن پڑھنے کے لئے فارغ ہے پڑھنے والا بھی فارغ اور پڑھانے والا بھی فارغ۔ ان کی بیویاں اور ان کے بچے اور ان کی بچیاں وہ ہوتیں ہیں جن کے متعلق یہ لکھا ہے کہ فلاں فلاں عورتیں ایسی تھیں کہ دو بٹا تین حصہ دین کا ان کے واسطے سے پہنچا ہے۔ یہ عورتیں پڑھنے اور سیکھنے اور سکھانے کے لئے فارغ ہیں۔ جس وقت باورچی خانے یہ بن جائیں جواب ہمارے گلے پڑے ہوئے ہیں اسراف کے، تو کوئی حرام نہیں جو کھائے بغیر رہ سکے، ساری دنیا کے اندر جو حرام کاری چل رہی ہے۔ وہ ساری کی ساری چولہے کی وجہ سے ہے۔ بیت الخلاء اور باورچی خانہ جب تک اسے اپنے ٹھکانے نہیں لایا جائے گا اتنے تک امت ٹھکانے نہیں آئے گی۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں جو کچھ اس وقت تبلیغ کا نظر آ رہا ہے، مجمع کا آتا ہوا دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے کہ نہ آنے

والوں کی کوئی کمی ہے نہ جانے والوں کی کوئی کمی ہے۔ لاکھوں کا مجمع ہے اور پھر ایسے گھروں کے ہیں کہ لاکھ پتی بھی ان میں موجود ہیں اور کروڑ پتی بھی موجود ہیں، وسائل والے موجود ہیں لیکن وسائل ہونے کے باوجود چھوٹی چھوٹی گٹھریاں لے کر اپنا پکایا ہوا کھانا لے کے، یا یہاں کی روکھی سوکھی لے کے، یہاں رائے ونڈ میں پہلے تو سالن ملتا بھی نہیں تھا۔ ہم نے اپنے کانوں سے جو سنا ہوا ہے وہ یہ تھا کہ کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے اور مٹی کے برتن ہوا کرتے تھے سالن والے اور اس میں بوٹی، آلو کوئی چیز نہیں ہوتی تھی وہ ہر چیز سے محفوظ ہوتی تھی۔ ایک میواتی بیٹھا ہوا تھا اس نے ایک آدمی جو کھڑا ہو تھا اس سے کہا کہ پانی لاؤ؟ اس نے مٹی کا پیالہ آگے کر دیا کہ یہ لو پانی، اس نے کہا یہ پانی نہیں بلکہ جس میں سے بکرا گزر گیا ہے وہ پانی چاہیے، وہ سالن جو ہوتا تھا وہ ایسا ہی ہوتا تھا جیسے اس میں سے بکرا گزر گیا ہے اور اس کے پاؤں بھی نہیں بھیگے ہیں۔ تو اس قسم کے سالن پر گزارہ کرنے والے جو شکل بنی ہے اور جماعتوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ میں ایک دن ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ میرا خیال ہے کہ حضور ﷺ کی جو معاشرت ہے کھانے پینے کے سلسلے میں، رہنے، سہنے کا انداز جہاں جگہ ملی سو گئے، یا جگہ نہیں ملی تو اسی جگہ پر سو گئے جو سونے کی بھی نہیں ہے۔ میں نے ایک کروڑ پتی رئیس کو کُھرلی کے اندر پڑا ہوا دیکھا ہے کُھرلی جس میں جانور کو چارا وغیرہ ڈالتے ہیں، اور کوئی جگہ نہیں تھی بارش ہوگئی تھی ساری جگہ گیلی تھی کوئی لیٹنے کی جگہ نہیں تھی، اس نے اپنا کپڑا بچھایا اور وہ کُھرلی میں سو رہا تھا۔ تو میں جماعتوں کو یہ کہہ رہا تھا کہ جماعتوں کی شکل میں نکلو، قافلوں کی شکل میں نہ نکلو یہ زمینداروں کی جماعت آ رہی ہے، یہ صنعت کاروں کی جماعت آ رہی ہے، یہ پچاس آدمی ہیں اور یہ ساٹھ آدمی ہیں۔ بڑی بڑی جماعتیں مت بناؤ، چھوٹی چھوٹی جماعتیں بناؤ، وہ جو آٹھ، نو، دس کی

جماعت ہوتی ہے۔ان کو ٹھیک طرح سے دیکھا بھی جاسکتا ہے، بٹھایا جاسکتا ہے، ان کو سلایا بھی جاسکتا ہے، ان کو کھلایا بھی جاسکتا ہے، تعلیم بھی کروائی جاسکتی ہے سارے کام ان امور کے مطابق ہو سکتے ہیں جن امور کو ہم دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔جس دستور کا رائج کرنا چاہتے ہیں وہ اسی میں قابو آتا ہے۔اور اگر اس کو میلہ ٹھیلہ بنالو گے، شاندار قسم کے کھانے اور شاندار قسم کے ذبیحے، کوئی کہتا ہے کہ میں عرب ہوں کوئی کہتا ہے کہ میں پٹھان ہوں اپنی اپنی پر آئے ہوئے ہیں، اپنی اپنی پر آنے سے حضور ﷺ کی معاشرت نہیں رہتی ہے، اور حضور ﷺ کی معاشرت کی مشابہت بھی نہیں رہتی یہ اسراف کی زندگی ہے۔ جو تھوڑی بہت مناسبت پیدا ہوتی ہے وہ جماعت کی شکل میں، اور جماعت بھی ایسی جیسے غرباء کی مخلوط سی جماعت جس میں غریب آدمی بھی ہیں اور امیر آدمی بھی ہیں ایسا کھانا پکاؤ جس کے پیسے سہولت سے غریب آدمی بھی ادا کر سکے۔ شاندار پکاؤ گے تو اسے امیر آدمی ہی کھا سکے گا غریب آدمی اس کو نہیں کھا سکے گا، اور کھائے گا تو احسان مند ہو کے بیچارا کھائے گا، جتنی حضور ﷺ کی معاشرت کی طرف چلے جاؤ گے، یہ رائیونڈ ہی کا قصہ ہے ایک آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مفتی صاحب ڈپٹی سیکٹری کے درجے کا فلاں آدمی آیا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا، کہاں ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ وہ کھانے والے کمرے میں داخل ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ پیچھے پیچھے چلا جا اگر وہ کھانے پر نہ بیٹھے ہوں تو ان کو لے آ، کہ مفتی صاحب بلا رہے ہیں۔ اگر بیٹھ گئے ہوں تو کچھ نہ کہیو۔جس وقت وہ کھانا کھا چکے تو بعد میں میرے پاس لے آئیو۔وہ گیا تو اس وقت وہ کھانے پر بیٹھ چکے تھے۔تو وہ آدمی وہیں کھڑے ہو گیا، جس وقت وہ فارغ ہوئے تو ان کو ساتھ لے کر آ گئے کہ مفتی صاحب بلا رہے ہیں۔ جب ہمارے پاس پہنچے تو ہم بھی کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا کہ آ جاؤ ہمارے

ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ مصافحہ بعد میں کرتے رہیں گے۔ تو کہنے لگے کہ کھانا تو مفتی صاحب میں کھا چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ یار یہ کھانا تجھ سے کیا کھایا گیا ہوگا جو تو کھا کر آیا ہے۔ آجاؤ شرم نہ کرو، کہنے لگا نہیں مفتی صاحب واقعہ یہ ہے کہ میں نے جب اس کھانے کو دیکھا تھا تو دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے جب اس کو دیکھا تھا تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ میں اس کو کیسے کھاؤں گا۔ لیکن مفتی صاحب بڑا مزیدار تھا۔ میں نے واقعی گھر میں اتنا کھانا نہیں کھایا جتنا یہاں کھایا ہے۔ مجھے آپ صرف اتنا بتا دیں کہ یہ اتنا مزیدار کیوں تھا؟ میں نے کہا کھانے پینے کی جتنی چیزیں ہیں جب اس کو حضور ﷺ کی طرف لے کر جاؤ گے تو ایسے ہی مزیدار اور فرحت بخش ہوں گی۔ چین بھی اس میں ہوگا، سکون بھی اس میں ہوگا، محبتیں بھی اس میں ہوں گی، سب کچھ اسی میں ہوگا۔ حضور ﷺ کی معاشرت پاکیزہ چیز ہے۔ اور سب سے پہلے امت نبی کی جس چیز سے محروم ہوتی ہے وہ نبی کی معاشرت ہے۔ جب نبی کی معاشرت مردوں کے ہاتھ سے بھی نکل گئی اور عورتوں کے ہاتھ سے بھی نکل گئی، بچوں کے ہاتھ سے بھی نکل گئی، حاکموں کے ہاتھ سے بھی نکل گئی، محکوموں کے ہاتھوں سے بھی نکل گئی، نبی کی معاشرت ہاتھ سے گئی تو سب کچھ گیا، امت کی چول ہل گئی۔ اور جس وقت تک اس معاشرت پر واپس نہیں آئے گی اس وقت تک کوئی صورت اس کی ترقی کی نہیں ہوسکتی۔ آگے بڑھنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حکم ہی یہ ہے ”كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا“ کھاؤ، پیو، جو کھانے کی چیز ہے کھاؤ بھی اور جو پہنے کی چیز وہ پہنو بھی، کپڑے بھی پہنو، مکان بھی بناؤ، سب کچھ لو لیکن اسراف کی اجازت نہیں ہے۔ دو لفظ ہیں قرآن مجید میں ایک ”اسراف“ اور ایک ”تبذیر“۔ ”اسراف“ کہتے ہیں کہ برمحل خرچ کرنا لیکن ضرورت سے زائد۔ اور ”تبذیر“ کہتے ہیں بے محل خرچ کرنا۔ جو خرچ

کرنے کی جگہ نہیں ہے وہاں خرچ کرنا۔ اسراف کرنے والوں کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد یہ ہے" کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا "اسراف مت کرو یعنی ضرورت سے زائد مت خرچ کرو۔" اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ "اللہ ﷻ کو اسراف کرنے والے پسند نہیں ہیں، ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ بلکہ یہ ناپسندیدہ کا لفظ اب بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے کہ فلاں ملک کے سفیر کو ناپسندیدہ قرار دے کر ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا۔ جب آدمی اسراف کی زندگی پر آجاتا ہے تو اللہ ﷻ کے ہاں بھی ناپسندیدہ بن جاتا ہے اور مخلوق کے ہاں بھی ناپسندیدہ بن جاتا ہے۔ نہ اسے مخلوق پسند کرتی ہے نہ اسے خالق پسند کرتا ہے۔ تو اس کی ترقی کرنے کا اور آگے بڑھنے کا کیا سوال ہے؟ اللہ ﷻ کا اس کے ساتھ ہو جانے کا کیا سوال ہے؟ جب تک اللہ ﷻ کی مدد یں نہیں آتیں مسائل کا حل ہونے کا کیا سوال ہے۔ اس بناء پر عرض یہ کر رہا تھا حضور ﷺ کی معاشرت سے میل کھاتی زندگی ہونی چاہیے، اس طرف جاؤ، اُس طرف نہ جاؤ، اسراف کرنے والوں کے پیچھے مت چلو، یہ محلات فرعونوں کی پیداوار ہے، فرعونوں کا راستہ ہے ۔حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو فتح کے بعد پوچھا بھئی ڈیرہ کہاں لگانا ہے؟ اللہ ﷻ کا شکر ہے کہ مصر تو فتح ہو گیا لیکن اب ڈیرہ کہاں لگانا ہے؟ تو پہلا جواب جو ملا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھیوں کی طرف سے، مدینے والوں کی طرف سے ۔جن کو حضور ﷺ کی معاشرت پسند تھی اور دنیا کے سب قیمتی ترین یہی چیز تھی کہ حضور ﷺ کی معاشرت سے میل کھاتی زندگی ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ جگہ تو بس آپ تعین کر لیں ہم تو اتنا بتا سکتے ہیں کہ وہاں ڈیرہ لگانا ہے جہاں سے فرعونوں کے محلات نظر نہ آئیں۔ جہاں یہ نظر آئیں وہاں بھی نہیں رہنا ہے، بلکہ اس سے دور رہنا ہے۔ اور انہی ساتھیوں میں دوسری آواز یہ نکلی کہ ایسی جگہ رہنا جہاں مدینے جیسے چھپر

موجود ہوں۔ مدینے جیسے چھپر ڈال کران میں رہنا ہے۔حضور ﷺ کی معاشرت یہی ہے۔حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کی محبت کی باتیں کرنا تو بہت آسان ہے جب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ تمہیں حضور ﷺ کی محبت نصیب فرمائیں گے تو تمہیں اُونٹ پر سفر کرنا، گدھے پر سفر کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے پر سفر کرنا اور حضور کے اونٹ پر سفر کرنا زیادہ عزیز ہوگا نہ کہ حرام کے جہازوں پر جن میں ایک پیسہ بھی حلال کا نہیں ہوتا ہے یہ جہاز جو لاکھوں، کروڑوں کے ہیں سارے حرام کے بنے ہوئے ہیں ان میں ایک پیسہ بھی حلال کا نہیں ہوتا سو فیصد حرام کا پیسہ ہوتا ہے اس لئے کہ سارے کا سارا سود کا پیسہ ہے۔حضور ﷺ کی معاشرت جب تک پسند نہ آجائے الفاظ تو سخت ہیں لیکن ہوسکتا ہے اسی راستے سے یاد رہ جائے کہ ایک اسراف کی زندگی ہے جس سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے منع فرمایا ہے۔''کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ''اور آگے اپنا فیصلہ بھی سنادیا ہے'' اِنَّ اللّٰـهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ''ناپسندیدہ لوگ ہیں۔اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ یہ کہتے ہے اسراف کی زندگی سے بندہ ناپسندیدہ بنتا ہے۔اور ہمارے اندر یہ موجود ہے جب تک اسراف نہ کرلیں کھانے، پینے، پہننے ہر چیز میں اتنے تک ہم پسندیدہ نہیں بنتے۔ہمیں اپنا آپ پسند نہیں آتا، ہم پسندیدہ اس وقت بنتے ہیں جب قرآن کے خلاف کریں جو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کہتے ہیں اس کے خلاف چلنا۔اگر یہ ہے تو اس کا نام ہدایت کیسے ہوسکتا ہے۔ہدایت کا خلاصہ تو یہ ہے بقول حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے جو قرآن میں وہ میرے دل میں ہو۔جو قرآن کہہ رہا ہے''اِنَّ اللّٰـهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں، میں ناپسندیدہ بن جاؤں گا اگر میں نے اسراف کیا۔میرا بچہ اسراف کرنے سے ناپسندیدہ بن جائے گا میری بیوی اسراف کرنے سے ناپسندیدہ ہوجائے گی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ہاں۔تو ہدایت اس کا نام ہے''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِيمَ ''ہمیں ہدایت دے سیدھے راستے کی۔ وہ یہ ہے کو جو حضور ﷺ کو پسند ہے وہ ہمیں پسند ہے۔ جو قرآن کو پسند ہے وہ ہمیں پسند ہے، جو انہیں ناپسند ہے وہ ہمیں ناپسند ہے۔ اس طرف چلیں گے تو یہ منزل تک پہنچائے گا۔ حضور ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا جب صحابہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ جو آپ نے فتن کا فرمایا ہے تو فتن کا وقت جب آجائے گا تو ہم کیا کریں گے، اس وقت کیسے سنبھلیں گے؟ تو اس وقت حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا'' مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِیْ ''میں جس پر ہوں اور میرے صحابہ جس پر ہیں اس پر رہیں گے تو انشاءاللہ منزل تک پہنچ جائیں گے۔ تمہارا کھانا، تمہارا پینا، تمہارا پہننا، تمہاری سواری تمہارے مکان، تمہاری معاشرت، تمہاری شادیاں، تمہاری تجارتیں، تمہاری زراعتیں جو کچھ بھی ہیں یہ سارے کے سارے جب حضور ﷺ کی زندگی سے میل کھاتے ہوئے ہوں گے مدینے کی زندگی سے میل کھاتے ہوئے ہوں گے تو اللہ جل جلالہ اس میں مدد بھی فرمائیں گے اور قوتیں بھی عطا فرمائیں گے اور اس سے دنیا کی بھی کامیابیاں ہوں گی اور آخرت کی بھی کامیابیاں اسی سے ملیں گی۔ لیکن اگر نبی ﷺ کی معاشرت سے ہٹ گئے تو ہم بھی وہیں پہنچے گے جن کی معاشرت ہمیں پسند آئی ہے اگر تعلیم بھی انہی کی پسند ہے، غیروں کی تعلیم بھی پسند ہے، غیروں کے فیشن بھی پسند ہیں، لباس بھی پسند ہیں، شادیاں انہی کے طریقے پر پسند ہیں مکانات انہی کے طریقے پر پسند ہیں سب چیزیں انہی کی پسندیدہ ہیں تو یہ مخلوق خدا کی پسندیدہ کیسے بن جائے گی، خدا کی پسندیدہ بننے کا تو کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں جو جن کے پیچھے لگ رہا ہے تو یہ پیچھے چلنے والے وہیں پہنچے گے جہاں وہ پہنچیں گے۔ یہ جہنم میں جانے کا سامان ہے۔ اس بناء پر اپنی معاشرت کو خصوصیت کے ساتھ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ وفات سے ایک سال پہلے اس کو بہت اہتمام سے کہتے رہے کہ

معاشرت بدلو، معاشرت بدلو۔ زندگی اعمال سے بنتی ہے مال سے نہیں بنتی۔ لاکھ بار قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے حضور ﷺ نے جنت کی زندگی مدینے میں لوگوں سے گزروائی ہے۔ جنت میں جو مزا ہوگا زندگی گزارنے کا وہ اللہ جل جلالہ نے مدینے والوں کو دنیا میں دے دیا۔ اتنی محبت کہ ایک آدمی فوت ہوتا ہے اور ایک آدمی تعزیت کے لئے باہر سے آتا ہے کہ وہ آدمی کی شکل بتا رہی ہوگی، اس کا چہرہ بتا رہا ہوگا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوا ہے میں اسے پہچان لوں گا۔ لیکن وہ آ کے دیکھتا ہے کہ سب کا حال ایک جیسا ہے کہ جیسے سب کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اللہ جل جلالہ نے ایسی محبتیں آپس میں عطا فرمائیں تھیں۔ اور جیسا حضور ﷺ نے فرمایا بھی ہے ''اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَجَسَدٍ وَاحِدٍ'' مؤمن سارے کے سارے ایسے ہیں جیسے ایک جسم کے اعضاء ہوں، ایک کی خوشی سب کی خوشی، پوروں کو پانی لگتا ہے تو سارے جسم کو ٹھنڈک جاتی ہے، اور کوئی کسی کو نقصان پہنچانے والا نہیں ہے، گالی دینے والا نہیں ہے، کسی کی تحقیر کرنے والا نہیں ہے ایسی الفت کی زندگی، محبت کی زندگی، عفت کی زندگی، سکون کی زندگی۔ ہر آدمی کی عزت بھی محفوظ ہے، جان بھی محفوظ ہے، مال بھی محفوظ ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ مدینہ وہ شہر ہے جس کو تالہ تو کیا کنڈی بھی نہیں لگتی تھی۔ اور مدینے کا شہر سارے کا سارا آباد شہر ہے۔ حدود وہیں قائم ہیں جو بین الاقوامی طور مقدمے ہوتے ہیں وہ اور یہود کے فیصلے بھی حضور ﷺ مدینے میں کر رہے ہیں۔ قضاء موجود ہے، امیر موجود ہے، حاکم موجود ہے اور سارا زندگی کا جو نظام ہوتا ہے وہ سو فیصد موجود ہے۔ اور اس میں تمہاری کائنات کی کوئی چیز بھی استعمال نہیں ہوئی۔ نہ تمہارا مال، نہ تمہارا پیسہ، نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری آمدن کوئی چیز استعمال نہیں ہوئی بلکہ صرف اعمال مدینے والوں کا سرمایہ ہے۔ یہ جو چھپر والی زندگی ہے یہ پیسوں سے حاصل نہیں کی ہے بلکہ صرف اعمال سے

حاصل کی ہے ان کے پاس سرمایہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کھانے پینے کا حال میں نے پہلے بیان کر دیا۔ اور آخری بات وہ بھی ذکر کر دوں کہ حضور ﷺ کا جس رات انتقال ہوا ہے اماں جان یہ کہتی ہیں کہ گھر میں چراغ جلانے کے لئے تیل نہیں تھا میں پڑسیوں کے گھر سے قرض مانگ کر لائی تھی۔ بے سروسامان ہے تمہاری دنیا کی کوئی چیز وہاں نہیں تھی اور ایسا شاندار شہر، ایسی پاکیزہ زندگی والا شہر، ایسی محبت کی زندگی والا شہر، ایسا محفوظ ترین شہر، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی مددیں اور نصرتیں نازل ہونے والا شہر، ہم ایک مرتبہ سنتالیس، اڑتالیس میں مدینہ میں تھے تو ایک جگہ بحث چلی کہ مدینہ افضل ہے یا مکہ افضل ہے؟ تو ان میں ایک نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب ہجرت کا حکم مل گیا اور حضور ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے لگے۔ آخری طوافِ وداع کر کے ہجرت کرنے کے لئے جب نکل رہے تھے تو اس وقت حضور کی ایک دعا ثابت ہے ''کہ اے اللہ جو مجھے اس کائنات میں سب سے زیادہ محبوب شہر ہے وہ مکہ ہے، میں اس شہر کو تیرے لئے قربان کر رہا ہوں، تو مجھے وہ جگہ عطا فرما دے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ تو میں نے کہا کہ فیصلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب مکہ مکرمہ ہے اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو سب سے زیادہ محبوب شہر مدینہ ہے۔ اس محبوب ترین گھر کی طرف جانے کی کوشش کرو۔ اور اللہ کا شکر ہے جس طرف یہ جاتے تھے فتح انہی کی ہوتی تھی۔ تعداد کے اعتبار سے ہر جگہ یہ کم تھے اور فتح کے اعتبار سے ہر جگہ یہی آگے تھے۔ ان کے پاس سرمایہ اور کوئی نہیں ہے، نہ ان کے پاس اسلحہ ہے نہ ان کے پاس سونا ہے، نہ ان کے پاس چاندی ہے، نہ ان کے پاس خزانے ہیں، نہ ان کے پاس ملک ہیں، نہ ان کے پاس فوجیں ہیں، تمہاری کائنات کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے۔ ہاں ایک سامان ان کے پاس موجود ہے جو اصلی سامان ہے اور بہترین سامان ہے وہ یہ کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ جو کچھ قرآن

مجید میں موجود ہے وہ سارے کا سارا قرآن اس کے اندر موجود ہے۔ اس کے تمام عقائد بھی اندر موجود ہیں، اور اس کے تمام اعمال بھی اندر موجود ہیں، ان کی تمام عبادات بھی اندر موجود ہیں، ان کی تمام معاشرت بھی اندر موجود ہے۔ تمام اعمال مکمل طور پر ہر ہر مرد میں موجود ہیں اور ہر ہر عورت میں موجود ہیں۔ اس بناء پر عرض کر رہا ہوں کہ زندگی ان اعمال سے بنے گی، جن اعمال کا ذکر کیا ہے۔ اسی راستے کو اختیار کرنا ہے، اسی کو وجود میں لانا ہے، اسی کا سامنے رکھتے ہوئے محنتیں بھی کرنی ہیں، اور اسی کے لئے دعائیں بھی کرنی ہیں۔ بہت بڑا موقع ہے اللہ جل جلالہ نے اتنے بہت بڑے مجمع سے نوازا ہے، اتنی بڑی آمد ہوگئی ہے۔ اب اس سے آگے تشکیلیں کر لینا اور اس پر ڈالنا کہ حضور کے سارے اعمال کو عبادات سے لے کر معاشرت تک اپنانا اور دوسروں تک پہنچانا سب کی ذمہ داری ہے۔ پورے دین پر چلنا یہ پہلی ذمہ داری ہے اور پورے دین کو لے کر چلنا اور پھیلانا پورے عالم یہ ہماری دوسری ذمہ داری ہے۔ ان دونوں قسم کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے بھرپور طریقے سے تشکیلیں کرنا، زیادہ وقت گزر چکا ہے تھوڑا وقت باقی ہے۔ یہ تشکیل بھی جاندار طریقے سے ہونی چاہیے اور خاص طور سے چونکہ یہ تشکیل علماء کی ہے، اور ماشاءاللہ یہ سخی لوگ ہیں انہوں نے پہلے ہی سے قال اللہ وقال الرسول میں زندگیاں صرف کی ہوئی ہیں۔ ماشاءاللہ حوصلہ اور ہمت سے فرمائیں کون کتنے وقت کے لئے تیار ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ آمِيْن ـ

مستورات میں بیان، دعا اور تشکیل

خطبہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍعَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ ' اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَلُّ بِھَا الْعُقَدُ وَتُفَرَّجُ بِھَا الْکُرَبُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَکَ رِضَاءً وَّ لِحَقِّہٖ اَدَاءً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَسِیْلَۃً وَّ لِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ کَفِیْلًا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَ کَمَالِہٖ۔

وَ بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ إِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ☆

ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر نہ حاکم، نہ محکوم، نہ مالدار، نہ غریب کوئی طبقہ بھی نہ دنیا میں کامیاب ہوسکتا ہے نہ آخرت میں۔اور جس آدمی کے پاس ایمان اور اعمالِ صالحہ ہوں اور اسپر یقین یہ ہو کہ ایک مرتبہ نہیں کروڑ مرتبہ وہ قسم کھا کے کہہ سکے کہ جس کے پاس ایمان اور اعمالِ صالحہ ہوں گے وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔کائنات کی کوئی چیز بھی اس کے پاس نہ ہو کھانے کو روٹی بھی نہ ہو، پینے کو پانی بھی نہ ہو، رہنے کو مکان بھی نہ ہو، بچھانے کو بستر نہ ہو، پہنے کو کپڑے نہ ہوں، کوئی چیز بھی نہیں ہے اس کے پاس۔لیکن اگر اس کے پاس ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں تو اللہ کی قسم اس دنیا میں بھی کامیاب زندگی گزارے گا اور آخرت میں بھی کامیاب زندگی گزرے گی۔اس لئے کہ کامیابی کا اصل تعلق آدمی کے دل کے ساتھ ہے۔اور اس کو میں پھر تذکرہ کرر ہا ہوں اور اسکے بار بار تذکرہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ بات دل میں بیٹھے۔یہ بدقسمتی ہے کہ قرآن جس بات کو ایک مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ کہتا ہے۔اسی پر مسلمان کا ایمان اور یقین باقی نہیں رہا۔ایمان اور اعمالِ صالحہ سے زندگی کیسے بنے گی۔قرآن یہ کہتا ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ ہی سے زندگی بنے گی اور باقی چیزوں سے زندگی نہیں بنے گی۔اور ہمارا ایمان بدقسمتی سے یہ بنا ہوا ہے دل کا یقین ہے مالوں سے زندگی بنے گی، مکانوں سے زندگی بنے گی، زمینوں سے زندگی بنے گی، باہر کی چیزوں سے سونا مل جائے گا تو زندگی بن جائے گی، ہیرے مل جائیں تو اس سے زندگی بن جائے گی، باہر کی چیزوں سے زندگی بننے کا ہمارے اندر یقین موجود ہے۔ایمان اور اعمالِ صالحہ سے زندگی نہ بننے کا یقین ہے اور یہ بنیادی چیز یہی ہے جب تک ایمان اور اعمال صالحہ کا یقین نہیں آئے گا اس وقت تک ہماری واقعی زندگی نہیں بنے گی۔اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے زندگی نہیں بنتی

بلکہ اس بناء پر نہیں بنے گی کہ جس آدمی کا یہ یقین نہیں ہوتا کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے زندگی بنتی ہے اس کے ایمان کا اعتبار ہی نہیں ہے اللہ جل جلالہ کے ہاں۔ جس ایمان کو اللہ جل جلالہ نہیں مانتے اس کے اعمالِ صالحہ کی اللہ جل جلالہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں ہے اعمالِ صالحہ ہے ہی نہیں جن کا اسے یقین نہیں ہے۔ بقول مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ اگر تمہارا یہ یقین ہے کہ نماز سے روٹی نہیں مل سکتی تو میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری نماز سے تم جہنم سے بھی نہیں بچ سکتے یہ نماز تمہیں جہنم سے نہیں بچائے گی۔ جس آدمی کو نماز پر اتنا بھی یقین نہیں ہے کہ اس سے دو روٹی مل جائے، یہ نماز اللہ جل جلالہ کے ہاں قبول بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ نماز کا ایمان اندر نہیں ہے۔ نماز پر جب ایمان نہیں ہے، وہ نماز آدمی کے نہ یہاں کام آئے گی نہ وہاں کام آئے گی۔ اس نماز سے نہ روٹی ملے گی نہ جہنم سے بچ سکے گا۔ جس روزے پر اسے یقین نہیں ہے وہ یقین جو قرآن بتاتا ہے "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" اس سے تقویٰ پیدا ہوگا، دنیا آخرت کی کامیابیاں ملے گی۔ اگر ایمان نہیں چاہے سارا سال روزے رکھتا رہے کچھ نہیں ملے گا۔ یہی صورت حج کی ہے، یہی صورت زکوٰۃ کی ہے، یہی صورت اخلاق کی ہے۔ اس بناء پر سب سے پہلے یہ یقین دل کے اندر بٹھانا ہے اپنے دل کو درست کرنا ہے۔ اس وقت دنیا میں اول تو یہ ہے کہ دین کو سیکھا ہی نہیں جاتا دین کو سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہر چیز کو سیکھنے کی ضرورت ہے عورتیں بھی بہت سی چیزیں سیکھتی ہیں۔ وہ سلائی، دھلائی سے لے کر پکانے تک اور ہر قسم کے کھانے تک اس کا تو سیکھنے کا دستور ہے اسی طرح سے اور چیزوں کے تو سیکھنے کا دستور ہے اور اتنا سیکھا جا رہا ہے کالج ہیں یونیورسٹیاں ہیں کارخانے ہیں عجیب عجیب قضیے ہیں۔ دنیا میں اتنا کبھی نہیں سیکھا گیا جتنا اس وقت میں سیکھا جا رہا ہے۔ ڈاکٹری ہے، انجینئرنگ ہے، ساری چیزوں کا استعمال سیکھا جا رہا

ہے۔نہیں سیکھا جا رہا ہے تو دین سیکھنے کے لئے وقت نہیں ہے۔اور پھر کوئی اگر دین سیکھنے کے لئے وقت لگا تا ہے تو سیکھانے والا بھی اور سیکھنے والا بھی عمل سکھا تا ہے ایمان نہیں سکھا تا۔اور جب تک ایمان نہیں سکھائے گا ان اعمال کی کوئی قیمت اللہ ﷻ کے ہاں نہیں پہنچی گی جب تک ایمان نہیں آئے گا اس وقت تک اخلاص نہیں آئے گا۔اس لئے کہ اخلاص بقدر ایمان آتا ہے اور جب تک اخلاص نہیں آئے گا ان اعمال کے ساتھ آدمی کا لگاؤ نہیں پیدا ہوگا۔اخلاص کے بغیر جو عمل ہوتے ہیں وہ آدمی کے لئے بوجھ ہوتے ہیں۔وہ سکون پیدا نہیں کرتے ہیں، وہ قوت پیدا نہیں کرتے ہیں، وہ آدمی کو آگے نہیں بڑھاتے۔ بلکہ وہ بوجھ ہیں جیسے آدمی مردار اٹھائے پھر رہا ہے۔اگر اخلاص کے بغیر نماز ہوگی تو وہ بھی مردار ہوگی۔زکوٰۃ ہے وہ بھی مردار ہے، حج ہے وہ مردار ہے ایک مردار کے لئے کتنے مردار اٹھائے گا، وہ بوجھ بنتے چلے جائیں گے۔ جس وقت ایمان آجاتا ہے تو جتنے اعمال ہیں یہ آدمی کی قوت کا سامان بنتے ہیں۔ایک نماز دوسری نماز کا شوق پیدا کرتی ہے۔ ہر نماز اگلی نماز کا مزید شوق پیدا کرتی ہے، ہر عمل دوسرے عمل کا مزید شوق پیدا کرتا ہے۔اور ہر عمل کو آدمی ہر قیمت پر کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایمان آجائے گا ایمان نہیں آئے گا تو اخلاص بھی نہیں آئے گا۔اخلاص نہیں آئے گا تو اخلاق بھی کبھی نہیں آئیں گے۔آدمی کی کوئی قیمت پیدا نہیں ہوگی تو یہ سارے اعمال بگاڑ کا ذریعہ بنیں گے۔ بوجھ پڑا رہے گا اور آدمی کو جب کوئی دھکیل کر لے جائے گا تو کر لے گا اور جب چھوڑ دیں گے دھکیلنے والے تو یہ اپنی جگہ پر واپس آجائے گا۔اس بناء پر پہلا کام یہ ہے کہ لوگوں کو ایمان سیکھایا جائے احکام کی بات قرآن بھی وہی کرتا ہے ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ '' ایمان والو تم

پر روزہ فرض ہے احکام تو ہیں ہی ایمان والوں کے لئے۔ ابھی پہلے ایمان ہی نہیں ہے تو احکام کہاں سے آئیں گے احکام کا یہ مخاطب ہی نہیں بنتا۔ اس بناء پر یہ کہتے ہیں بلکہ صحابہ کہتے ہیں ''تَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ'' پہلے ہم نے ایمان سیکھا پھر ہم نے قرآن سیکھا اور حضور ﷺ نے جو اللہ ﷻ کی صحیح ترتیب پر تھے اللہ ﷻ نے بھی اور اللہ کے رسول ﷺ نے مکے کی پوری تیرہ سالہ زندگی میں صرف ایمان سکھایا اور اخلاص سکھایا ہے۔ اللہ ﷻ کی ذات پر یقین، اللہ ﷻ کی ہر ہر بات پر یقین، اللہ ﷻ کے انبیاء پر یقین، آخرت پر یقین، حساب پر یقین، جنت پر یقین، جہنم پر یقین اس کا نام ہے ایمان۔ اور اس کا دوسرا حصہ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان حضور ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان اس لئے کہ حضور ﷺ اور باقی انبیاء میں یہ فرق ہے کہ باقی انبیاء صرف نبی تھے اور حضور ﷺ صرف نبی نہیں بلکہ خاتم النبیین تھے۔ اسی بناء پر جو حضور ﷺ کو صرف نبی مانتا ہے وہ حضور ﷺ کو نبی نہیں مانتا اس کا ایمان پورا نہیں ہے۔ ایمان اس وقت میں آئے گا جب آدمی حضور ﷺ کو نبی بھی مانے اور خاتم النبیین بھی مانے۔ تب وہ ایمان والا کہلائے گا ورنہ وہ بے ایمان کہلائے گا۔ اور ساتھ ساتھ نبی کو نبی ماننے کا کیا مطلب ہے؟ نبی کو نبی ماننے کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں یعنی انبیاء کے امام ہیں اور پوری کائنات کے بھی امام ہیں۔ اور زندگی کے امام ہیں کسی ایک چیز کے امام نہیں ہمارے ہاں امامت صرف نماز کی باقی رہ گئی ہے اور کوئی امامت باقی نہیں رہی۔ اس بناء پر امام کا لفظ سنتے ہی سمجھتے ہیں کہ یہ نماز کے امام ہیں، حضور ﷺ نماز کے امام نہیں ہیں زندگی کے امام ہیں اور پوری زندگی کے۔ اس میں وضو سے لے کر بلکہ غسل سے لے کر اخیر غسل تک یعنی جو میت کو غسل دیا جاتا ہے اور کفن دینے تک یہ سارا کچھ جو زندگی میں ہوتا ہے اس سب میں حضور ﷺ کے قدم بقدم

پیچھے پیچھے چلنا پڑے گا۔ پہننے میں بھی، کھانے میں بھی، بولنے میں بھی ،نماز میں بھی ،ایمان میں بھی ،اخلاص میں بھی، حج میں بھی، زکوٰۃ میں بھی ساری زندگی آجائے دن بھی رات بھی ۔جس کی زندگی میل کھائے جائے گی حضور ﷺ کی زندگی کے ساتھ وہ حضور ﷺ کا ساتھی ہوگا میدانِ حشر میں ۔اور جس کی زندگی میل نہیں کھائے گی وہ حضور ﷺ کے ساتھ نہیں ہوگا۔اسی بناء پر حضور ﷺ نے بالکل کھلا اعلان کیا ہے کہ ''مَنْ تَرَكَ سُنَّتِیْ لَمْ یَنَلْ شَفَاعَتِیْ '' جو میرا راستہ چھوڑ دے گا سنت سے، کوئی ایک سنت مراد نہیں ہے کہ فلاں سنت ہے، سنت حضور ﷺ کے طریقے کو کہتے ہیں سنت حضور ﷺ کے طریقے پر زندگی گزارنے کا نام ہے۔ جو مرد، جو عورت، جو بچہ، جو جوان، جو حاکم، جو محکوم حضور ﷺ کا طریقہ زندگی چھوڑ دے گا وہ حضور ﷺ کی شفاعت نہیں پائے گا۔حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔اسی کا تعلق ہے جو میرے راستے پر ہے جو میرے راستے پر نہیں ہوگا میں اس کی سفارش نہیں کروں گا۔اور اسی بناء پر ایک مرتبہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں تشریف لے جا رہے تھے۔دائیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور بائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے یہ دائیں بائیں دونوں چل رہے تھے کہ حضور ﷺ کے دل میں کوئی خیال اٹھا اور دونوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا'' هٰكَذَا نُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ''ہم قیامت کے دن بھی یوں اٹھیں گے ابوبکر بھی ساتھ ہوگا اور عمر بھی ساتھ ہوگا۔اس طرح سے ہم برابر ساتھ اٹھیں گے۔ یہ اس لئے نہیں کہ سسر ہیں بلکہ حضور ﷺ کے ساتھ اس لئے ہیں ان کی زندگی میل کھاتی ہے ۔جیسی نماز حضور ﷺ کی ہے ویسی نماز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے۔اور اس بناء پر کہ یہ معیار بن گیا تھا ایک دفعہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد مسجد نبوی میں ایک آدمی آیا دیہات سے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے ان سے پوچھا كَیْفَ كَانَ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ؟حضور ﷺ کی نماز کیسے تھی

؟اب حضور ﷺ کی نماز کو اگر بیان کیا جائے تو آدمی کے لئے سمجھنا آسان نہیں ہے عام آدمی کو تو بالکل سمجھ نہیں آ سکتا اور آدمی دھوکے میں رہتا ہے کہ میں سمجھ گیا۔ یہ ہمارے پنجاب کا ایک مستقل قضیہ ہے، بلکہ ہمارے ملک کا، بلکہ ساری دنیا کا کہ جس کو کوئی بات سمجھاؤ بہت توجہ سے کہتا ہے ''مینوں پتہ اے میں جانڑداں'' اور وہ احمق کچھ نہیں جانتا ہے اور کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں۔ اس بناء پر دین نہیں سیکھا جا رہا۔ عمل کے بغیر نہیں سمجھ میں آتا، آدمی جب عمل دیکھتا ہے تب سمجھ میں آتا ہے۔ الفاظ سے عمل نہیں سمجھ میں آیا کرتے۔ اس بناء پر صحابی سارے ہی موجود تھے سب کو یاد ہے لیکن کسی نے تقریر نہیں کی بلکہ یہ کہا وہ دیکھو سامنے ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں جیسے وہ نماز پڑھ رہے ہیں ویسے حضور ﷺ کی نماز ہے۔ نماز میں حضور ﷺ کے ساتھی، روزے میں حضور ﷺ کے ساتھی، حج میں حضور ﷺ کے ساتھی، جیسے حضور ﷺ نے حج کروانے کے لئے بھیجا جیسا حضور ﷺ کا حج ہے ویسا ہی حج کرا کے آؤ۔ اور حضور ﷺ کے ساتھی ہیں کھانے میں، پینے میں، فاقے کرنے میں، دعوت دینے میں۔ جہاں حضور ﷺ نے نبوت ملتے ہی کام شروع کیا ہے دعوت کا اس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایمان لاتے ہی دعوت کا کام شروع کیا ہے۔ اس لئے کہ دعوت حضور ﷺ کا طریقہ ہے، کھانے میں، پینے میں، پہننے میں، مال کے خرچ کرنے میں، حضور ﷺ کا گھر بھی کئی دفعہ خالی ہوا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھر بھی کئی دفعہ خالی ہوا بلکہ پورا گھر خالی ہوا۔ فاقے ان کے گھر میں بھی تین تین دن، پانچ پانچ دن کے رہے۔ ان کے گھر میں بھی پانچ پانچ دن کے فاقے رہے۔ جس طرح حضور ﷺ میدان میں موجود ہیں یہ بھی میدان میں موجود ہیں۔ غرض یہ کہ زندگی میل کھا رہی ہے حضور ﷺ کی زندگی سے۔ اور یہی حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے اور اسی بناء پر وہ واقعہ جو معروف ہے کہ ایک دفعہ ساتھیوں نے یہ کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ

خلافت میں کہ بھئی ایسا کریں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی تنگ گزر رہی ہے کھانے، پینے، پہننے، میں اس لئے ان کا وظیفہ کچھ زیادہ کروایا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے، یہ بڑے بڑے سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے سب نے بالاتفاق کہا ٹھیک ہے ضرور کرنا چاہیے۔ تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کھانے، پینے، پہننے، رہنے، سہنے، میں ذرا سہولت کے ساتھ زندگی ہو جائے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہے گا کون؟ ان میں ہر ایک نے یہ کہا کہ ہم میں سے تو کوئی نہیں کہہ سکتا۔ صرف ایک صورت ہے کہ ہم سارے چلیں اور جا کر ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی منت کریں اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کی یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیویاں ہیں ان کی بات فوراً مان لیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا بہت احترام تھا اور اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کا بھی بہت احترام تھا اس لئے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا بیٹی تھیں نسب کے اعتبار سے اور ماں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کے اعتبار سے۔ کیوں کہ نبی کی بیوی ماں ہوتی ہے۔ اور بیٹی جب بیوہ ہو جائے تو اس سے تعلق اور بڑھ جاتا ہے۔ بیوہ ہو گئیں تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب کے نزدیک قابل احترام تھیں۔ سب صحابہ احترام کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی بناء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت تعلق تھا۔ یہ سارے کے سارے متفقہ طور پر چلے گئے ان دونوں کے پاس، مقدر سے ایک گھر میں وہ دونوں اکھٹی تھیں۔ ایک دوسرے کے گھر میں ملنے کے لئے جاتیں تھیں وہاں جا کر ان سے ذکر کیا کہ ہماری یہ رائے ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ بالکل ہماری بھی یہی رائے ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا کسی مناسب موقع پر یہ بات کرلو آپ کی بات چل جائے

گی۔اس پر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ میں ان شاءاللہ یہ بات کرلوں گی۔ چناچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی مناسب وقت میں گھر آئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے سمجھا کہ مناسب موقع ہے اور اس وقت میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بات کی، اور یہ کہا کہ ابا جان ساری زندگی آپ کی اس طرح سے گزری ہے اب بڑھاپا بھی آ گیا اور بیماری بھی آ گئی کھانے، پینے، پہننے، میں ذرا سہولت کے ساتھ رہنا چاہیے۔اس کے لئے رائے یہ ہے کہ کچھ رقم وظیفہ کی بیت المال سے بڑھا لی جائے۔بس یہ بات سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ بات میرے گھر کی نہیں ہے یہ کہیں باہر سے آئی ہے بتاؤ یہ بات کس نے کہی؟ اچھا ہوا کہ یہ بات پہلے ہی سے آپس میں طے ہوگئی تھی کہ ان سب حضرات نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا سے چلتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم سے یہ وعدہ کرو کہ جب تم بات کروگی تو بات کرتے ہی پوچھی جاؤ گی کہ یہ بات تمہیں کس نے کہی تو ہمارا نام نہیں بتاؤ گی۔اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے وعدہ کرلیا تھا کہ بہت اچھا۔تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ میں اس سے تو انکار نہیں کرسکتی کہ باہر سے آئی لیکن میں نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ میں ان کے نام نہیں بتاؤں گی۔وعدہ کی بناء پر میں مجبور ہوں میں نہیں بتا سکتی۔ وعدہ کرلیا ہے خلاف وعدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ خلافی منافق کی کھلی علامت ہے۔وہ آدمی واقعی منافق ہے جو وعدہ پورا نہیں کرتا۔تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ وعدہ خلافی کرو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بہت اچھا تم وعدہ کرچکی ہو۔لیکن اگر مجھے ان آدمیوں کے نام معلوم ہو جاتے تو میں مار مار کے ان کے چہرے بدل دیتا۔اور اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا کہ بیٹی تم تو حضور ﷺ کے گھر رہی ہو مجھے آج یہ بتاؤ کہ حضور ﷺ کا رہنا

سہنا کیسا تھا؟ انہوں نے حضور ﷺ کا رہنا سہنا (سیرت) کو بیان کرنا شروع کیا کہ کھانا یوں تھا، پہننا یوں تھا، یہ تھا، وہ تھا، سارا بیان کیا۔ وہ بیان کررہی تھیں اور، رو، رہی تھیں یہ سن رہے تھے یہ بھی رو، رہے تھے۔ اور آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹی یہ تو نے سب کچھ دیکھا ہے۔ وہ میرے دو ساتھی تھے ایک حضور ﷺ اور وہ چلے گئے ان کے گھر میں جو کچھ تو نے دیکھا ہے میرا دوسرا ساتھی تھا ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ بھی چلے گئے اور ان کو تم نے بالواسطہ دیکھا ہے گھر قریب تھے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا وہ اسی طرح زندگی گزار کے گئے ہیں جس طرح میں زندگی گزار رہا ہوں۔ اگر میں ان کے راستے سے ہٹ گیا، اور میں اس طرح کی زندگی نہیں گزاروں گا تو میں حشر میں ان کے ساتھ کھڑا نہیں ہوں گا۔ اس بناء پر میری مدد کرو اور مجھے راستے سے نہ ہٹاؤ اگر میں راستے سے ہٹ گیا تو مارا جاؤں گا۔ اس لئے مجھے ان کے راستے سے نہ ہٹاؤ۔ راستے سے مراد خدانخواستہ کوئی عقیدے کی بات نہیں تھی۔ بلکہ حضور ﷺ کا جو رہنے سہنے کا ڈھنگ تھا اس سے بھی ہٹنے کو راستہ فرمایا۔

تو عرض یہ کررہا تھا سب سے پہلی چیز حضور ﷺ پر ایمان لانا ہے کہ حضور ﷺ کو نبی بھی مانا جائے اور خاتم النبییّن بھی مانا جائے اور ساتھ ساتھ انہیں زندگی کا بھی امام مانا جائے، ایمان ہو کہ زندگی کے امام صرف وہی ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ ہماری زندگیوں کے امام یہودی بن گئے ہیں نصرانی بن گئے ہیں ہم ان کی اتباع کررہے ہیں۔ ہر چیز میں اور وہی ہمیں پسند آنے لگے ہیں اس بناء پر ان کی اقتداء چھوڑنی ہے اور اپنے نبی کی اتباع کرنی ہے۔ بس اسی کا نام تبلیغ ہے ان کی اقتداء چھوڑ کر نبی کی اقتداء کرنی ہے۔ اور نبی کی اقتداء یہ ہے جو سب سے پہلا کام ہے بس تکبیر کہو اور ان کے پیچھے

اتباع کرلو۔ جو کام انہوں نے سب سے پہلے کیا ہے وہ سب سے پہلے کرلو جیسے آدمی تکبیر کہہ کے قیام کرتا ہے۔

پہلا کام حضور ﷺ کا دعوت ہے تو دعوت کا کام کرو اس کا ماحول بنانے کی کوشش کرو۔ اپنے وقت اور اپنی محنت کا میدان گھر کو نہ بناؤ۔ ہماری محنت کا میدان گھر بن گیا ہے، ہماری محنت کا میدان بازار بن گیا ہے، ہماری محنت کا میدان دفتر بن گیا ہے۔ ہماری محنت کا میدان مسجدیں ہیں، مسجد میں جو آتا ہے اور سالہا سال آتا ہے وہ خالی ہاتھ جاتا ہے اس میں سارے محلے والے مجرم ہیں۔ مسجد پر محنت نہیں ہو رہی۔ مسجد کے ماحول میں محنت ہو کہ لوگ مسجد کی طرف آنے والے بن جائیں اللہ جل جلالہ کے گھر کی طرف رجوع کرنے والے بنیں، عبادت والے بنیں، اخلاص والے بنیں، اخلاق والے بنیں، اللہ جل جلالہ کی یاد کرنے والے بنیں۔ تب بنیں گے جب اپنی محنت چھوڑ کر حضور ﷺ والے طریقہ پر حضور ﷺ والی محنت کریں گے، جو حضور ﷺ والی محنت کو اپنا مقصدِ حیاۃ نہیں بنا رہا وہ حضور ﷺ کے طریقہ پر نہیں ہے۔ بالکل قرآن کا کھلم کھلا فیصلہ ہے ''قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ'' یہ میرا راستہ ہے میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں اور جو میرے متبع کہلاتے ہیں وہ بھی یہی کام کریں۔ سیدھی بات ہے کہ جو حضور ﷺ کا ساتھی بننا چاہے گا وہ حضور ﷺ کے راستے پر چلے۔ پہلی بات حضور ﷺ کی راہ پر آنے کی ہے۔ جو حضور ﷺ کا مقصد حیاۃ تھا اس کو اپنا مقصد حیاۃ بنائیں۔ یہ ہے ایمان، اس ایمان کو پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے حضور ﷺ نے محنت کی جب یہ بات اندر پیدا ہوگئی کہ واقعی انسانوں کا یقین اللہ جل جلالہ کی ذات پر اور اللہ جل جلالہ کی صفات پر آ گیا۔ باتیں کرنے کا نام یا صرف کلمہ پڑھنے کا نام ایمان نہیں ہے، جہاں تک کلمہ پڑھنا اور ذکر کرنا اور تسبیح پھیرنے کا تعلق ہے تو تسبیح

کافر بھی پھیر لیتا ہے تسبیح پھیرنے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے تسبیح پھیرنے والے کافر کو۔ میں ایک دفعہ دلی گیا ویسے تو یہاں بھی دیکھے تھے تقسیم سے پہلے۔ لیکن میں تقسیم کے بعد ایک دفعہ حکیم صاحب مرحوم سے دوا لینے دلی شہر گیا۔ میں دوا لے کر واپس فٹ پاتھ پر جارہا تھا جہاں سے گاڑی ملنی تھی واپسی کے لئے تو ایک آدمی اٹھ کے بھاگا میری طرف ملنے کے لئے میں بھی ملنے کے لئے کھڑا ہو گیا دیکھا تو وہ ایک ہندو تھا میں نے کہا کیا حال ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اسی علاقے کا ہے دیکھ کے شکل و صورت سے مناسبت ہوتی ہے اسی واسطے اتر آیا۔ میں نے کہا کہ تقسیم سے پہلے کہاں تھے تو وہ کہنے لگا کہ ہم بنوں میں تھے بنوں اور میانوالی چونکہ قریب ہیں۔ لباس بھی کچھ ڈھیلا ڈھالا سا اور شکل بھی کچھ ڈھیلی ڈھالی سی تھی۔ کہنے لگا بنوں سے ہوں میں نے کہا کہ میں میانوالی کا رہنے والا ہوں اسی لئے میں نے اندازہ کیا کہ بنوں یا عیسیٰ خیل کے ہیں یا میانوالی کے ہیں۔ تو میں نے کہا خیر خیریت ہے، ٹھیک ٹھاک ہو، گھر ور مل گیا۔ کہنے لگا جی مل گیا، دوکان بھی مل گئی، سب کچھ مل گیا بالکل خیریت سے ہوں۔ مجھے کہنے لگا ذرا دوکان پر چلئے چلو میں نے کہا کہ میں دوکان پر تو نہیں جاتا مجھے جلدی جانا ہے اور جہاں پر پہنچنا ہے وہاں سے دیر ہو گئی ہے۔ پھر وہ میرے ساتھ چل پڑا، میرے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا کہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ضرور کہو، کہنے لگا کہ مجھے کچھ پڑھنے کو بتا دیں۔ تو میں نے کہا کہ تو پہلے بھی کچھ پڑھا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ جی پہلے بھی پڑھتا ہوں۔ میں نے کہا کیا پڑھا کرتا ہے؟ کہنے لگا کہ جی لا الہ الا اللہ پڑھتا ہوں۔ میں نے کہا کتنی دفعہ پڑھتا ہے؟ کہنے لگا کہ جی پانچ ہزار مرتبہ۔ میں نے دل دل میں سوچا کہ جس سے پوچھ رہا ہے وہ بھی پانچ ہزار دفعہ

نہیں پڑھتا۔ کہنے لگا کہ پانچ ہزار دفعہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہوں۔ میں نے کہا یہ تو کیوں پڑھتا ہے، کس نے بتا دیا ہے، کس لئے پڑھتا ہے؟ تو اس نے کہا میں جب یہاں آیا ہندوستان میں تو نہ کوئی جگہ تھی، نہ کوئی دوکان تھی، فاقے پڑتے تھے، بیوی بچے تنگ تھے، بہت مشکلات تھیں، پھر مجھے ایک آدمی مل گیا میں نے اس سے کہا کہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیں۔ اس نے لا الہ الا اللہ بتا دیا میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر مجھے یہ زمین بھی مل گئی اور خدا کا شکر ہے مکان بھی بن گیا۔ دوکان بھی بن گئی۔ تو آپ مجھے اور کچھ بھی بتا دیں تا کہ مال اور بھی بڑھ جائے۔ تو مال بڑھانے کے لئے ہندو بھی لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے اس کا نام ایمان نہیں ہے۔ بلکہ ایمان دل کے یقین کا نام ہے اللہ ﷻ کی ذات پر اور اللہ ﷻ کی صفات پر۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کیونکہ ایمان ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جب تک ایمان اندر پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک ایمان ایمان نہیں کہلائے گا۔ نہ اس ایمان کے آثار ظاہر ہوں گے، نہ اس ایمان کے نتیجے میں اعمال صالحہ آئیں گے، نہ ذوق وشوق پیدا ہوگا اعمالِ صالحہ کا، نہ اعمالِ صالحہ اور ایمان کے لئے انسان قربانی کر سکے گا، نہ اللہ ﷻ کے پاس جانے کا کوئی شوق پیدا ہوگا اور نہ اللہ ﷻ کے لیے اعمال کرتے وقت کوئی سکون حاصل ہوگا۔ تو وہ یہ ہے اس ایمان کی حقیقت جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا لوگوں نے پوچھا تھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ ﷻ کی ذات پر اس طرح ایمان لانا کہ میرے اور اللہ ﷻ کے درمیان جتنے پردے ہیں یہ ہٹ جائیں اور اپنی آنکھوں سے اللہ ﷻ کو دیکھ لوں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا جتنا دیکھے بغیر ہے اتنا ہی دیکھنے کے بعد ہوگا۔ اس کو کہتے ہیں ایمان۔ اور انہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے موقع پر اپنی خلافت کے زمانے میں باہر کہیں نکلے گھر

سے تو سامنے دیکھا کہ کچھ آدمی پھر رہے ہیں ان کو آواز دی اور بلایا وہ آ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بھئی تم اس وقت آدھی رات کو کیوں پھر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت ہم پہرے پر ہیں! انہوں نے کہا کہ اچھا پہرے پر ہو؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں پہرے پر ہیں! پوچھا کیا پہرہ دے رہے ہو؟ آپ کے لئے آپ کی انتظامیہ نے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ جو تھے تو کوئی خطرہ محسوس کیا ہوگا۔ کہا کہ آپ کی انتظامیہ نے ہمیں پہرے پر لگایا ہے آپ کا پہرہ دے رہیں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمانے لگے یہ بتاؤ جو پہرہ دے رہے ہو نیچے والے سے پہرہ دے رہے ہو یا اوپر والے سے پہرہ دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا حضرت اوپر والے سے پہرہ کون دے سکتا ہے نیچے والوں سے پہرہ دے رہے ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ جا کر سو جاؤ۔ اس لئے کہ جب تک اوپر کوئی فیصلہ نہیں ہوتا نیچے کچھ نہیں ہوتا یہ اللہ جل جلالہ کی صفات پر یقین ہے۔ اور جب اوپر کوئی فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر نیچے نہیں رکتا۔ تو پھر کیوں خواہ مخواہ اپنا آرام ضائع کر رہے ہو۔ یہ ہے اللہ جل جلالہ کی صفات پر یقین کہ اللہ جل جلالہ ہی قادر ہے اور وہی سب کچھ کرتا ہے۔ لا الہ الا اللہ کا یہی مطلب ہے اور یہی ایمان ہے کہ اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی سے کچھ نہیں ہوتا اور جب اللہ جل جلالہ کچھ کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا جب اللہ جل جلالہ دینے پہ آئیں تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ جل جلالہ نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔ چیونٹی سے لے کر جبرئیل امین تک نہ کوئی کچھ دے سکتا ہے نہ کوئی بگاڑ سکتا ہے۔ نہ کوئی لے سکتا ہے نہ کوئی دے سکتا ہے جب تک یہ یقین اللہ جل جلالہ پر نہیں آتا اللہ جل جلالہ کی ذات پر ایمان نہیں کہلا سکتا۔ تو اللہ جل جلالہ کی ذات پر بھی ایمان ہو اور اللہ جل جلالہ کی صفات پر بھی یقین ہو کہ اللہ بصیر ہے، علیم ہے، دیکھتا ہے، ہر حال میں ہے، سامنے ہے۔ اگر اللہ جل جلالہ کی صفات پر یقین

نہیں ہے تو پھر عبادت کیسے ہوگی حضور ﷺ نے فرمایا'' أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَهُوَ يَرَاكَ '' عبادت کرو اللہ ﷻ کی کہ تو اللہ ﷻ کو دیکھ رہا ہے عبادت سب چیزیں ہیں، نماز بھی ، روزہ بھی ، زکوٰۃ بھی، حج بھی سب عبادتیں ہیں۔ حضور ﷺ نے تو یہ کہا ہے تم عبادت کرو اس طرح جیسے تم اللہ ﷻ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر آدمی نماز میں ہے نہیں دیکھ رہا اللہ ﷻ کو، دیکھنے جیسا یقین اس کے اندر نہیں ہے تو وہ کس کی عبادت کرر ہا ہے اور کس سے باتیں کرر ہا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کس سے کہہ رہا ہے اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کس سے کہہ رہا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کس سے باتیں کر رہا ہے وہ تو غائب ہے کوئی سامنے ہے ہی نہیں اس کے۔ اس بناء پر نماز بھی اس وقت صحیح ہوگی جب یقین صحیح ہوگا۔ آدمی کا حال ایسا ہو کہ میں اللہ ﷻ کو دیکھ رہا ہوں۔ اور حضور ﷺ نے دوسرا درجہ بھی بتا دیا ہے آسانی کے لئے'' فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَهُوَ يَرَاكَ '' اگر تو نہیں دیکھ رہا اللہ ﷻ کو، تو کم از کم یہ یقین تو تیرے دل میں اتر جائے کہ تیرا اللہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ ﷻ بصیر ہے ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ اللہ ﷻ کی اس صفت کا ذکر آیا ہے قرآن مجید میں، اللہ بصیر ہے ، دیکھنے والا ہے، علیم بذات الصدور ہے، جاننے والا ہے، خالق ہے، مالک ہے، قادر ہے، قدیر ہے، سمیع ہے یہ ساری اللہ ﷻ کی صفات ہیں اور ننانوے صفات ہیں۔ اسی بناء پر جب اچھا زمانہ تھا ابتداء میں امت مسلمہ کا تو سب سے پہلے بچوں کو اللہ ﷻ کے یہ صفاتی نام یاد کروائے جاتے تھے۔ اور صفاتی نام صرف رٹائے نہیں جاتے تھے طوطے کی طرح ، یہ ان کے دل میں بٹھائے جاتے تھے، ان کے دماغ میں بٹھائے جاتے تھے۔ کہ اللہ ﷻ قادر ہے، اللہ ﷻ قدیر ہے، سمیع ہے، بصیر ہے۔ اور بچے کو بلی ، کتے سے نہیں ڈرایا جاتا تھا اللہ ﷻ سے ڈرایا جاتا تھا۔ کہ دیکھو یہ مت کرو یہ غلط کام ہے اللہ ﷻ دیکھ رہا ہے، اللہ ﷻ ناراض

ہو جائیں گے، اللہ ﷻ ماریں گے اللہ ﷻ کا خوف اس کے دل میں پیدا کرتے تھے۔ جب کوئی چیز مانگتا تھا بچہ تو مائیں کہتیں میں تو نہیں دے سکتی وہ اللہ ﷻ کے چاہنے سے ملے گی، اللہ ﷻ سے مانگو۔ سیدھی بات ہے کہ بچہ اللہ ﷻ سے مانگتا اور پھر ماں دیتی۔ یہ دھوکہ نہیں ہے ماں نہیں دیتی ماں دینے والی کہاں سے ہوتی ہے وہ تو خود مانگنے والی ہے۔ ماں دینے والی نہیں ہے اور باپ بھی دینے والا نہیں ہے وہ اللہ ﷻ دیتے ہیں۔ جو بھی چیز جہاں سے ملتی ہے وہ وہاں سے نہیں ملتی وہ اللہ ﷻ کے چاہنے سے ملتی ہے پیچھے سے آ رہی ہے۔ جیسے ٹوٹی میں سے پانی، پیتل سے نہیں نکلتا نہ نالی میں اور نہ ہی کنویں میں سے، وہ تو زمین سے نکل رہا ہے۔ یہ سارے درمیان میں واسطہ ہیں ماں بھی درمیان میں واسطہ ہے، باپ بھی واسطہ ہے جیسے پیدا کرنے والی ماں نہیں ہے پیدا کرنے والا اللہ ﷻ ہے پیدا ہونے کا واسطہ ہے ماں اور باپ۔ اسی طرح بچے کے پاس ہر چیز آنے کا واسطہ ہے ماں اور باپ۔ لیکن اگر بچہ ماں سے مانگے باپ سے مانگے اور وہ اس کا رخ خالق کی طرف کر دے تو ایمان سیکھنے لگ جائے گا اور یہی وقت ہوتا ہے بچے کے ایمان سیکھنے کا بچوں کو یہیں پر ایمان سیکھانا چاہیے۔ سب سے پہلا کام ماں کا یہی ہے، سب سے پہلا کام بہنوں کا بھی یہی ہے، پہلا کام ہر ایک کا یہی ہے کہ بچے کو ایمان سیکھاؤ۔ اور جس وقت بھی یہ مدرسے جائے تو مدرسے کا کام بھی یہی ہے کہ سب سے پہلے اسے ایمان سکھائے۔ اب بد قسمتی سے نہ گھر ایمان سیکھاتا ہے اور نہ مدرسہ ایمان سیکھاتا ہے۔ نہ مسجد ایمان سیکھاتی ہے۔ ایمان کا کوئی ذکر کہیں باقی نہیں رہا۔ اس کے نتیجے میں پھُسپھسے سے اعمال ہیں، بیکار قسم کے اعمال ہیں۔ بقول حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے کہ اعمال کے لاشے پڑے ہوئے ہیں۔ بدبو پھیلا رہیں ہیں ایک دفعہ مسجد سے نکل رہے تھے تو

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ مفتی صاحب اخلاص کے بغیر اعمال کا یہ حال ہے کہ مسجد میں بھی سڑان پیدا ہو رہی ہے۔ مسجد کے اعمال مردار کی طرح ہیں مردار جہاں پڑھا ہوگا وہاں سڑان ہی پیدا ہوگی، بدبو ہی پیدا ہوگی۔ کہ یہ اعمال جو ہیں اخلاص کے بغیر ہیں، ایمان کے بغیر ہیں یہ سڑان ہی پیدا کرتے ہیں ان سے خیر پیدا نہیں ہوتی بلکہ اور شر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس بناء پر گھر کے اندر بھی ایمان سکھایا جائے اور دعوت کی مجلسوں کے اندر بھی ایمان سکھایا جائے۔ سب سے پہلے ایمان کی دعوت دی جائے، ایمان کو خوب اس پر پرکھا جائے گا، جب ایمان آ جائے گا، تو آدمی اعمال خود سیکھ لے گا۔ اعمال کو سیکھنے کے لئے یا علم کو سیکھنے کے لئے اور ان کا عمل سیکھنے کے لئے جب ایمان آ جائے گا تو بہت آسان ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی مشکل پیش آئے گی تو وہ مشکل معلوم نہیں ہوگی۔ ایک آدمی ایمان والا صرف ایک حدیث سننے کے لئے مدینے سے چل کر دمشق چلا جاتا تھا۔ اور حدیث اس کو یاد تھی یہ نہیں کہ سنی نہ تھی گویا حدیث وہاں موجود تھی یہ بھی کوئی نئی چیز نہ ہوتی وہ وہاں چلا جاتا۔ یہ معروف اس زمانے کی بات تھی کہ علم کے لئے آدمی فلاں جگہ چلا جائے، اس صحابی کو وہ حدیث یاد ہے صرف حضور ﷺ سے چونکہ اس صحابی نے بلا واسطہ سنی تھی اس صحابی سے سننے کے شوق میں وہاں چلے گئے۔ ایک لمبا راستہ طے کر کے جا رہا تھا اس لئے کہ اندر ایمان موجود تھا۔ جب ایمان اندر موجود نہ ہو تو کوئی گھر میں بھی آ کر سنائے تو آدمی نہیں سنتا، گھر میں آ کر کوئی سکھائے تو آدمی توجہ سے نہیں سنتا اور یہ اس وقت میں ہو رہا ہے۔

اس بناء پر سب سے پہلا کام کرنے کا یہ ہے کہ زیادہ وقت لگے ایمان کی دعوت میں۔ دعوت جو دی جاتی ہے وہ ایمان ہی کی دی جاتی ہے۔ ایمان کی دعوت دی

جائے اسی بات کو، لا الہ الا اللہ کو، آخرت کو، جنت کو، جہنم کو اس کی دعوت دی جائے۔ ایمان سیکھا کیسے جائے گا اسی دعوت سے سیکھا جائے گا۔ دعوت کے بغیر ایمان نہیں سیکھا جائے گا۔ تو آدمی کو دھوکہ رہتا ہے کہ میں ایمان والا ہو گیا ہوں جتنا دعوت دے گا کہ اللہ جل جلالہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، اللہ جل جلالہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اور جتنا اس کو تفصیل سے اچھے انداز سے کہہ سکتا ہے اس کو کہے۔ جتنا دل سے اس کو زیادہ سے زیادہ کہو گے دل میں اترے گی بات۔ وہی لا الہ الا اللہ دل میں بیٹھے گا۔ جتنا زبان سے زیادہ سے زیادہ کہو گے زبان کا اثر پڑتا ہے دل پر۔ زبان سے آدمی اگر کوئی اچھی بات کہتا ہے تو دل پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اگر زبان سے کوئی گالی دے تو گالی کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ تو خود دعوت دینے والے کے دل میں یقین پیدا ہوگا۔ جو دعوت کو سنیں گے ان کے دل میں بھی اثر پیدا ہوا گا۔ جس وقت میں سننے والا کوئی نہیں تو زبان سے دعوت دینے کا وقت نہیں رہا تو الگ بیٹھ کر لا الہ الا اللہ کو سوچو، اللہ جل جلالہ کی صفات کو سوچو، جنت کو سوچو، حساب کو سوچو، قبر کو سوچو دماغ سے جتنا اس دعوت کو سوچو گے اتنا ہی دل کے اندر یقین قوی ہوگا۔ یقین جاندار سے جاندار ہوتا چلا جائے گا، یقین قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے گا۔ اور جتنا اس دعوت کو کانوں سے سنوں گے کانوں کے راستے سے بھی ایمان اندر جاتا ہے، کان سے آدمی کوئی بات سنتا ہے تو دل متاثر ہوتا ہے، گالی سنتا ہے تو اور طرح کا اثر ہوتا ہے اور خوشی کی بات سنتا ہے تو اور طرح کا اثر ہوتا ہے۔ اگر ایمان کی بات سنے گا تو ایمان اندر جائے گا جتنا زبان سے کہو گے ایمان اندر جائے گا، جتنا کانوں سے سنو گے اتنا ایمان اندر جائے گا۔ جتنا دماغ سے سوچو گے ایمان اندر جائے گا۔ اور اسی نگاہ سے ہر چیز کو دیکھنا چاہیے۔ ایمان کی نگاہ سے۔ جو چیز بھی دیکھو اس سے نہیں ہوتا اللہ جل جلالہ سے ہوتا ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے

جب بازار جاؤ تو پہلی نگاہ پڑتے ہی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ پڑھو کہ اللہ ﷻ کے علاوہ کہیں سے کچھ نہیں ہوتا نہ ان دکانوں سے کچھ ہوتا ہے، نہ ان اڈوں سے کچھ ہوتا ہے، نہ ان سرمایوں سے کچھ ہوتا ہے، جو اس بازار کے اندر چل رہے ہیں اور نہ اس بازار میں بیٹھنے والوں کی صلاحیتوں سے کچھ ہوتا ہے صرف اکیلے اللہ ﷻ سے ہوتا ہے۔ جہاں کہیں سے نہیں ہوتا وہاں اللہ ﷻ سے ہوتا اگر مگر کچھ نہیں ''وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ '' کوئی شریک نہیں ہے اس کے کرنے میں کسی سطح پر بھی نہ آدمی شریک ہے، نہ مکان شریک ہیں، نہ دکانیں شریک ہیں جو کچھ کرتا ہے اللہ ﷻ ان کے بغیر کرتا ہے ان کا اس میں کسی طرح کا دخل نہیں ہے ''وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ '' اور اس کا اتنا ثواب لکھا ہے یہ کہ بے یقینی کے ماحول میں اس نے یقین کی بات کہی ہے اس بناء پر اس کا بہت اجر ہے بہت لمبا چوڑا اجر آتا ہے اس کا حدیث میں۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ ہر جگہ اسی نگاہ سے ہر چیز کو دیکھو اس سے نہیں ہوگا اللہ ﷻ سے ہوگا، حاکم سے نہیں ہوگا اللہ ﷻ سے ہوگا، اس مال سے نہیں ہوگا اللہ ﷻ سے ہوگا جب اس طرح کی نگاہ سے دیکھو گے تو آنکھوں سے بھی اندر ایمان جائے گا یہ چار راستے ہیں دل تک کسی چیز کے پہنچنے کے۔ آدمی آنکھ سے کوئی اچھی چیز دیکھتا ہے تو دل متاثر ہوتا ہے۔ خوفناک چیز ہوتی ہے تو خوف پیدا ہوتا ہے۔ زبان بھی راستہ ہے دل کا اور دماغ بھی راستہ ہے دل کا۔ یہ چار راستے ہیں زبان، کان، آنکھ اور دماغ یہ چار راستے ہیں اگر ان چار راستوں سے ایمان ہی ایمان اندر جائے گا اعمالِ صالحہ کے تذکرے ہوں تو اعمالِ صالحہ پر یقین آ جائے گا اور اللہ کی ﷻ ذات پر ایمان آ جائے گا اور اللہ ﷻ کی کتابوں پر ایمان آ جائے گا اور جب دل کا یہ یقین بن جائے گا کہ زندگی اللہ ﷻ کے ہاتھ میں ہے، اللہ بناتا ہے ایمان اور اعمالِ صالحہ سبب ہیں زندگی

بننے کا۔اور پھر اعمالِ صالحہ کے لئے اور ایمان کے لئے اور ایمان کو سیکھنے کے لئے اور اعمالِ صالحہ کو سیکھنے کے لئے جب دل کا یقین بن جائے گا تو یہ مارے مارے پھرنا اور گھر بھار چھوڑنا اور مال خرچ کرنا اور قربانیاں کرنا اور سردیاں جھیلنا اور گرمیاں سہنا اور گالیاں سننا سب کچھ آسان ہو جائے گا۔بدقسمتی سے ہمارا ابھی یہ حال ہو گیا سب کا یہی حال ہے غیر مسلم تو تھے مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو گیا۔جب دل کا یقین یہ ہے کہ پیسے سے زندگی بنے گی ساری دنیا میں دھکے کھاتے پھر رہیں ہیں۔کوئی ملک ایسا نہیں جہاں پنجابی نہ ملتا ہو کوئی ملک ایسا نہیں جہاں سندھی نہ ملتا ہو کوئی ملک ایسا نہیں جہاں عربی نہ ملتا ہو ساری دنیا میں دھکے کھا رہیں ہیں ۔ یہ حج کرنے گئے ہوئے ہیں پیسے کے لئے ، کیوں کہ یہ یقین ہے کہ پیسے سے زندگی بنے گی لہٰذا جہاں سے پیسا ملے وہاں سے لو جہاں خبر ملتی ہے کہ وہاں پیسا زیادہ ملتا ہے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔اور جانے کے لئے ایک پیسہ نہیں ہوتا بیس بیس ہزار،تیس تیس ہزار، پچاس پچاس ہزار، ایک ایک لاکھ،دو دو لاکھ قرضہ لیتے ہیں۔پھر وہاں اتنی رسوائیاں کبھی اس دروازے پر کبھی اس دروازے پر،کبھی وہ جیل میں ڈال دیتے ہیں،ماریں کھاتے پھر رہے ہیں، بھوکے پھر رہے ہیں،گلیوں میں پڑے ہوئے ہیں، بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے لیکن چونکہ پیسہ ملنے کی امید ہے اس لئے مارے مارے پھر رہیں ہیں۔سب کچھ آسان ہوتا ہے اس چیز کے لئے جس سے زندگی بنتی آدمی کو سمجھ میں آجائے کیونکہ دل کا یقین یہ ہے کہ پیسے سے زندگی بنتی ہے اس پیسے کے لئے سب کچھ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔اور وہ مشہور ہے کہ پیسے کے لئے آدمی کو باپ بھی بنایا جا سکتا ہے۔دوسرے کو باپ کہنا بھی آسان ہے۔سب کچھ کرتے ہیں۔ایک دفعہ میں ملتان جامع مسجد کے مدرسہ میں تھا میں نے فضائلِ قرآن بیان کرتے ہوئے کچھ واقعات بیان کر دیئے۔رمضان آ رہا

تھا کہ لوگ اس طرح قرآن پاک پڑھتے تھے، پوری پوری رات قرآن پڑھتے ہوئے گزار دینا اس کے کئی واقعات سنا دیئے۔ جب جمعہ سے فارغ ہوا۔ ایک صاحب تھے ہمارے پڑھے لکھے وہ آ کر بیٹھے اور کہنے لگے مفتی صاحب جو واقعات آپ نے بیان کئے ہیں ٹھیک ہوں گے لیکن سمجھ میں نہیں آتے۔ ساری ساری رات قرآن؟ میں نے کہا بالکل سمجھنے کے ہیں بھی نہیں اس دور میں۔ اور اسی لئے میں نے بیان کئے ہیں سمجھنے کے لئے نہیں، ایمان لانے کے لئے ہیں۔ اور ایمان ابھی تک ہے نہیں میں نے کہا سمجھاؤں تا کہ سمجھ میں آ جائیں۔ کہنے لگے جی ہاں سمجھائیں میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں نے کہا یوں سمجھ میں آ جائے گا میں نے کہا یہ چوکیدار کی کیا تنخواہ ہے اس زمانے میں ساٹھ، پینسٹھ، ستر روپیہ یہ تنخواہ تھی چوکیدار کی۔ میں نے کہا ستر روپے کے لئے لاکھوں چوکیدار ہیں جو راتوں کو جاگتے ہیں۔ کہنے لگے بات سمجھ میں آ گئی۔ ستر روپے کے لئے جاگنا مسلمانوں کو سمجھ میں آتا ہے قرآن کے لئے جاگنا سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ اس سے زندگی بنتی ہے اور قرآن سے بنتی ہوئی زندگی نظر نہیں آتی۔

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جب ایمان آ جائے گا تو اس کے لئے سارا کچھ کرنا آسان ہو جائے گا کوئی مشکل نہیں رہے گی۔ جان لگانا بھی آسان ہوگا، مال لگانا بھی آسان ہوگا اور مکان بیچ کر تبلیغ کے لئے جانا بھی آسان ہوگا، دور دراز جانا بھی آسان ہوگا اور کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ اب اس وقت میں تو کوئی تین چلے یا چلے کے لئے کوئی چلا جائے تو پیچھے سے استفتاء آنے شروع ہو جاتے ہیں کہ دیکھو جی بیوی کو چھوڑ کر چلا گیا، بچوں کو چھوڑ کر چلا گیا آخر بچوں کا بھی حق ہے والدین کا بھی تو حق ہے۔ جتنے باہر گئے ہوئے ہیں پیسے کمانے کے لئے دو دو سال، چار چار سال، آٹھ آٹھ سال، بارہ بارہ سال، چودہ چودہ سال، پچیس پچیس سال ہو گئے ہیں بہت سے ایسے

ہیں جن کے بیوی بچے بھی یہاں ہیں اور والدین بھی یہاں ہیں نہ ماں کو کوئی تشویش ہے، نہ باپ کو کوئی تشویش ہے، نہ بیوی کو کوئی تکلیف ہے، نہ بچوں کو کوئی تکلیف ہے۔ سب خوش ہیں کہ پیسے آ رہے ہیں اور وہ کبھی چھ مہینے کے بعد اور سال کے بعد اور کبھی آٹھ مہینے کے بعد ایک مہینے کے لئے آتا ہے اور کبھی ماں نے، بیوی نے یہ نہیں کہا اب تو نے نہیں جانا۔ وہ پہلے تیاری کر کے بیٹھی ہوتیں ہیں ہاں آج تمہیں ضرور جانا ہے۔ ماں کو بھی کوئی تکلیف نہیں اور دادی کو بھی کوئی تکلیف نہیں، کیوں کہ سب کو یقین یہ ہے کہ پیسے سے زندگی بنتی ہے۔ اور جب ایمان اور اعمالِ صالحہ پر زندگی بننے کا یقین آ جائے گا تو پھر جب گھر والا جائے گا تو بیوی بھی خوش ہو گی جس طرح حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا خوش ہوئیں۔ اور بچے کو بھی اطمینان ہوگا جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اطمینان ہوا۔ جس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بچوں کو اطمینان ہوتا تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کا اطمینان رہتا تھا اور جس طرح تمام صحابہ کے بچوں کو اطمینان رہتا تھا۔ سالوں کے لئے باہر جاتے تھے، کئی کئی سالوں کے لئے باہر نکل کر گئے، دور دراز نکل کر گئے اور ہمیشہ نکل کر جاتے تھے۔ اور صرف یہ پہلا دعوت کا دور تھا اور اس کے بعد جہاد کا دور تھا وہاں جانیں دینے کے قصے تھے لیکن جانیں دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ ہر آدمی یہ سمجھتا تھا کہ نکل کر جائیں گے تو بہت کچھ ملے گا، ہمیں بھی بہت کچھ ملے گا۔ فخر کی چیز تھی میرا باپ شہید ہے، میرا بھائی شہید ہے، میری بہن شہید ہے، میں اتنے شہیدوں کی بہن ہوں، میں اتنے شہیدوں کی اماں ہوں۔ فخر کی بات بن گئی تھی اور فخر کی بات اب بھی بن جائے گی جب ایمان بن جائے گا۔ اور بہت آسان سا راستہ ہے کہ ایمان سیکھنا ہے سب سے پہلے ایمان سکھاؤ اور اسی پر وقت لگاؤ اور بھر پور محنت کرو جتنا وقت اس کے لئے نکالا جا سکے اس لئے کہ اس

کے بغیر آگے کوئی چیز نہیں چل سکتی۔ جب ایمان آ جائے گا تو اللہ جل شانہ تمام غلط کاموں کا چھوڑنا آسان بنادیں گے۔

آخری بات اور اسی پر ختم کرتا ہوں ایک آدمی تھا اس نے اپنے بچے کو چھوڑا ایک استاد کے پاس پڑھنے کے لئے۔ استاد اس وقت الف، باء، تاء یا الف انار، ب بلی سے شروع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ شروع کیا جاتا تھا ایمان سے۔ اس بچے کو اس نے ایمان سکھانا شروع کیا ایمان سیکھایا اور ایمان آ گیا اس بچے میں۔ بچے کو ایمان سیکھانا بہت آسان ہوتا ہے۔ بچے کی تختی بالکل خالی ہوتی ہے جو لکھنا چاہو لکھ سکتے ہو۔ ایمان سیکھ لیا بچے نے ابھی ایمان ہی سیکھا تھا، آگے قرآن سیکھنا تھا قرآن شروع ہی کیا تھا کہ وہ آ گیا اور اس نے کہا کہ میں تو اپنے بیٹے کو لے کر جاؤں گا۔ مولوی صاحب بچارے نے بہت منت سماجت کی کہ بہت ذہین بچہ ہے، بہت محنتی بچہ ہے۔ اس نے کہا نہیں مجھے اپنا کام سکھانا ہے لے گیا زبردستی تو کر نہیں سکتے تھے۔ بچہ کو گھر لے گیا اور گھر میں رات کو اپنا کام سکھانے کے لئے وہ چور تھا چوری کیا کرتا تھا نقب لگایا کرتا تھا۔ اس نے بچے کو بھی ساتھ لیا اور چوری کرنے کے لئے نکل گیا ایک جگہ پر پہنچے۔ رات اندھیری تھی اور وہاں جا کر بچے کو اس نے ایک کونے پر مناسب سی جگہ پر کھڑا کیا اور کہا وہاں کھڑے ہو جاؤ اندھیرے میں اس دیوار کے سہارے پر اور میں اس سامنے کی دیوار پر نقب لگاتا ہوں۔ اس نے سوراخ کرنا شروع کیا اور ساتھ یہ کہا اس بچے کو کہ دیکھو میں سوراخ کرنے لگا ہوں ادھر ادھر چاروں طرف دیکھتے رہیو اگر کوئی دیکھے تو یوں پیر مار دینا کہ دیکھ رہا ہے اس نے کہا بہت اچھا۔ بچہ کھڑا رہا وہ نقب لگاتا رہا جب نقب لگ گئی اور وہ اندر داخل ہونے لگا گھر میں تو بچے نے پاؤں مار دیا کہا کہ دیکھ رہا ہے زبان سے بھی کہہ دیا اور پاؤں سے بھی کہہ دیا۔ غرض بھاگ اٹھا چور

کے پاؤں نہیں ہوتے اب باپ آگے آگے اور بیٹا پیچھے پیچھے بھاگے، بھاگے، بھاگے۔ جب گاؤں سے نکل گئے تو چور رک گیا کہ کوئی آہٹ آنی چاہیے تھی کوئی جب دیکھتا ہے چوروں کو تو چور چور کرتا ہے۔ لوگ نکل آیا کرتے ہیں اور تعاقب کیا جاتا ہے۔ تو نہ کوئی آہٹ اور نہ کوئی آواز تھی پھر مڑ کے دیکھا تو کوئی نظر بھی نہیں آیا تو اس کو اندازہ ہوا کہ بچے کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ تو اس نے غصے میں بیٹے سے کہا کون دیکھ رہا تھا اس نے کہا کہ اللہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کوئی دیکھے تو بتانا کہ کوئی دیکھ رہا ہے اس نے بتا دیا۔ بچہ چونک ایمان والا تھا اندر کی بات تھی اگل دی۔ باپ اس کو ساتھ لے کر آ گیا اور جب اپنے گھر پہنچے تو باپ نے کہا کہ بیٹے میں نے آج سے توبہ کر لی آئندہ چوری نہیں کروں گا اور تو اپنا پڑھنے جا۔

اگر آدمی کو اللہ جل شانہ ایمان نصیب فرما دیں، ایمان سے بات ہو گی تم برائیوں کو نہیں روک سکو گے تمہاری نہ مارشل لاء روک سکے گی برائیوں کو اور نہ تمہاری پولیس روک سکے گی اور نہ تمہاری انتظامیہ روک سکے گی نہ تمہاری عدالتیں روک سکیں گی۔ کوئی چیز برائی کو نہیں روک سکتی صرف برائی کو روکنے کا سامان آدمی کا ایمان ہے۔ ایمان اندر آ جائے گا تو ساری برائیاں رک جائیں گی۔ اسی طرح سے جب آدمی کو یقین ہو کہ اللہ ﷻ دیکھ رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں میرا سب کچھ ہے اور وہ قہار بھی ہے اور جبار بھی ہے اور ''اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ'' اور اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ آدمی خود بخود ڈرتا ہے اور اندر سے رکتا ہے اور اس طرح سے رکتا ہے کہ غلطیوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ واپس آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا غلطیوں کی طرف۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب ایمان سیکھ لیا تھا تو بات سامنے تھی۔ جب مدینہ طیبہ آئے تو خدا کے احکامات بارش کی طرح آئے، صبح اور حکم آئے اور شام کو اور حکم آئے دوپہر کو اور حکم

آئے اور حکم آتے چلے گئے۔اور جو حکم اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا جس وقت آیا اسی وقت پوری امت نے اس کو پورا کر لیا ایمان اندر موجود تھا۔اعمال کو قبول کرنا بھی آسان، ہر صحیح کو کرنا بھی آسان اور غلط سے رکنا آسان۔ایمان ایک اندر کی طاقت کا نام ہے جب وہ اندر آجاتی ہے تو آدمی ہر نیکی کی طرف آگے بڑھ سکتا ہے ہر بدی سے پیچھے ہٹ سکتا ہے۔اسی بناء پر شراب جو ہے یہ گھٹی میں ڈالی جاتی تھی اتنے شراب کے عادی تھے اس ملک سے زیادہ شراب کا عادی کوئی نہیں تھا۔اور اتنی شاندار شرابیں تھیں اور اس پر اتنا لکھا گیا ہے جتنی شاعری تھی وہ بھی اسی پر تھی اور جتنی نظمیں تھیں وہ بھی اسی پر تھیں۔اور اتنے شاندار سیٹ جیسے چائے کے اور آج کل پانیوں کے اتنے سیٹ ہیں اس سے کہیں زیادہ قیمتی شراب کے سیٹ ہوتے تھے۔جب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا حکم آیا کہ یہ نجس ہے اسی دن اسی وقت شراب جو پیشاب والی گندی نالیوں میں بہہ رہی تھی۔تمام برتن توڑ دیئے اور شراب الٹ دی گندی نالیوں میں۔اور تمام برتن توڑ دیئے اس لئے کہ یہ شراب کے برتن ہیں۔یہ ایمان آنے کے بعد یہ ہوتا ہے یہ پولیس کے حکم سے نہیں ہوتا نہ گورنمنٹ کے حکم سے ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نے ایک آرڈر جاری کر دیا ہے۔ایمان جب آتا ہے اس وقت میں یہ کام ہوتا ہے۔ہر غلط کا چھوڑ بھی آسان ہوتا ہے اور ہر نیکی کا کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔اس وقت بھی ایمان سے ہوا تھا اور اب بھی ایمان سے ہوگا۔بس ایمان کے سکھانے کی محنت کرو اور جتنے یہ ایمان کی محنت سکھانے والے ہیں یہ سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کے قریب ہوں گے اور سب سے زیادہ محنت انبیاء علیہم السلام کو ایمان ہی پر لگی۔اور سب سے زیادہ محنت کا کام ہے اور سنت رائج اور مسئلے سکھانا یہ بہت آسان ہے۔اس لئے جو کرنا شروع کرتا ہے وہ اسی کو شروع کرتا ہے۔اور یہ مسئلے سکھانا ایسا کام ہے جیسے کوئی آدمی کسی جگہ پر کوئی شکل تنے کی بنا کر اس پر پتے ڈالنا

شروع کر دے اور پھل ٹانگنا شروع کر دے تو پھل کب تک ٹانگتے رہو گے اس کو کیا نتیجہ نکلے گا؟ وہ سوکھ جائیں گے ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے جو پہلا کام ہے وہ پہلے کرنے کا ہے جب جڑیں لگ جائیں گی جب ایمان کی جڑ لگ جاتی ہے تو اس میں سے شاخیں خود بخود نکلنا شروع ہو جاتیں ہیں۔ پتے خود نکلتے ہیں اور پھول خود بخود نکلتے ہیں اور پھل خود بخود نکلتے ہیں۔ اسی طرح جب ایمان کی جڑ لگ جاتی ہے تو عبادت خود بخود نکلتی ہے اس میں سے اللہ جل جلالہ کی یاد اس میں سے خود بخود نکلتی ہے اس میں سے اور ذکر خود بخود نکلتا ہے اس میں سے سارے کام آسان ہو جائیں گے۔ اللہ جل شانہ تمہارے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی اس کو آسان فرمائے۔

تو بنیادی چیز سمجھ کر اس پر محنت کرو جتنی زیادہ محنت بڑھائی جا سکے اس وقت میں انسانیت کو امن اور چین اور راستے پر ڈالنے کے لئے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے علاوہ کوئی صورت نہیں، کوئی بچاؤ کا سامان نہیں پوری انسانیت اور کائنات کے بہت بڑے محسن وہ ہوں گے جو اس وقت میں ایمان اور اعمالِ صالحہ پر محنت کر کے ایمان اور اعمالِ صالحہ والے راستہ پر ڈال دیں۔ انسانیت اس وقت مال و دولت والے اور کافروں والے اور دہریوں والے اور یہودیوں، نصرانیوں والے راستے پر پڑ گئی ہے مال اور مال کے اعمال ایمان اور ایمان کے اعمال پر نہیں آ رہے مال کے اعمال پر جب تک پڑی رہے گی گمراہ ہوتی رہے گی رسوا ہوتی رہے گی اور پریشان ہوتی رہے گی اور خرابی کے نتائج یہاں بھی ظاہر ہوں گے اور آخرت میں بھی ظاہر ہوں گے۔ اللہ تعالی خساروں سے بچائے اور شرعی راستوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(دعا) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ

تَسْلِيْمًا، اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔

یا اللہ ہمارے اور پوری امت مسلمہ کے گناہوں اور لغزشوں کو معاف فرما۔ الٰہی اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی کامل محبت نصیب فرما۔ الٰہی کامل ایمان کی دولت سے مالا مال فرما۔ الٰہی پوری امت کو، پوری انسانیت کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرما۔ ایمانِ کامل کی دولت سے مالا مال فرما۔ دلوں کی دولت سے مالا مال فرما۔ اخلاق کی دولت سے مالا مال فرما۔ اخلاص کی دولت سے مالا مال فرما۔ اور ان دولتوں کو عالم میں تقسیم کرنے کے لئے دعوت کی دولت سے مالا مال فرما۔ اور اس کے نتیجے میں پورے عالم کی پوری امت کی ذلتوں کو عزتوں میں بدل دے۔ اس کے تشدد کو الفت اور محبت سے مبدل فرما۔ اس کے ضعف کو قوت سے مبدل فرما۔ الٰہی ظاہری بیماریوں سے بھی بچا اور باطنی بیماریوں سے بھی بچا۔ پوری اُمتِ مسلمہ کی انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کو پورا فرما۔ تمام انفرادی اجتماعی مشکلوں کو آسان صورت پیدا فرما۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

آپس میں تشکیل کرلو اور اس کی صورت یہی ہوتی ہے اصل تو یہ ہے اپنا خود تیار ہونا ایک تو تین دن کی جماعتیں جاتیں ہیں اور دس دن کی جماعتیں جاتیں ہیں اور پندرہ دن کی جماعتیں جاتیں ہیں اور ایک تین چلے کی باہر ملکوں میں جماعتیں جاتیں ہیں پہلے مقامی کام ہوتا ہے دو ہفتے یہاں مقامی کام کرتیں رہیں ہیں اہتمام کے ساتھ۔ اور عورتیں گھر میں بھی تعلیم کرتیں ہیں اور اپنے محلے والی عورتوں کو بھی بلا کر تعلیم کرتیں ہیں۔ تین دن کے لئے باہر بھی اپنے گھر کے جاتیں رہتی ہیں اور پندرہ دن

کے لئے رائے ونڈ بھی جاتیں رہتی ہیں جماعت کی صورت میں۔ وہ عورتیں جن کو مناسبت ہو جاتی ہے کام سے اور ان کو شوق ہوتا ہے اور ان کے گھر والے بھی پرانے کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ان کو پھر باہر چار چار مہینے کے لئے کام کرنے کے لئے یا کبھی کم وقت کے لئے بھی اور کبھی اس سے زیادہ وقت کے لئے بھی۔اللہ ﷻ کا شکر ہے کہ ملکوں میں بھی جاتے ہیں تو اپنے آپ کو ایسا بنانا چاہیے کہ ہمارا مقامی کام بڑھے اور اللہ جل شانہ ہمیں ایسی صلاحیتیں پیدا فرمائے تاکہ ہم ملکوں میں کام کرنے والے بنیں۔ ہمیشہ فائدے کی بات یہ ہے کہ دنیا بھر میں کرنا ہے حضور ﷺ کا طریقہ جبھی بنے گا جب ہر امتی کی نیت وہی بنے جو حضور ﷺ کی تھی، حضور ﷺ کی نیت پوری عالم کی تھی اس لئے ہر آدمی مرد و عورت کی نیت پوری عالم کی ہونی چاہیے اس کے لئے آپس میں تشکیلیں کر و اس کے ساتھ ساتھ یہ مردوں کے لئے بھی عورتیں واسطہ بن سکتیں ہیں لیکن نہایت ادب واحترام کے ساتھ اور عقیدت کے ساتھ جو اللہ ﷻ نے بڑائی عطا فرمائی ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے خاوندوں کو اپنے بھائیوں کو اور محرم مرد جتنے بھی ہیں چچے ہیں، ماموں ہیں، باپ ہیں، خاوند ہیں ان کو واقعات سنا کر اچھی صورتیں جو واقعات ہوتے رہتے ہیں تبلیغ میں کہ اللہ ﷻ نے اس کو ایسا تھا ایسا بنا دیا، ایسا تھا ایسا ہو گیا۔ یہ واقعات سنا کر، حالات سنا کر ان کو آمادہ کرنا تاکہ وہ بھی تبلیغ کے لئے جائیں۔ چار چار مہینے، چھ چھ مہینے جائیں اصل کام ہمارا یہی ہے خواتین کا کہ خود باہر نکلنے کی تیاری کرنا اور اپنے محرم مردوں کو ساتھ لے کر نکلنے کی کوشش کرنا، تاکہ وہ بھی تبلیغ کے لئے جائیں اور جب وہ کبھی جائیں چار مہینے کے لئے، سال کے لئے، ڈیڑھ سال کے لئے ان سے پوری طرح سے تعاون کرنا جان کے ساتھ بھی اور مال کے ساتھ بھی اور گھر میں عفت اور صبر کے ساتھ بیٹھنے کے اعتبار سے بھی۔ ایسی تیار ہو دل

سے کہ اگر ہمیں فاقے کرنے پڑے تو فاقے کرنے پر تیار لیکن خدا کے دین کے لئے باہر جانا ہی چاہیے۔ ہمارے زیور بک جائیں لیکن تم باہر تبلیغ کے لئے جاؤ۔ اس طرح جب تم خود اپنے آپ کو آمادہ کرو گی ان شاء اللہ محرم مرد بھی بلکہ ان کے واسطہ سے تمہاری برکت سے دنیا بھر میں بہت کچھ کام ہو سکتا ہے۔ اگر تم نے اپنے محرم مردوں کے خوشی کے ساتھ تیار کر لیا۔ تیار کر کے بھیجا جتنا ان کو محنت کے کرنے پر ثواب ملے گا تم کو گھر بیٹھے اتنا ثواب مل جائے گا بالکل برابر کی شریک ہو سکتی ہو۔ اس طرح سے مال جان کے ساتھ شریک ہو کر تشکیلیں کرو۔

مولانا محمد یوسف اوّل صاحب پر حملے کے مقدمہ کا فیصلہ اور دُعا

قابلِ احترام بزرگو، بھائیو اور عزیزو! حادثہ یہ پیش آیا اس مدرسے کے نائب مہتمم اور میرے بیٹے یوسف اوّل پر قاتلانہ حملہ ہوا اس نے تین واروں کو اپنے ہاتھوں پر لیا ہاتھ شدید زخمی ہو گئے وہ اب ہسپتال میں ہے۔ ایسے موقع پر ایک ہی سوچ رائج ہے کہ جب کسی نے مجھے کوئی تکلیف پہنچائی اس کے جواب میں آدمی جتنا زیادہ سے زیادہ ظلم کر سکے کرتا ہے۔ اس کی قطعاً کوئی اجازت نہیں اس قاتل پر، ظالم پر بھی ظلم کرنا حرام ہے۔ اس کا جتنا جرم ہے، بقدر جرم سزا دینا ضروری ہے۔ لیکن اس پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں ہے سزائیں مقرر ہیں۔ اور اسلام کی جتنی سزائیں ہیں اور اسلام کا جتنا راستہ ہے مجرمین کے ساتھ معاملہ، گواہوں کے ساتھ معاملہ، قاضی کے ساتھ معاملہ، قاضی کی ذمہ داریاں، گواہوں کی ذمہ داریاں، مجرمین کی ذمہ داریاں مُدّعیِ اور مُدّعٰی علیہ کی ذمہ داریاں ان کو صرف اور صرف اسلام ہی صحیح راستہ بتاتا ہے اور اس کے علاوہ کہیں نہیں ہے۔ اس لئے کہ آدمی کی اندرونی صلاحیتیں کیا کیا ہیں؟ اس کی

استعدادیں کیا کیا ہیں؟ اور کس راستے پر چل کر وہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ہاں پیش ہو کر سرخ رو ہوسکتا ہے؟ صرف ان کا خالق ہی جانتا ہے۔ یہ نادان جو قانون بنانے بیٹھ گئے ہیں، دنیا میں جو قانون بنائے گئے چاہے انگریز کا قانون ہو چاہے، امریکہ کا قانون ہو، چاہے کسی کیمونسٹ ملک کا قانون ہو واللہ العظیم یہ انسانوں کے لئے قوانین نہیں ہیں۔ یہ قانون نہیں ہیں، قطعاً قابلِ احترام نہیں ہیں، قطعاً قابل عمل نہیں ہیں قطعاً انسانی زندگی کو صحیح راستے پر لگانے کے قانون نہیں ہیں۔ صرف محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید جو نظام لے کر آئے ہیں اسی پر چل کر انسانیت اپنی منزل پر پہنچ سکتی ہے۔ اس وقت میں ایک مدت ہوگئی اور وہ تقریباً دوسو برس ہونے کو آ گئے ہیں ہم اسی کے نظام عادی ہیں اسی پر چل رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید بہت مقدس اور عظیم نظام ہے۔

ابھی چند مہینوں پہلے وہاں اسلام آباد میں تھے وہاں کے اوپر کے حلقے کے لوگ اکھٹے تھے۔ آئین کی بالادستی، قانون کی بالادستی شریعت آرڈیننس تھا کہ یہ آئین کی بالادستی اور قانون کی بالادستی تو قائم رہنی چاہیے۔ تو میں نے ان سے یہ کہا کہ تم قانون کی بالادستی، قانون کی بالادستی شریعت کے مقابلے میں جب کہتے ہو تو ایمان ایمان رہتا ہے یا نہیں؟ تمہارا یہ قانون اس کی بالادستیاں شریعت پر کہتے ہو یہ قانون کی بالادستیاں نہیں ہیں تمہارے ہاں۔ تمہارے ہاں قانون بالادست ہے ولایت میں اور لندن میں بڑا بالادست ہے اور امریکہ میں بڑا بالادست ہے یہ قانون۔ یہ بالادستیوں کی خرمستیاں پوری کرنے کے لئے بنایا گیا ہے یہ قانون۔ جو بنانے والے ہیں اس قانون کے وہ اسمبلیاں وہ بھی اس لئے بنا رہے ہیں کہ اسمبلیوں والے ہیں قانون بنانے والے ہیں ان کی بھی خرمستیاں بھی پوری کرے۔ پھر جن عدالتوں نے ان کے مطابق فیصلے کئے ہیں ان کی بھی خرمستیاں بھی پوری کرے۔ جو اس کے ذریعے وکلاء

ہیں ان کی خرمستیاں بھی پوری کرے۔اور جو ان کو ووٹ دے کر بھیجنے والے ہیں ان کی خرمستیاں بھی پوری کرے۔ یہ قانون اس بنیادوں پر بنائے گئے ہیں۔ انسانی شرافتوں کا لحاظ رکھنا، انسانی اخلاق کو بڑھانا اور انسانی ضرورتوں کو پورا کرنا قطعاً تمہارے ان قوانین کا کام نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف شریعت کے ساتھ ہے اور صرف اسلام کے ساتھ ہے۔ اس بناء پر اپنے معاملات میں یہ بات میں تم سب سے کہہ رہا ہوں اپنے معاملات میں شریعت کی طرف، حضور ﷺ کی طرف دیکھنا چاہیے۔ حضور ﷺ کو چھوڑ کر اس قانون کی طرف دیکھنا ایسا ہے جیسے حضور ﷺ کو چھوڑ کو حضور ﷺ کے دشمن کو دیکھنا۔ دستور یہ ہے اس وقت میں وہ ہمارے میانوالی کا ایک آدمی تھا اس کو کسی نے کہا کہ تجھے قسم اٹھانی پڑے گی کسی مقدمے کے سلسلے میں۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ قسم کھانے سے رک جاؤ اور اپنی میانوالی کی زبان میں کہنے لگا "قسم پی جائیں تے مقدمے چوں کمزوری نہ ہون دئیں"، قسم کھا لینا چاہے دس قسمیں کھانی پڑیں لیکن مقدمے میں کمزوری نہیں آنی چاہیے جتنی جھوٹی قسمیں چاہے کھا لو۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا ہوں یہ نظام از اول تا آخر غلط ہے میری طبیعت اس طرف کبھی نہیں چلی ہے۔ یہ واقعہ اور حادثہ پیش آیا میں اس میں ذرا ڈھیل ڈھال کر رہا تھا۔ اس بناء پر ڈھیل ڈھال کر رہا تھا کہ میرے اپنے اور تعلق رکھنے والوں کی طبیعت میں، اللہ جل جلالہ کا نظام ہے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو دوسرے دن کا صدمہ پہلے دن سے کم ہو جاتا ہے تیسرے دن اس سے کم ہو جاتا ہے اللہ جل جلالہ کا نظام دنیا کا اسی طرح چلتا ہے۔ تو یہ صدمہ کچھ کم ہو جائے طبیعتیں ذرا ٹھنڈی ہو جائیں۔ تو وہ صورت جو میرے ذہن میں ہے وہ صورت اختیار کی جائے۔ اس صورت کو اختیار کرنا چونکہ یہ اس کی عادت نہیں ہے اس کو گلے سے اتارنا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے میں تاخیر

کرتا رہا۔

اور اسی میں ایک واقعہ سنادوں ہمارے ایک فیصلہ ہوا تھا ہندوستان میں ایک جھگڑا تھا مسلمانوں اور ہندوؤں میں۔ ایک زمین تھی ہندو کہتے تھے یہ ہمارے دھرم شالہ کی جگہ ہے، مسلمان کہتے تھے یہ ہماری مسجد کی جگہ ہے۔ مقدمہ تھا لمبا چل رہا تھا نیچے چلا، نچلی عدالت سے اگلی عدالت میں، اگلی سے ہائی کورٹ میں گیا ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ میں گیا۔ جب سپریم کورٹ میں گیا تو اس وقت میں سپریم کورٹ میں ہندوؤں نے یہ درخواست پیش کی کہ اس شہر کے فلاں مولانا جو ہیں اگر وہ آ کر سپریم کورٹ کے جج کے سامنے کہہ دیں کہ یہ زمین مسجد کی ہے کہ تو ہم مقدمہ واپس لے لیں گے، وہ ہم فیصلہ تسلیم کر لیں گے۔ اگر وہ یہ کہہ دیں کہ یہ دھرم شالہ کی ہے تو ہندوؤں کی ہو گی۔ اب یہ فیصلہ گویا مسلمانوں کے گھر آ گیا لیکن مسلمان جنہوں نے مقدمہ کیا ہوا تھا وہ اپنے تعلق والوں یا مولانا کے تعلق والوں کو لے کر مولانا کے پاس پہنچے اور کہا کہ دیکھو جی مولوی صاحب خیال رکھنا اب اسلام کی شکست اور فتح کا دارومدار اب آپ پر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی وجہ سے اسلام کو شکست ہو جائے۔ ذرا سنبھل کے رہیو اور سنبھل کے بیان دیجیو۔ اس طرح کی بالواسطہ بلاواسطہ قسم کی باتیں کرتے رہے۔ جس وقت مولانا پیش ہوئے سپریم کورٹ میں تو جج نے پوچھا کہ یہ آپ کو ہندوؤں نے یہ لکھ کے دیا ہوا ہے کہ ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے کہ مولانا یہ کہہ دیں ہمارا مقدمہ چل رہا ہے فلاں عدالت سے، فلاں عدالت سے میرے پاس پہنچا ہوا ہے۔ یہ مسئلہ ہے آپ فرما دیں یہ زمین جس کا جھگڑا ہے مندر کی ہے یا مسجد کی ہے؟ تو اس وقت میں مولانا نے کہا کہ میں اس کا بالکل عینی شاہد ہوں اور میرے علم میں ہے کہ یہ مسجد کی نہیں بلکہ دھرم شالہ کی جگہ ہے۔ جب یہ بیان آیا تو سارے مسلمانوں نے جس

کے جو منہ میں آیا مولانا کے متعلق کہا۔ کہ سارا بیڑہ غرق کر دیا ہم نے کہا تھا نا کہ یہی کریں گے۔ یعنی وہ صورتحال کچھ اس طرح کی بنی کچھ مسلمانوں کے اندر کہ عدالت نے مولانا کو عدالت میں روکا کہ یہ باہر نہ جائیں۔ جب تک لوگ موجود ہیں بعد میں جب لوگ چلے جائیں گے تو پولیس کی حفاظت میں بھیج دیں گے۔ جس وقت یہ مسلمان نکل گئے، ہندو الگ ایک جگہ پر ایک باغ میں جمع ہو گئے یہاں سے نکلنے کے بعد۔ جس وقت مولانا عدالت سے نکلے، ان کے کچھ آدمی آ گئے انہوں نے کہا کہ ہندو ایک جگہ پر جمع ہیں کچھ بات کرنا چاہتے ہیں انہوں نے کہا کہ بھئی میں اس وقت کسی کی بات کے لئے نہیں آیا۔ بات جو عدالت نے پوچھی تھی وہ میں عدالت کو بتا دی۔ نہ میں نے ہندوؤں کے لئے بتائی ہے نہ مسلمانوں کے لئے۔ میں کسی کے ہاں جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ان میں مولانا کے جاننے والے ایک قابل اعتماد آدمی موجود تھے کہنے لگے کہ مولانا وہ صرف مسلمان ہونے کے لئے جمع ہیں وہ سارے جتنے آئے ہوئے تھے وہ سارے مسلمان ہونے کے لئے بیٹھے ہیں۔ تو مولانا اس بنیاد پر وہاں چلے گئے اور واقعی جب وہاں پہنچے تو وہ کھڑے ہو گئے اور اپنی ترتیب پر مولانا کو سلام کیا اور ساتھ یہ کہا کہ آج ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اسلام حق ہے۔ اس بناء پر ہم سب کو مسلمان کر دیں۔ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

میں یہ عرض کر رہا ہوں اگر صحیح راستہ اختیار کیا جائے اسلام کا تو یہ لوگوں کے اسلام میں داخلے کا سامان ہے۔ جو راستہ ہم لوگ اختیار کر رہے ہیں وہ تو اسلام سے نکلنے کا راستہ ہے۔ اس بناء پر اپنے اسلام کے راستے پر چلنے کے لئے نبی کی طرف اپنے معاملات میں دیکھنا چاہیے۔ آپ کی فقہ کی کتابوں میں پورا نظام موجود ہے اگر کسی شخص کو کسی نے زخمی کیا ہے تو قصاصاً زخمی کیا جا سکتا ہے جواب میں اگر قاضی فیصلہ کرتا

ہے، دعوی دائر ہو، قاضی فیصلہ کرے حاکمِ وقت فیصلہ کرے، قصاص ہونا چاہیے۔ قصاص سے اس کی زندگی برباد نہیں ہوتی لیکن جو صورتیں اختیار کی جاتیں ہیں ایک سال کے لئے جیل میں بھیج دیا جائے ایک سال کے بعد وہ دس نمبر کا بدمعاش بن کر باہر نکلتا ہے۔ ساری زندگی اس کی تباہ ہو جاتی ہے۔ وہ زندگیاں برباد کرنے کا سامان ہے۔ قصاص ہے اس کے علاوہ اور تعزیریں بھی ہیں تعزیر میں کچھ حدود ہیں مقرر کی ہیں یہ یہ ہیں اس اس شرط پر ہیں۔ لیکن تعزیر بھی ہے کوئی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے قاضی آزاد ہیں اس کے لئے بھی کچھ معروف صورتیں موجود ہیں لیکن ویسے آزاد بھی ہیں کہ اتنی تعزیر جیسا جرم ہے اس کے مطابق تعزیر بھی لگائی جاسکتی ہے۔ اس وقت میں میرے سامنے یہی صورت صحیح تھی کہ وہ شرعی حکم کو، شریعت کے راستے کو اختیار کریں عدالت کا راستہ چھوڑ دیں۔ اس راستے پر جو فیصلہ بھی ہو اس کو قبول کر لیں۔ چنانچہ اس وقت میں آپ لوگوں تک پہنچنے میں دیر ذرا اس لئے ہوئی۔ کہ ایک ضروری کام پہلے ایک دو مہینے سے وعدہ تھا مجھے یاد نہیں تھا ڈائری میں لکھا ہوا تھا۔ کل یاد نہیں رہا تھا اس بناء پر یہ وقت مقرر بھی کر لیا تھا خیال تھا اس پہلے ہم دن میں اپنا یہ کام کر لیں گے لیکن اندازہ ہوا کہ نہیں وہ تو وعدہ ہے دو مہینے پہلے سے سارا دن میرا وہاں لگ گیا اور اسی وقت میں کرنا پڑا اس وجہ سے تاخیر ہوئی۔ یہ اس وقت میں جو مدرس تھے یہاں یعنی لڑکا جس نے جرم کیا ہے وہ اور اس کا باپ اور اس کا ایک ساتھی۔ لڑکا جو جرم کرنے والا ہے وہ اپنے جرم کرنے کی وجہ سے اندر ہے اور لڑکا اس قسم کا ہے کہ جو بھی دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ لڑکا اس قسم کا کام کرنے والا نہیں ہے۔ کسی نے کروایا ہے اس بناء پر کسی نے کروایا ہے جو اس کے قریبی ہیں ایک باپ نکلا اور اس نے اعتراف بھی کیا ہے پولیس کے سامنے بھی اور اپنا اس میں بھی یعنی تحریر میں بھی کہ میں نے جرم اس بناء پر کیا ہے کہ

میرے باپ کو اس مدرسے سے نکالا ہے اس کی وجہ سے کیا ہے۔تو وہ کسی نے کروایا ہے اس سے باپ نے کروایا ہے، بھائی نے کروایا ہے، ساتھی نے کروایا ہے۔کسی نے کروایا ہے جو بھی کہتا ہے وہ کہتا ہے کہ اسی نے کروایا ہے۔اس شبے میں ان کو بھی پکڑا ہوا ہے۔شاید یہ معاون ہوں جرم کے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ جرم کیا ہے، پکڑے ہوئے ہیں اعانت کا شبہ ہے وہ تو تحقیق کرنے پر معلوم ہوگی۔باپ بھی اسی میں ہے اور دوسرا لڑکا بھی جو اندر ہیں تو انہوں نے یہ لکھ کر بھیج دیا ہے کہ ہم مفتی صاحب کو اپنا ثالث مقرر کرتے ہیں جو وہ ہمارے متعلق فیصلہ کریں گے وہ ہمیں قبول ہے۔میری اپنی درخواست اپنے بچوں سے بھی اور سارے عزیزوں سے بھی اور اپنے سارے تعلق رکھنے والوں سے بھی کہ وہ اس فیصلے کے لئے تیار ہیں جو ہم فیصلہ کریں۔میری اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ آپ سب بھی دل سے کسی نفاق سے نہیں میں خود اپنے دل سے کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے مجھے ثالث بنایا کہ میں جو فیصلہ کروں ہم اس کے لئے تیار ہیں۔اور ہمارا فیصلہ یہ ہے اس فیصلے کو میں اسی وقت اجمالی طور پر سنا رہا ہوں۔وہ یہ کہ ہم نے ان کا جو جرم ہے وہ معاف کیا ہے اللہ جل جلالہ انہیں ہدایت نصیب فرمائے۔لڑکے کو بھی اس کے باپ کو بھی اس کے ساتھی کو بھی صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔کہ وہ جرم کے راستے پر نہ چلیں بلکہ اِنابت اور توبہ کے راستے اور اللہ جل جلالہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے راستے پر چلیں۔اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ سب نے دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ معاف کیا تو اللہ جل جلالہ ان کو معاف فرما دیں گے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔میں اس راستے کو اپنے لئے بھی صحیح سمجھتا ہوں اور امتِ مسلمہ کے لئے بھی صحیح سمجھتا ہوں اور باقی لوگوں کے لئے بھی صحیح سمجھتا ہوں جی چاہتا ہے کہ اپنے معاملات جتنے بھی ہوں اور آپ کو اس لئے بھی جمع کیا کہ آپ ہمارے ساتھی

ہیں زندگی اکھٹے گزار رہیں ہیں ایک مدت سے ہم اکٹھے رہ رہیں ہیں کوئی حادثہ ہو تو اس میں جمع ہوں۔ پہلے تو یہ خیال ہوا تھا کہ نہ بلائیں ویسے ہی کر لیں اس چیز کے لئے بلانے کی ضرورت کیا ہے کام ہے وہ کر لینا ہے۔لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ زندگی بھر کے ساتھی ہیں بلا لینا چاہیے کہ ہوسکتا ہے آدمی فیصلہ کرنے بیٹھتا ہے اس میں کوئی رائے دے دیتا ہے جو بہتر ہوتی ہے اس سے جو ہم سوچتے ہیں۔اسی لئے میں نے پہلے علماء کو اندر بٹھا دیا پوچھ بھی لیا کہ بھئی یہ اس طرح کی طبیعت چل رہی ہے فیصلہ کی۔سب نے تصویب بھی کی ہے تو سب کا متفقہ فیصلہ ہے۔تاخیر اس لئے کی ہے تاکہ یہ اتر جائے طبیعتوں میں،اس کو طبیعتیں قبول کر لیں۔ جہاں تک معاف کرنے کا تعلق ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ سید الکونین ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال مسلسل معاف کیا ہے۔جس نے جو کچھ کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ معاف کیا جو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا وہ معاف کیا جو جو کچھ ہوا وہ سب کچھ سامنے ہے سب کو معاف کر دیا۔اور یہ معافی چلتی رہی ہے مکہ میں تیرہ سال چلتی رہی ہے۔اور پھر مدینے میں بھی معافی چلتی رہی ہے یہاں تک کہ جب حدیبیہ آیا حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ نے بہت،ایسا جھک کر فیصلہ کیا کہ جو عمر رضی اللہ عنہ جیسے آدمی کے گلے سے بھی نہیں اتر رہا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بالکل نبی برحق ہوں۔تو کہا پھر یہ فیصلہ اتنا جھک کر کیوں؟ فیصلہ یہ ہوا تھا مشرکین نے کہا کہ اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی ہمارے پاس آ جائے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے ۔ اور مشرکین کا کوئی آدمی آ جائے گا مسلمانوں کے پاس تو مسلمانوں کو واپس کرنا پڑے گا۔حضور ﷺ نے اس شرط کو بھی قبول فرمالیا۔کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ یہ شرط کہ ایک آدمی مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کیسے واپس کر

دیں۔مقدر کی بات جو آدمی فیصلہ کرانے والا، لکھنے والا اس کا لڑکا اسی وقت مسلمان ہو کر آ گیا۔حضور ﷺ نے فرمایا ابھی معاہدہ نہیں لکھا گیا انہوں نے کہا نہیں فیصلہ ہو گیا۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں بھئی ہو گیا۔لکھا نہیں گیا لیکن ہو گیا ہے اس بناء پر واپس کر دو۔سب کو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ یہ شک کی صورت پیدا ہو رہی ہے خدانخواستہ صورت کمزوری کی پیدا ہو رہی ہے۔اسی پر قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْناً '' کہ یہ فتح مبین ہے، کھلی کھلی فتح ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر پھر فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہ ابوبکر! کیا یہ فتح ہے؟ تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا عمر! یہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں یہ فتح ہے، یہ قرآن ہے، یہ فتح ہے۔اس کے بعد فرماتے ہیں کہ میرا دل بھی اللہ جل جلالہ نے کھول دیا کہ میرا دل بھی مطمئن ہو گیا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ آدمی کی سمجھ میں نہیں آتیں۔تو حضور ﷺ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا یہ جو جانور ہیں ھدی کے ان کو ذبح کر لو اور سر منڈ والو۔ایک آدمی بھی سر منڈوانے اور جانور ذبح کرنے کے لئے نہیں اٹھا۔حضور ﷺ کو پریشانی ہو گئی کہ میں ایک بات کہہ رہا ہوں اور اللہ جل جلالہ کا فیصلہ سنا رہا ہوں اور وہ اندر نہیں اتر رہی اس لئے کہ وہ مزاجوں کے خلاف تھی۔

حضور ﷺ پریشان ہو کر اندر تشریف لے گئے۔جب اندر پہنچے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور کہا کہ ام سلمہ یہ ہوا ہے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ایسا کریں ان کو چونکہ توقع ہے کہ ہمیں عمرہ مل جائے گا عمرہ کرنے آئے ہیں ہمیں عمرہ سے نہ روکا جائے۔انہوں نے کہا ہے کہ ہم عمرہ نہیں کرنے دیں گے تو وہ اندر کھلکھلاہٹ ہے ابھی چونکہ ان کو توقع ہے۔اگر آپ باہر بیٹھ کر حلق کرانا شروع کر دیں تو گویا یہ

فیصلہ ہو جائے گا اب آگے جانے کا کوئی سوال نہیں ہے تو سارے سر منڈوالیں گے۔ چنانچہ ان کی رائے پر حضور ﷺ نے باہر نکل کر سر منڈوانا شروع کیا سب نے سر منڈوانا شروع کر دیا۔ لیکن اس وقت بھی حالت اور غصے اور غم کی ایسی تھی، لکھا ہے کہ بالوں کے ساتھ کھال بھی جا رہی تھی۔ تو ہوتا ہے آدمی جن چیزوں کا عادی نہیں ہوتا تو اس کا بوجھ پڑتا ہے۔ تو اس بناء پر یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر کسی کی طبیعت پر بوجھ پڑ رہا ہو کہ یہ مفتی صاحب کیا کر رہے ہیں کیا گڑبڑ شروع کر دیتے ہیں اس لئے کسی کی طبیعت پر بوجھ پڑ رہا ہو تو اس کی بھی معذرت چاہتا ہوں لیکن اگر کچھ وقت کے لئے سوچو گے صحیح راستے سے تو تمہیں یہی معلوم ہوگا کہ صحیح راستہ یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی ﷺ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے سب کو سب کچھ معاف کر دیا۔ ''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ'' اندر کا اعلان تھا۔ ایسی قسم کا اعلان نہیں تھا کہ اندر کچھ ہو اور باہر کچھ۔ جو نبی کہتا ہے وہ اندر باہر سب کچھ ایک ہی ہوتا ہے۔ اعلان کیا کہ سب کو معاف کر دیا واقعی ہی اندر سے سب کو معاف کیا۔ اور باپ کے قاتل اور بھائیوں کے قاتل اور بیٹیوں کے قاتل اور ماؤں کے قاتل موجود لیکن سب کو معاف کیا۔ اس لئے کہ امت جب عفو، معاف کرنے میں انتہاء کو پہنچتی ہے تو تب عدالت کرنے کے قابل بنا کرتی ہے ورنہ یہ عدل کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ اس بناء پر اس راستے پر چلنا چاہیے، اعلیٰ درجے کے اخلاق کی چیز ہے معاف کرنا اور تواضع دو چیزیں جب تک حاصل نہیں ہوتیں اس وقت تک اخلاق کبھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ دو حاصل ہو جائیں تو سارے اخلاق کا راستہ آدمی کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ یہ راستہ ہم نے اختیار کیا ہے یہی آپ کو سنانا تھا یہ ضابطے کی کاروائی تھوڑی باقی ہے وہ ان شاء اللہ کل ہو جائے گی دعا کرو کہ جو شر اس سے اٹھا ہے اس سے اللہ جل جلالہ ان کو بھی محفوظ فرمائے اور ہمیں

بھی اس سے محفوظ رکھے اور تمام امت مسلمہ کو بھی محفوظ رکھے اور اس طرح کے شرور میں حضور ﷺ والا راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(دعا) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوبُ اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا، اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا عَلٰى سُنَّةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ أَمِتْنَا عَلٰى مِلَّةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَابِزُمْرَةِ نَبِيِّنَامُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْاَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَ الْعَفَافَ وَالْغِنٰى ، اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ، رَبِّىْ تُبْ عَلَيْنَا وَاِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِىْ نَحُوْرِالْاَعْدَآءِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِ الْاَعْدَآءِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ يَا حَافِظُ يَا حَفِيْظُ يَا سَلَامُ يَا هَادِىْ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اختتامی کلمات

بِحَمْدِاللّٰہِ وَ بِعَوْنِہٖ وَ کَرَمِہٖ بڑوں کی دعاؤں اور شفقتوں اور ساتھیوں کی محنت اور کوشش سے پہلی جلد تکمیل کو پہنچی۔ اگر اسی طرح بڑوں کی دعائیں اور شفقتیں اور ساتھیوں کی محنت اور کاوش کا تسلسل باقی رہا اور زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ تعالیٰ دوسری جلد بھی مکمل ہونے پر پیشِ خدمت کر دی جائے گی۔

صاحبزادہ مولانا محمد یوسف ثالث قریشی (مدینہ منورہ)

منظوم کلام

بیاد حضرتِ اقدس مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہماری تھا امیدوں کا سہارا
کئے جاتا ہے ہم سے وہ کنارا
مبارک ہو تمہیں اے جانے والو
مبارک عالمِ برزخ تمہارا
تمہاری شفقتوں والی وہ مجلس
ہے جس کی یاد سے دل پارہ پارہ
تمہاری گفتگو ذکرِ الٰہی
کہاں ہو گی میسر پھر دوبارہ
وہ امت کے لئے راتوں کو رونا
کرے منظور رب سارے کا سارا
جدائی سے تمہاری دل پریشان
ولیکن کیا کرے بندہ بیچارہ
خدائی فیصلہ ہے جب یہ سارا
تو پھر صبر و رضا ہے بس سہارا

رہے آرام دہ مرقد مبارک
رہے حامیؔ و ناصر رب تمہارا

نتیجۂ فکر

بندہ غلام مصطفیٰ غفرلہٗ

ادنیٰ خادم حضرت مفتی صاحب قُدِّس سِرُّہٗ

............تمت بالخیر............